بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلطان الواعظین جناب مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب مدیر ماہ طیبہ کوٹلی لوہاران

کے

بارہ ۱۲ وعظوں کا بے نظیر مجموعہ

مواعظ

کتب خانہ ماہ طیبہ کوٹلی لوہاران ضلع سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلطان الواعظین جناب مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب مدیر ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں

کے

بارہ ۱۲ وعظوں کا بے نظیر مجموعہ

المسمّٰی بہ

واعظ

(حصہ اول)

جس میں

انکار حدیث۔ رفض و خروج۔ وہابیت و مرزائیت۔ الحاد و ارتداد۔ اور مادر پدر آزادی وغیرہ۔ آجکل کے جملہ فتنوں کے ردّ و ابطال میں بارہ ۱۲ مفصل و مدلّل وعظ درج ہیں۔ جو عوام و خواص سبھی کیلئے مفید ہیں اور جس میں علاوہ قرآن و احادیث اور ارشاداتِ سلف کے مثنوی کی حکایات اور نتیجہ خیز لطائف بھی درج ہیں۔

باہتمام

صاحبزادہ عطاء المصطفٰی و صاحبزادہ ضیاء المصطفٰی

حسن [illegible] پریس [illegible] روڈ لاہور [illegible]

ناشر

کتب خانہ ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

قیمت آٹھ روپے

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (پ۱۴ ع۲۲)

"اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر، اور اچھی نصیحت سے اور اُن سے اس طریقہ پر بحث کرو۔ جو سب سے بہتر ہو"

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (پ۱۱ ع۱۱)

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی۔ اور دلوں کی صحت، اور ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لئے۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (پ۴ ع۵)

"یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا۔ اور پرہیزگاروں کو نصیحت دو عظ ہے"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ٭

پہلی نظر

مدت سے میری خواہش تھی۔ کہ وعظ کی ایک ایسی جامع کتاب لکھوں جو عوام وخواص سب کے لئے یکساں مفید ہو۔ اور جس سے مبتدی طلبار بھی فائدہ اٹھائیں۔ اور مشاق مقررین حضرات کے لئے بھی وہ سرمایۂ وعظ وتبلیغ ہو۔ چنانچہ یہ مجموعہ میری اسی خواہش کا نتیجہ ہے۔ میں نے اسے بڑی محنت کے ساتھ اور بغیر کسی بخل کے لکھا ہے۔ اور دورِ حاضر کے اہم مسائل کو سامنے رکھ کر سادہ اور عام فہم طرز میں بہت کچھ لکھا ہے۔ انکارِ حدیث۔ وہابیت۔ رفض و الحاد اور مادر پدر آزادی وغیرہ کے جس قدر بھی آجکل کے فتنے نظر آ رہے ہیں۔ ان سب کے ردّ و ابطال میں آپ اس مجموعہ میں مدلّل وعظ پائیں گے۔ میں نے بہت سی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان مواعظ کو مرتب کیا ہے۔ اور جو بات بھی لکھی ہے۔ اصل کتاب میں دیکھ کر لکھی ہے۔ چنانچہ ہر آیت، حدیث اور ارشاداتِ سلف اور مخالفین کی عبارات کا مکمل حوالہ لکھ دیا ہے۔ خدا کے فضل سے کوئی حوالہ غلط نہیں ہے۔ آپ ان حقائق کو ہر مجمع میں بلا خوف وخطر، اور دھڑلے سے بیان کریں۔

اس مجموعہ میں جہاں قرآن و حدیث، اور ارشاداتِ سلف کی ضیار پاشیاں ہیں۔ وہاں حکایات و اشعار اور نتیجہ خیز لطائف کی دلچسپیاں بھی ہیں حق یہ ہے۔ کہ تائیدِ حق اور تردید باطل میں یہ ایک کامیاب تالیف ہے اور اس کا اندازِ بیان ایک انوکھا۔ دلچسپ۔ اور مؤثر انداز ہے۔ مدلّل ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سادہ و عام فہم بھی ہے۔ جس سے ہر شخص مستفید ہو

سکے گا۔ اور جہاں اسے علماء و طلباء پسند فرمائیں گے، وہاں عامۃ المسلمین، بھی اسے حرز جاں بنائیں گے۔ اور جہاں دین سے مس رکھنے والے اسے چاہیں گے۔ وہاں دین سے بے نیاز افراد بھی اسے سراہیں گے۔ اور سبھی اس سے مستفید ہوں گے۔

الغرض یہ کتاب اہل سنت کے لئے ایک گرانقدر تحفہ ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ۔ مجھے امید ہے۔ کہ علماء عظام۔ طلباء کرام۔ عوام وخواص بلکہ اپنوں اور بیگانوں کی بھی نظر میں یہ مجموعہ قبولیت پائے گا۔ اس لئے کہ ؎

عشق میرا سا نہ ہے شانی دل بلبل میں نہیں!
میرے پھولوں میں جو بو ہے وہ کسی گل میں نہیں

ابو النور محمد بشیر

عمل کتابت

حکیم م محمد یوسف خوشنویس ۱۱۴ سیالکوٹ امین پورہ (روڑس روڈ)

فہرست مضامین

تیسرا وعظ۔ فضائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم

چوتھا وعظ رحمتِ عالم
صلے اللہ علیہ وسلم

پانچواں وعظ۔ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر

چھٹا وعظ - نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

ساتواں وعظ معراج شریف

آٹھواں وعظ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

نواں وعظ۔ اتباعِ رسول

دسواں وعظ۔ خدا کی بندگی

گیارہواں وعظ - دنیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

حمد باری تعالیٰ

اے خدا اے مہرباں مولائے من — اے انیسِ خلوتِ شبہائے من
اے کریم کارسازِ بے نیاز — دائم الاحساں شہِ بندہ نواز
اے کہ نامت راحتِ جان و دلم — اے کہ فضلِ تو کفیلِ مشکلم
ماخطا آریم و تو بخشش کنی — نعرۂ انّی غفورٌ مے زنی
اللہ اللہ زیں طرف جرم و خطا — اللہ اللہ زاں طرف رحم و عطا
اے خدا بہرِ جنابِ مصطفیٰ — چار یارِ پاک و آلِ باصفا

پُر کن از مقصد تہی دامانِ ما!
از تو پذرفتن زما کردن دعا

از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ

تری اس شان کے قربان یا غفار یا اللہ
مجھے تو نے دیا عشقِ شہِ ابرار یا اللہ
ترے فضل و کرم نے کی یہ میری عزت افزائی
بنایا مجھ کو مدّاحِ شہِ ابرار یا اللہ

محمد ابوالفاروقی

نعت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہونگا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اسکو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ

پہلا وعظ
توحید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (پ۳۰ ع۳۶)

" فرما دو وہ اللہ ایک ہے "

حضرات! اس وقت توحید باری کے متعلق کچھ عرض کرنے کو حاضر ہوا ہوں۔ مجھے یہ بتانا ہے۔ کہ اللہ ایک ہے۔ اور اس کی ذات و صفات میں دوسرا کوئی شریک نہیں۔ یہ حقیقت بیان کرنے سے پہلے وجودِ باری کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔ یعنی پہلے یہ جان لیا جائے۔ کہ اللہ ہے اور یقیناً ہے۔ میرے بھائیو! اس ملحدانہ دور میں کئی بے دین ایسے بھی ہیں۔ جو سرے سے ہستیٔ باری ہی کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ خدا وُدا کوئی نہیں (معاذ اللہ) اور پھر لطف یہ۔ کہ یہ لوگ اپنے آپ کو پڑھے لکھے اور عقلمند بھی گمان کرتے ہیں۔ حالانکہ وجودِ باری کا انکار ساری جہالتوں سے بڑھ کر جہالت اور ساری حماقتوں سے بڑھ کر حماقت ہے ایسے ہی لوگوں کو میں بیوقوف عقلمند کہا کرتا ہوں۔ وجودِ باری تعالیٰ کا ثبوت نقلاً

تو ہے ہی۔ عقلاً بھی ہے۔ اور عقل کا بھی یہ اقتضاء ہے۔ کہ اس کائنات کا خالق و مالک یقیناً ہے۔

وجودِ باری کا عقلی ثبوت

دیکھئے! آپ اگر ایک میز یا کرسی کو دیکھتے ہیں۔ تو اس میز یا کرسی کے بنانے والے کا تصور یقیناً آپ کے دماغ میں آجاتا ہے۔ اور جب آپ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یوں کہتے ہیں۔ خوب ہے صاحب یہ کرسی اور بڑا مضبوط ہے یہ میز۔ کمال ہی کر دیا ہے بنانے والے نے۔ گویا بنانے والے کا ذکر کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس لئے کہ عقل کا یہ فتوٰے ہے۔ کہ مصنوع کے لئے صانع کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ ایک بنی ہوئی چیز ہو۔ مگر اس کا بنانے والا کوئی نہ ہو۔ بغیر فاعل کے فعل کا صدور کب ممکن ہے اور اگر اس کرسی ہی کی آپ تعریف کئے جائیں۔ بنانے والے کا بظاہر چاہے نام نہ بھی لیں۔ تو بھی وہ ساری تعریف دراصل اس بنانے والے ہی کی تعریف ہوتی ہے۔ مثلاً آپ یوں کہتے ہیں۔ کہ واہ واکیسی خوبصورت کرسی ہے، کیسا اچھا ڈیزائن ہے۔ کس قدر مضبوط ہے۔ کیسا نفیس رنگ ہے۔ تو یہ سارے تعریفی جملے در اصل اسی کرسی کے بنانے والے ہی کی تعریف میں ہیں۔ کہ بنانے والے کا ہی تو یہ کمال ہے۔ کہ اس نے ڈیزائن بھی اچھا بنایا ہے۔ مضبوط بھی بنائی۔ اور رنگ بھی اچھا کیا۔ ورنہ کرسی کا خود اپنا ذاتی کمال تو کوئی بھی نہیں۔

انبیاء و اولیاء کی تعریف

بزرگو! یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے۔ کہ خالقِ کائنات نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے۔ اس میں سے ہم جس مخلوق کی بھی تعریف کریں گے۔ وہ تعریف دراصل اسی خالقِ کائنات کی ہوگی۔ مثلاً ہم ایک گلاب کے پھول کو دیکھ کر اسکے رنگ و بو کی تعریف کریں۔ تو یہ درحقیقت گلاب کو رنگ و بو بخشنے والے کی تعریف ہے۔ کسی خوبصورت پرندے یا کسی دوسرے جانور کو دیکھ کر اس کی تعریف کریں۔ تو یہ بھی در اصل اس کے خالق کی تعریف ہے۔ اسی طرح

خدا کی جس مخلوق کی بھی تعریف کی جائے گی۔ وہ دراصل اسی ربِ کائنات کی تعریف ہوگی۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

یعنی "سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں۔ جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے" — گویا مخلوق کی تعریف خالق کی تعریف ہے۔

تو اسی طرح اللہ کے نبیوں، ولیوں اور اس کے مقبولوں کی بھی جس قدر تعریف کی جائے گی وہ تعریف بھی سب اللہ ہی کی تعریف ہوگی۔ آپ حسنِ یوسف کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یہ تعریف دراصل حسنِ یوسف کے خالق کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ آپ دَمِ عیسیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یہ تعریف بھی دراصل عیسےٰ علیہ السلام کو یہ اعجاز بخشنے والے کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ الحمد للہ رب العٰلمین۔ آپ یدِ بیضاءِ موسےٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ تو یہ تعریف بھی موسیٰ علیہ السلام کو یدِ بیضاء عطا فرمانے والے کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ الحمد للہ رب العٰلمین۔ اسی طرح آپ اپنے آقا و مولےٰ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حسنِ بیمثال اور جمال و کمال کی تعریف کرتے ہیں۔ یا آپ کے علمِ ما کان و ما یکون اور آپ کے تصرف و اختیار کی توصیف کرتے ہیں۔ یا آپ کے ان بے مثل و بے نظیر اوصاف وکمالات کی جو خدائی بھر میں کسی دوسرے میں نظر نہیں آتے۔ تعریف کرتے ہیں۔ نثر میں تعریف کرتے ہیں۔ یا حضور کی جامع کمالات ذات منبع البرکات کو دیکھ کر اعلیحضرت کی طرح نظم میں تعریف کرتے ہیں۔ اور یوں کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں :۔ ؎

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے	باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں	جانِ مراد و کانِ تمنا کہوں تجھے
بے داغ لالہ یا قمرِ بے کلف کہوں	بے خار گلبنِ چمن آرا کہوں تجھے
مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا	یعنی شفیعِ روزِ جزا کا کہوں تجھے
اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں	تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا مولا کہوں تجھے

تو یہ سب تعریفیں بھی درحقیقت اس اللہ کی ہی تعریفیں ہیں جس نے اپنے محبوب کو اس قدر فضائل و کمالات عطا فرمائے۔ اس لئے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

خدا اپنے محبوبوں کی تعریف سے خوش ہوتا ہے

دوستو! اس مثال سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہے۔ کہ کسی کاریگر کی بنی ہوئی چیز کی جب تعریف کی جائے۔ تو کاریگر اپنی مصنوع کی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ دیکھئے جب آپ کرسی کی تعریف کرینگے۔ تو تعریف کرسی کی ہو رہی ہے۔ اور خوش کرسی کا بنانے والا ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ تعریف در اصل میری ہے۔ اور اگر آپ اس کرسی میں نقص نکالنے لگیں۔ اور یوں کہنے لگیں۔ کہ یہ کس قدر بھونڈی ہے۔ اس کا رنگ اچھا نہیں۔ اس کی فلاں جگہ خراب ہے۔ تو اس تنقیص سے کرسی کا تو کیا بگڑے گا۔ کاریگر کو غصہ آئیگا۔ تو بلاشبہ جو لوگ انبیاء کرام و اولیاء عظام کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ ان کی اس تعریف سے انبیاء و اولیاء کا خالق خوش ہوتا ہے۔ اور جو گستاخ ان اللہ والوں کی تنقیص میں لگے رہتے ہیں۔ کہ ان میں یہ خوبی بھی نہیں۔ یہ کمال بھی نہیں۔ ان کی اس تنقیص سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ اور اپنے جلال میں یوں فرماتا ہے:۔

ذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ — (پ۲۹ع۱۳) یعنی (اے پیارے رسول اللہ)
چھوڑ دیجئے مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو۔

گویا ان بے دین گستاخوں کا مقابلہ خدا سے ہوتا ہے۔ اسی لئے اعلیحضرت نے لکھا ہے۔ ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے ٭ یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

حماقت

اور یہیں سے اندازہ کر لیجئے۔ اس حماقت کا بھی۔ جو ہمیں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ اہلِ سنت تو نبیوں اور ولیوں کی اس قدر تعریف کرتے ہیں۔ اور انہیں اتنا بڑھا دیتے ہیں۔ کہ انہیں خدا ہی بنا ڈالتے ہیں۔ حالانکہ جو مخلوق ہے۔ اس کی چاہے کتنی تعریف کی جائے۔ وہ خالق بن ہی نہیں سکتی۔ کیوں صاحب! اگر کوئی کرسی کی جی بھر کے تعریف کرے۔ اور ایک احمق اس کی اس تعریف کو سن کر یوں کہنے لگے۔ کہ دیکھئے صاحب! آپ نے تو کرسی کی اس قدر تعریف کر ڈالی ہے کہ اس کرسی کو بڑھئی بنا ڈالا ہے۔ یا اگر کوئی کسی کوٹ یا واسکٹ کی تعریف کرے اور کوئی بیوقوف کہنے لگے۔ کہ صاحب آپ نے تو اس کوٹ اور واسکٹ کو درزی بنا ڈالا ہے۔ تو فرمائیے! تعریف کرنے والا غلطی پر ہے یا یہ اعتراض کرنے والا جاہل و بیوقوف ہے؟ یقیناً یہ معترض ہی احمق ہے۔ جو نہیں سمجھتا کہ مصنوع کی چاہے کس قدر تعریف کی جائے۔ وہ صانع بن ہی نہیں سکتی۔ تو اسی طرح کسی نبی یا ولی کی چاہے کتنی تعریف کی جائے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ نبی یا ولی خدا بن جائے۔ مگر کسی نے خوب کہا ہے۔ ع

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ایک کرسی کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کا تصور خواہ مخواہ آ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک زیور کو دیکھ کر سنار کا تصور آ جاتا ہے۔ ایک تالے کو دیکھ کر لوہار کا تصور آ جاتا ہے۔ آپ ایک جنگل میں جا رہے ہوں۔ اور آپ کو زمین پر انسانی پیروں کے نشان نظر آئیں تو ان نشانوں کو دیکھ کر آپ کی عقل یہ فتویٰ دیتی ہے۔ کہ یہاں سے ضرور کوئی انسان گزرا ہے۔ اور آپ عقل کے اس فتویٰ کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اس گزرے ہوئے انسان کو بغیر دیکھے بھی مان لیتے ہیں۔ کرسی کے بنانیوالے کو دیکھا نہیں۔ مگر مانتے ضرور ہیں۔ زیور کے بنانے والے کو دیکھا نہیں۔ مگر مانتے ضرور ہیں۔ زیور کے بنانے والے کو دیکھا نہیں۔ مگر مانتے ضرور ہیں۔ تالے کے

بنانے والے کو دیکھا نہیں۔ مگر مانتے ضرور ہیں۔ تو میرے بھائیو! جب کرسی کا بنانے والا ہونا ضروری ہے۔ زیور و تالا بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتا اور ان بنانے والوں کو بغیر دیکھے بھی عقلاً تسلیم کر لیتے ہو۔ تو یہ اتنی بڑی زمین اور یہ اس قدر بلند و رفیع آسمان اور یہ کائنات کے عجائب و غرائب جو تمہارے سامنے ہیں۔ کیا ان کا بنانے والا کوئی نہیں؟ کیا وہ عقل جو ایک معمولی تالے کے لئے اس کے بنانے والے کا وجود ضروری بتاتی ہے اتنے بڑے جہان کے بنانے والے کا وجود ضروری قرار نہ دے گی؟ دے گی اور ضرور دے گی۔ اور دو جہان کے خالق پر بن دیکھے بھی ایمان لے آئیگی۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد ٭ ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

ایں سبب ہا در نظر ہا پردہ ہا است ٭ در حقیقت فاعل ہر شئے خدا است

ایک دانا بڑھیا

دوستو! خدا کے منکروں اور دو دو تین تین خدا ماننے والوں کی عقل تو ایک بڑھیا کی عقل سے بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایک دانا بڑھیا کی حکایت ہے۔ کہ وہ بیٹھی چرخہ کات رہی تھی۔ کہ کسی عالم نے اس سے دریافت کیا۔ "بڑھیا! ساری چرخہ ہی کاتتے ہیں گزری یا کوئی خدا کی پہچان بھی حاصل کی؟ بڑھیا نے جواب دیا "بیٹا خدا کا شکر ہے۔ کہ تھوڑی بہت اس کی پہچان ہے" عالم نے پوچھا "اچھا بتاؤ تو خدا ہے یا نہیں؟" بڑھیا نے جواب دیا۔ "ہے اور یقیناً ہے" عالم نے پوچھا "دلیل کیا ہے؟" بڑھیا بولی "دلیل یہ میرا چرخہ" عالم نے پوچھا "یہ کیسے؟" وہ بولی "جب تک میرے اس چرخے کو کوئی چلانے والی نہ ہو یہ نہیں چلتا تو میں نے اس سے یہ سمجھ لیا۔ کہ جب میرے چھوٹے سے چرخے کو کسی چلانے والے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بغیر چلانے والے کے چل نہیں سکتا۔ تو زمین و آسمان کا اتنا بڑا چرخہ بغیر کسی چلانے والے ہی کے چل رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا چلانے والا بھی ہے۔ مولوی صاحب یہ جواب سن کر بڑے خوش ہوئے۔ اور پھر پوچھا۔ اچھا اب یہ بتاؤ۔ کہ آسمان کا چرخہ چلانے والا ایک ہے یا دو؟ بڑھیا نے جواب دیا۔ "ایک ہے" مولوی صاحب نے پوچھا۔

یہ کیسے؟ وہ بولی۔ یہ ایسے کہ چرخہ چلانے کے لئے اگر دو عورتیں بیٹھ جائیں۔ تو یا تو وہ دونوں ایک ہی طرف کو چرخہ چلائیں گی۔ اور یا ایک، ایک طرف اور دوسری، دوسری طرف، پہلی صورت میں چرخہ معمول سے زیادہ تیز چلنے لگے گا۔ اور دوسری صورت میں یا رک جائے گا۔ یا ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر اسے چلانے والی ایک ہوگی۔ تو اپنی مرضی سے اسے معمول کے مطابق ایک ہی طرف کو چلاتی رہے گی۔ تو اس سے میں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ اگر زمین و آسمان کے چرخے کو چلانے والے دو خدا ہوتے۔ اور اگر وہ اس چرخے کو ایک طرف چلاتے۔ تو اس کی رفتار میں معمول سے زیادہ تیزی پیدا ہو جاتی۔ دن رات بجائے چوبیس گھنٹے کے دس بارہ گھنٹے کے رہ جاتے۔ ان کے نظام میں فرق آ جاتا۔ اور اگر ایک خدا اس کو ایک طرف، اور دوسرا دوسری طرف چلاتا۔ یعنی ایک کہتا کہ میں آج مینہ برساؤں گا۔ دوسرا کہتا۔ نہیں میں تو آسمان صاف رکھوں گا۔ ایک کہتا میں زید کا مرض دور کر کے اسے شفا دوں گا۔ دوسرا کہتا۔ میں تو اس کے پاس ملک الموت بھیج رہا ہوں۔ تو اس صورت میں یہ زمین و آسمان کا چرخہ ٹوٹ پھوٹ جاتا۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا ہے اور ایک ہے۔ مولوی صاحب بڑھیا کے یہ ایمان افروز دلائل سن کر بڑے خوش ہوئے۔ دیکھئے! اس دانا بڑھیا نے اپنے چرخے سے کیا کچھ حاصل کر لیا۔ یہی وہ مبارک عقل ہے جو آج کل کے ملحدین اور دہریوں کے پاس نہیں ہے۔ اور جو مصداق آنہ لا یعقلون کے مصداق ہیں۔ یہ لوگ اپنی حماقت سے اپنی برائے نام عقل اور سائنس پر نازاں ہو کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو بعض اوقات اس دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں لکھا ہے۔ کہ

ایک فلسفی کی حکایت

ایک فلسفی جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے ایک قاری سے قرآن کی یہ آیت سنی۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ۔ (پ ۲۹ ع ۲)

"تم فرما دو بھلا دیکھو تو اگر صبح کو تمہارا پانی زمین میں دھنس جائے تو وہ کون ہے جو تمہیں پانی لا دے۔ نگاہ کے سامنے بہتا؟"

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ان تمہارے پانیوں کو میں اگر زمین میں دھنسا لوں۔ اور تمہارے کنوئیں کا پانی اگر اس قدر نیچے چلا جائے۔ کہ کوئی ڈول وول وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ پانی کو بالکل خشک ہی کردوں تو وہ کون ہے۔ جو اس پانی کو واپس لے آئے۔ واقعی یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ خدا کے سوا کوئی بھی وہ پانی پھر واپس نہیں لا سکتا۔ مگر وہ فلسفی جسے اپنے آلات سائنس پر ناز تھا۔ یہ آیت سن کر طنزیہ ہنسی ہنسا اور کہنے لگا ؎

مابزخم بیل و تیزیٔ تبرا ٭ آب را آریم از پستی زبر

"اس پانی کو ہم اپنے آلات سے اوپر لے آئیں گے۔ اس میں کونسی مشکل بات ہے؟"

شب بخفت و دید آں یک شیرمرد ٭ زد طمانچہ بر دو چشمش کور کرد

"فلسفی رات کو سویا۔ تو خواب میں اُسے ایک بہادر اور قوی شخص نظر آیا اس شخص نے آتے ہی اس فلسفی کو زور سے ایک طمانچہ دے مارا۔ طمانچہ لگتے ہی فلسفی کی دونوں آنکھوں میں سے جو نور کے قطرے تھے۔ بہ گئے اور وہ اندھا ہوگیا۔ اور پھر اس قوی شخص نے کہا ؎

گفت زیں دو چشمۂ چشمِ شقی ٭ با تبر نورے بیار ار صادقی

"اے فلسفی! اگر واقعی تو سچا ہے۔ اور تیرے آلاتِ سائنس کچھ ایسا ہی کمال رکھتے ہیں۔ تو پہلے اپنی ان دو آنکھوں کے چشموں کا پانی واپس لا کر دکھا۔"

وہ فلسفی صاحب صبح اٹھے۔ تو اندھے تھے۔ اور ان کی ساری سائنس دھری دھرائی رہ گئی۔

مشرکین کے خدا

میرے بھائیو! وجود باری تسلیم کر لینے کے بعد بعض گمراہوں نے دو دو اور تین تین خدا قرار دے لئے ہیں۔ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ۔ ان ہندوؤں کو دیکھئے۔ انہوں نے کئی کئی دیوتا اور خدا بنا رکھے ہیں۔ سانپ ان کا دیوتا ہے۔ بندر ان کا دیوتا۔

پانی ان کا خدا۔ آگ ان کا خدا۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے کہ ؎

جو حقہ پئیں تو ہویدا خدا ہو ۔۔۔ جو چولھا جلائیں تو پیدا خدا ہو
ذرا اس خدا پر جو انڈیلیں پانی ۔۔۔ تو مخلوق باقی اور اللہ فانی

یونہی آگ بھی ان کا خدا اور پانی بھی ان کا خدا۔ اب ان دونوں کی جنگ کا نظارہ چولھے پر دیکھئے۔ ایک دیوتا نیچے جل رہا ہے۔ اور ایک اوپر ابل رہا ہے۔ اگر نیچے والا دیوتا زیادہ گرم ہو جائے۔ تو اوپر والے دیوتا کا معاملہ صاف اور اگر اوپر والے دیوتا صاحب جوش میں آ جائیں اور باہر نکل کر نیچے والے دیوتا کے اوپر آ کودیں۔ تو نیچے والے دیوتا کا معاملہ صاف۔ تو فرمائیے یہ بھی کوئی عقل ہے۔ کہ ایسی چیزوں کو دیوتا مانا جائے۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ یہ ہندو ان چیزوں کو دیوتا مانتے ہیں۔ میرے خیال میں جو چیز ان لوگوں کو زیادہ طاقتور، مہیب یا عجیب نظر آتی ہے۔ اسے جھٹ یہ لوگ دیوتا تسلیم کرنے لگ جاتے ہیں۔

لطیفہ نمبر ۶ مجھے خوب یاد ہے۔ ایک مرتبہ دہلی کے ایک جلسہ میں مولانا محمد شفیع صاحب المعروف بہ دلہن میاں نے اپنی تقریر میں یہ بات سنائی۔ کہ دلی میں جب پہلی مرتبہ ریل گاڑی آئی ہے۔ ان دنوں میں اپنے ایک بوڑھے ہندو دوست کے ساتھ بغرض سیر دلی سے کچھ دور نکل گیا۔ اتفاقاً ریلوے لائن قریب آ گئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے ریل گاڑی گزری۔ میرے ہندو دوست نے اس سے پہلے کبھی ریل گاڑی نہ دیکھی تھی۔ جب اس نے زور شور سے گاڑی کو گزرتے دیکھا۔ تو فوراً سجدہ میں گر کر کہنے لگا۔ "ہے بھپ بھپا ماتی تیری جے ہو" دیکھا آپ نے شرک و کفر نے انسان کو کس قدر ذلیل کر دیا۔ کہ بندروں، درختوں اور گاڑیوں کے آگے جھکا دیا۔

اسی طرح جو لوگ تین خدا مانتے ہیں۔ وہ بھی مشرک ہیں۔ اور یہ سب بے عقلی۔ اور گمراہی کی باتیں ہیں۔ اسلام نے آ کر ان حماقتوں، جہالتوں گمراہیوں اور ذلتوں کو مٹایا۔ اور اپنے محبوب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے کہلوایا۔ کہ میرے محبوب قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ "تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہے" سبحان اللہ! اپنی توحید کا اعلان اپنے محبوب سے کرایا جاتا ہے۔ اور فرمایا جاتا ہے۔ پیارے تو کہہ دے۔ گویا اے محبوب ہزاروں پیغمبروں نے میری توحید کا ڈنکا بجایا۔ مگر یہ گمراہ اور مشرک پھر بھی شرک و گمراہی سے باز نہیں آتے۔ اب اے محبوب تو کہہ دے۔ کہ اللہ ایک ہے۔ ؎

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سُنی ✽ اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند

چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے علی الاعلان فرما دیا: "اللہ ایک ہے۔" میرے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک آواز مشرق و مغرب، جنوب و شمال میں گونجی۔ دنیائے کفر و شرک میں لرزہ طاری ہُوا بت منہ کے بل اوندھے گرے۔ شیطان اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ گویا ؎

وہ کڑکا تھا بجلی کا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

حضور کی اس مبارک آواز کا یہ اثر دیکھا۔ کہ دنیا کی توجہ توحید کی طرف ہونے لگی۔ مشرکین میں سے بعض لوگ توحید کو اپنانے لگے۔ چنانچہ آجکل کے ہندوؤں میں سے آریہ اور سکھ بزعم خویش توحید پرست ہیں۔ اور سناتن دھرمیوں کے اسی لئے خلاف ہیں۔ کہ وہ مورتی پوجا کرتے ہیں۔ عیسائیوں میں بھی ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا ہے۔ جو مریم و عیسٰے علیہما السلام کی تصویروں کی پوجا کا مخالف ہے۔ تو یہ سب کچھ میرے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ توحید کا کرشمہ ہے۔ مجھے یہاں اکبر الہ آبادی کا ایک مزیدار واقعہ یاد آ گیا ہے۔

اکبر کا ایک مزیدار شعر

اکبر الہ آبادی ایک انگریز افسر سے ملنے کے لئے دفتر میں گیا۔ انگریز کے آفس میں جو گھڑی لگ رہی تھی۔ وہ خراب تھی۔ تین بجے کا ٹائم تھا۔ اور اس گھڑی کی سوئی جب تین کے نشان پر آئی۔ تو بجائے تین کے اس نے ایک بجایا۔ اکبر کی رگِ ظرافت پھڑکی اور جھٹ بولا۔ ؎

"تثلیث کے قائل نے کہا مجھ سے خدا ایک"

یعنے یہ انگریز کی گھڑی ہے۔ جو عیسائی ہے۔ اور تین خداؤں کا قائل ہے تو اس تثلیث کے قائل کی گھڑی نے بھی اس وقت جبکہ تین ہی بجے کا ٹائم ہے۔ بجائے تین کے ایک بجایا ہے۔ گویا تین خداؤں کے قائل نے آج ایک خدا ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔

"تثلیث کے قائل نے کہا مجھ سے خدا ایک اور اگلا مصرعہ سنئے کیا خوب ہے تھی تین پہ سوئی میری ہیبت سے بجا ایک

یعنے اس عیسائی کی گھڑی نے تین پر سوئی ہونے کے باوجود ایک کیوں بجایا؟ اس لئے کہ اس نے دیکھ لیا کہ ایک "محمدی" آ بیٹھا ہے۔ بس یہ میری ہیبت تھی، کہ وہ عیسائی گھڑی تین نہ بجا سکی۔ اور میری ہیبت سے بجا ایک۔ تو میرے بزرگو! یہ حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اعلان توحید کی برکتیں ہیں کہ آج فرزندانِ توحید کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

توحید کیا ہے؟

میرے بزرگو! اب دیکھنا یہ ہے کہ توحید کہتے کسے ہیں۔ اس زمانہ میں کئی عیسائی۔ آریہ اور سکھ بھی بظاہر توحید کو اپناتے نظر آتے ہیں۔ مگر کیا وہ موحد ہیں؟ مومن ہیں؟ ہرگز نہیں یاد رکھیئے اللہ کو ایک ماننا اور لاشریک جاننا اور اسے اس کی صفات سمیت ماننا۔ یہ توحید ہے۔ اب جو اللہ کو ایک تو مانے۔ مگر اس کی کسی صفت پر ایمان نہ لائے۔ تو وہ موحد و مومن نہیں۔ بلکہ بے ایمان ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ اللہ ہے اور ایک ہے۔ مگر وہ رازق نہیں۔ یا وہ مالک نہیں۔ یا یوں کہے کہ اللہ ہے اور ایک ہے مگر وہ قادر نہیں۔ عالم نہیں۔ تو اس کا اللہ کو ایک کہنا بیکار ہے۔ اور وہ اللہ کی کسی ایک صفت کا بھی انکار کر کے مومن و موحد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بے ایمان کا بے ایمان ہے۔

تو میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات میں سے ایک صفت مُرسِلِ مُحمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہے۔ یعنی وہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجنے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ

اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ۔ تو جو شخص اللہ کو مانے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو نہ مانے۔ تو اس نے خدا کی ایک صفت "مرسل محمد" کا انکار کر کے خدا کو نہیں مانا۔ اور وہ موحد و مومن ہرگز نہیں ہوا۔ بلکہ کافر کا کافر ہی رہا۔ موحد و مومن وہ ہے۔ جو اللہ کو مانے اور اس کے رسول کو بھی مانے۔

بعض لوگ ایمان باللہ کے بعد ایمان بالرسول کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَ الصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿پ ۱ ع ۸﴾

یعنی جو لوگ ایمان والے ہیں۔ اور جو لوگ یہودی اور عیسائی، اور ستارہ پرست ہیں۔ ان میں سے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں۔ اور نیک کام کریں۔ ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے۔ اور انہیں نہ کچھ اندیشہ ہے۔ اور نہ کچھ غم"

اور کہتے ہیں۔ کہ دیکھ لو۔ اس آیت میں صرف ایمان باللہ۔ اور ایمان بالقیامت ہی کا ذکر ہے۔ ایمان بالرسول کا کوئی ذکر نہیں۔ تو اے میرے بھائیو! یہ کہنا بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اس آیت میں جو ایمان باللہ کا ذکر ہے۔ اسی میں ایمان بالرسول بھی آ جاتا ہے۔ بات در اصل وہی ہے جو میں کہہ چکا کہ اللہ کو اس کی ساری صفات کے ساتھ جب تک نہ مانا جائے۔ ایمان کا وقوع ناممکن ہے۔ تو اللہ کی ایک صفت یہ بھی ہے۔ کہ وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسولوں کا سردار بنا کر بھیجنے والا ہے۔ تو جو اللہ کو مانے گا۔ اسے یہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول۔ اور رسولوں کے سردار ہیں۔ تو آیت مذکورہ میں مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کا مطلب صاف ہو گیا۔ کہ عیسائیوں، یہودیوں اور ستارہ پرستوں میں سے جو اللہ اور اسکے رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ اور قیامت پر بھی ایمان لائیں۔ اور پھر شریعت محمدیہ کے مطابق نیک عمل کریں۔ تو ان

کے لئے نجات ہے ورنہ نہیں!

بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے علاوہ دوسرے پیغمبروں کا بھی بھیجنے والا اللہ ہی ہے۔ وہ آدم کا بھیجنے والا ہے۔ نوح کا بھیجنے والا ہے۔ ذکریا کا بھیجنے والا بھی ہے۔ موسےٰ کا بھیجنے والا بھی ہے۔ عیسےٰ کا بھیجنے والا بھی ہے (علیہم السلام) تو یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے۔ مگر اللہ کے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے کسی ایک رسول کی بھی رسالت کو نہ مانے۔ تو اس نے اللہ کو ہرگز نہیں مانا۔ جو اللہ پر ایمان لائے گا۔ اسے اللہ کے سارے رسولوں پر ایمان لانا پڑے گا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ یہ تو اللہ کے پیارے مقرب اور رسول ہیں۔ مجھ کو دیکھئے ایک گنہگار امتی ہوں۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے۔ اور ساتھ ہی وہ یہ کہہ دے۔ کہ اللہ بشیر کا خالق نہیں (معاذ اللہ) تو یہ کہنے سے بھی وہ مومن باللہ نہ رہے گا۔ اس کا ایمان جبھی صحیح ہوگا۔ جبکہ وہ اللہ کو خالق بشیر بھی مانے۔ تو کبھائیو! جو شخص زید۔ عمر۔ بکر کے متعلق کہے۔ کہ یہ اللہ کی مخلوق نہیں اور اللہ نے انہیں پیدا نہیں کیا وہ ایماندار نہیں ہو سکتا۔ تو جو اللہ کے محبوب اور سارے نبیوں کے سردار حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و سلم کی رسالت کو نہ مانے اور کہے۔ کہ یہ اللہ کے رسول نہیں۔ اور اللہ ان کا مرسل نہیں۔ (معاذ اللہ) تو وہ بے ایمان "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ" میں کیسے آ سکتا ہے؟

قرآن کا ارشاد دوستو! قرآن اپنی تفسیر آپ ہی فرماتا ہے۔ آیئے اس "اٰمَنَ بِاللّٰہِ" کی تفسیر قرآن ہی سے ملاحظہ فرمایئے۔ یہ دیکھئے ارشاد ہوتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَ الْکِتٰبِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ (پ ۵ ع ۱۷)

"اے ایمان والو! اللہ کو مانو اور اس کے رسول کو مانو۔ اور اس کتاب کو مانو۔ جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری۔ اور اس کتاب کو مانو جو اس نے پہلے اتاری۔

دیکھ لیجئے! اس جگہ صاف صاف ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ اللہ کو مانو۔ اور اس کے رسول کو مانو۔ اور جو کتاب حضور پر اس نے اتاری اس کو بھی مانو۔ اور جو کتاب پہلے اتری اس کو بھی مانو۔ یہ ہے "اٰمَنَ بِاللّٰہِ" کی پوری تفسیر۔ اب ذرا اس آیت کو پڑھنے سننے کے بعد نجدی توحید کا اعلان پھر سنیئے۔ کہ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان"۔ اور انصاف کیجئے۔ کہ کیا توحید اسی کا نام ہے ؎

گر ولی این است لعنت بر ولی۔

خدا کو سب مانتے ہیں

حضرات! آج کسی عیسائی۔ سکھ۔ آریہ سے بھی پوچھئے۔ تو وہ خدا کا انکار نہ کریں گے۔ اور یہی کہیں گے۔ کہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ اور اسی طرح پہلے کافر بھی اللہ کے منکر نہ تھے۔ وہ اللہ ہی کو زمین و آسمان کا خالق مانتے تھے۔ اور اللہ ہی کو مینہ برسانے والا اور دیگر انعامات فرمانے والا جانتے تھے۔ دیکھ لیجئے خدا خود فرماتا ہے:۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ — یعنی اگر تم ان مکہ کے کافروں سے پوچھو کہ یہ آسمان، اور زمین کس نے بنائے ہیں تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (پ ۲۱ ع ۲)

اور جو تم ان سے پوچھو۔ کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا؟ اور اس کے سبب زمین زندہ کر دی مرے پیچھے تو ضرور کہیں گے۔ اللہ نے"

ان آیات سے ثابت ہوا۔ کہ وہ کافر اللہ کو مانتے تھے۔ مگر باوجود اس ماننے کے وہ کافر کیوں قرار دیئے گئے؟ صرف اس لئے۔ کہ وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہ لائے۔ گویا انہوں نے اسی تقویۃ الایمانی توحید کا مظاہرہ کیا۔ کہ "اللہ کے

سوا کسی کو نہ مان ؛ تو اس قسم کی توحید انہیں لے ڈوبی -

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پس یاد رکھئے کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہہ لینے سے ایمان کی کبھی تکمیل نہیں ہوتی - اور نجات کبھی حاصل نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو کافر اپنی موجودہ تعداد سے دنیا میں بہت کم تعداد میں ہوتے - اس لئے کہ لا الٰہ الا اللہ کو کسی نہ کسی رنگ میں سب ہی مانتے ہیں - تو یہ کفر و اسلام میں ما بہ الامتیاز جو چیز ہے۔ وہ ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت۔ اور لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمدٌ رسول اللہ۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پس خوب یاد رکھو۔ کہ بجز حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے توحید، توحید نہیں، ایمان، ایمان نہیں۔ اور جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر خدا کو پانا چاہے گا۔ ہرگز نہ پا سکے گا کہ ؎

خدا کے سب ہیں بندے پر خدا ملتا نہیں ان کو
خدا ملتا ہے ان کو جو بنے بندے محمدؐ کے

دوسرا وعظ
رسالت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

محمد اللہ کے رسول ہیں (پ۲۶ ع۱۲)

حضرات! اس آیت کریمہ میں آپ نے سن لیا کہ کس کا نام نامی اور اسم گرامی لیا گیا ہے۔ اور یہ آیت کون سے پیارے نام سے شروع ہوتی ہے؟ سبحان اللہ! یہ وہ نام پاک ہے جسکے متعلق اعلیٰ حضرت نے کیا خوب لکھا ہے کہ ؎

لب پہ آجاتا ہے جب نام جناب ۔ منہ میں گھل جاتا ہے شہد نایاب
وجد میں ہوکے ہم اے جان بیتاب ۔ اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

یہ وہ نام پاک ہے۔ کہ جس کو سن کر بھی مسلمان کی روح وجد میں آجاتی ہے۔ اور اس کا دماغ فرش سے عرش تک جا پہنچتا ہے۔ اس نام پاک کی لذت کو اہل ایمان جانتے ہیں اور اہل ایمان

ہی جان سکتے ہیں۔ خدا کی قسم! اس نام پاک میں بڑی لذت، بڑا کیف اور بڑا ہی سرور ہے۔ مگر ایمان شرط ہے۔ دیکھئے قرآن میں خدا نے دودھ کے متعلق فرمایا ہے:۔ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿ پ۱۴ ع ۱۵﴾

"خالص دودھ اور پینے والوں کے لئے گلے سے سہل اترنے والا یعنی مزے دار"

مگر جس شخص کو ملیریا کا بخار ہو اور اسے دودھ پلایا جائے تو وہ یہی کہے گا۔ اخ تھو۔ کڑوا ہے اور گلے سے نہیں اترتا۔ تو فرمایئے خدا تو دودھ کو مزیدار فرما رہا ہے۔ مگر یہ کہہ رہا ہے کہ بدمزہ ہے۔ تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ خدا کا فرمان تو سچا ہے۔ اور دودھ واقعی مزیدار ہے۔ مگر بخار زدہ کا خود اپنا منہ ہی کڑوا اور بدمزہ ہے۔ تو اسی طرح نام نامی اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ خدا کی قسم بڑا ہی مزیدار اور میٹھا نام ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مزاج صحیح ہو۔ ایمان موجود ہو۔ اور اگر کسی کو اس نام میں مزہ نہیں ملتا اور نعرۂ رسالت کڑوا معلوم ہوتا ہے۔ تو وہ اپنی فکر کرے کہ کہیں اس کا اپنا مزاج ہی خراب نہ ہو۔ سچ ہے ؎

بے عشق محمد جو پڑھاتے ہیں بخاری
آتا ہے بخار ان کو بخاری نہیں آتی

تو میرے مسلمان بھائیو! تقریر سے پہلے آؤ مل کر اس نام پاک کا ورد کرلیں۔ میں نے اس نام پاک کے متعلق ایک نظم لکھی ہے۔ جس کا عنوان ہے:۔

"شہد سے میٹھا محمد نام"

اس نام پاک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چار حرف ہیں۔ "م، ح، م، د"۔ میں نے انہیں چار حرفوں کے متعلق چند شعر لکھے ہیں۔ سنئے اور سر دھنئے! اس نظم کا مطلع "شہد سے میٹھا محمد نام" آپ سب کے سب ذوق شوق کے ساتھ میرے ساتھ ساتھ کہیں۔ اور باقی کے اشعار خاموشی سے سنیں:۔

شہد سے میٹھا محمدؐ نام

"میم" مئے توحید پلائے — اور "ح" حق سے آکے ملائے — دوسری میم مراد دلائے

اور یہ "دال" محمدؐ بازو — دور کرے ... آلام — شہد سے میٹھا محمدؐ نام

شہد سے میٹھا محمد نام — شہد سے میٹھا محمد نام

"میم" سے ہیں ہر دکھ کے مداوا — "ح" سے حامیِ ہر بیچارہ — دوسری میم "یتیم کی ملجا

"دال" بچا کر دوزخ سے — فردوس کا دے پیغام — شہد سے میٹھا محمد نام

شہد سے میٹھا محمد نام — شہد سے میٹھا محمد نام

"میم" سے ہیں محبوب وہ رب کے — "ح" سے حاکم عجم و عرب کے — دوسری میم "سے مالک سب کے

"دال" سے داتا دونوں جہاں کے — جود ہے ان کا عام — شہد سے میٹھا محمدؐ نام

شہد سے میٹھا محمد نام — شہد سے میٹھا محمد نام

"میم" محبت کی مے لایا! — "ح" نے حق کا جام پلایا — دوسری میم "نے مست بنایا

"دال" سے دلمیں شبیر کے انکی — یاد ہے صبح و شام — شہد سے میٹھا محمد نام

شہد سے میٹھا محمد نام — شہد سے میٹھا محمد نام

درود شریف پڑھئے:-

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَ سَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَ سَلَّمَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ!

حضرات! اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے محبوب کا نام لے کر ان کی رسالت کا ڈنکا بجایا ہے۔ آپ میرے پہلے وعظ میں سن چکے ہیں کہ اللہ نے اپنے محبوب سے فرمایا۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ - اے محبوب آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے توحید حق کا اعلان فرمایا اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا نعرہ لگایا۔ تو اس آیت کریمہ میں اللہ نے "محمد رسول اللہ" فرما کر گویا اس امر کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ محبوب! تم نے ہماری توحید کا ڈنکا بجایا اور یوں کہا۔ "لآ الٰہ الا اللہ" اور ہم تمہاری رسالت کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ اور یوں فرماتے ہیں۔ "محمد رسول اللہ" گویا تم ہمارے اور ہم تمہارے ہے

جنابِ محمدؐ برائے الٰہی جنابِ الٰہی برائے محمدؐ

ایک نکتہ کلمہ طیبہ انہیں دو جملوں سے بنا ہے۔ ایک جملہ تو اعلانِ مصطفٰےؐ ہے۔ اور وہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اور دوسرا جملہ اعلانِ کبریا ہے۔ اور وہ ہے محمدؐ رسول اللّٰہ۔ اور یہ خدا کی شان اور اس کی محبت ہے اپنے محبوب سے کہ کلمہ طیبہ میں اپنے محبوب کے اعلان کو پہلے رکھا۔ اور اپنے اعلان کو مؤخر کر دیا۔ اور ایک دوسرا نکتہ بھی ہے۔

دوسرا نکتہ جو مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ نے پیدا فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں۔ کہ کلمہ طیبہ۔ اذان۔ تشہّد میں اور ہر جگہ ذکرِ حق کے ساتھ ساتھ ذکرِ مصطفٰےؐ موجود ہے۔ لیکن ہے ذکرِ حق کے بعد۔ مثلاً اسی کلمہ طیبہ میں دیکھ لو۔ پہلے ذکرِ حق ہے۔ "لا اِلٰہ الا اللّٰہ" اور اس کے بعد ہے ذکر مصطفٰےؐ "محمد رسول اللّٰہ" اس کی وجہ کیا ہے؟ چنانچہ لکھتے ہیں:-

اذاں کیا جہاں دیکھو ایمان والو!
پسِ ذکرِ حق ذکر ہے مصطفٰےؐ کا

تو اس "پسِ ذکرِ حق ذکر ہے مصطفٰےؐ کا" کی وجہ لکھتے ہیں اور کیا خوب لکھتے ہیں کہ

کہ پہلے زباں حمد سے پاک ہو لے
تو پھر نام لے وہ حبیبِ خدا کا

سبحان اللّٰہ! کیا ہی ایمان افروز بات لکھی ہے کہ خدا نے چاہا کہ جو میرے محبوب کا پاک نام لینا چاہے وہ پہلے میرا نام لے کر اپنی زبان پاک کر لے۔ پھر میرے پاک محبوب کا نام لے۔ اس لئے "لا الٰہ الا اللّٰہ" پہلے ہے۔ اور "محمد رسول اللّٰہ" بعد میں ہے۔

پاکستان بھائیو! اس موقعہ پر مجھے اپنا ایک شعر یاد آ گیا۔ پاکستان بننے سے پہلے، جب کہ "لے کے رہیں گے پاکستان" کے نعرے مسلمانوں کے دلوں کو گرما رہے تھے۔ اور پاکستان بنانے کی خاطر مسلمان پشاور سے بمبئی اور کراچی سے کلکتہ تک متحد اور منظم ہو چکے تھے۔ انہیں دنوں الٰہ آباد یو۔ پی میں میری ہر روز تقریریں ہو رہی تھیں اور ذیل میں ملے

ایک یہ شعر کہا تھا۔ ؎

پاک اللہ۔ پاک احمد۔ پاک جسم و جان ہو
کیوں نہ پھر رہنے کو اپنا گھر بھی پاکستان ہو

مطلب یہ کہ ہمارا اللہ پاک ہے۔ ہمارا رسول پاک ہے۔ ہمارا دین پاک ہے اور اسلام کی بدولت ہمارا جسم اور ہماری روح بھی پاک ہے۔ تو پھر ایسے لوگوں کے لئے جو وطن ہو۔ اس کا نام بھی پاکستان ہی ہونا چاہیئے۔

مگر میرے بھائیو! افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہم نے اس نام کی لاج نہیں رکھی۔ اور پاکستان کے باشندے ہو کر ہم نے جو بھی ناپاک کام ہے اسے اپنا رکھا ہے۔ فرمایئے شراب، جوا۔ زنا۔ چوری۔ رشوت۔ بلیک۔ بے حجابی و بے حیائی وہ کونسی ناپاک چیز ہے۔ جسے ہم نے اپنے ملک سے نکال دیا ہے۔ سبھی کچھ ہے پاکستان میں۔

لندن میں ۱۹۵۶ء کے یوم اقبال کی تقریب میں ہمارے پاکستانیوں نے عین رمضان شریف کے مہینہ میں یہ تقریب مناتے ہوئے عصر سے پہلے چائے نوشی کی۔ اور اس مقصد کے لئے کچھ دیر کے لئے اجلاس کی کاروائی ملتوی کی گئی۔ اسی واقعہ کے پیش نظر مرزا رہبر ایم۔ اے نے ایک نظم لکھی —— جو نوائے وقت لاہور ۳۰ اپریل ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔ رہبر صاحب لکھتے ہیں ؎

دیکھ اے اقبال تیرے جشن رحمت بار میں
کیا مزہ آیا ہمیں سہ پہر کے افطار میں

دیکھ کیا رکھا ہے تیری مذہبی تکرار میں
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں

دیکھ پاکستان کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ
دیکھ اے اقبال اپنے خواب کی تعبیر دیکھ

مٹ گئی قیدِ حرم آزاد ہر انسان ہے
ہر طرف جلوے ہی جلوے ہیں خدا کی شان ہے

میکدہ ہی میکدہ ایمان ہی ایمان ہے
دیکھ اے اقبال یہ اسلامِ پاکستان ہے

پی کے مے ہم مارتے ہیں نعرۂ تکبیر دیکھ
دیکھ اے اقبال اپنے خواب کی تعبیر دیکھ

تو میرے عزیزو اور بزرگو! پاکستان لیا ہے تو اب خود بھی پاک ہو۔ ورنہ تمہارا

پاکستانی کہلانا ایسا ہی ہوگا۔ جیسا بھنگی کو مہتر کہہ لیا جائے۔ یا کسی جاہل کا نام محمد فاضل رکھ دیا جائے۔

ہاں تو اللہ نے فرمایا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ محمد اللہ کے رسول ہیں خداوند کریم نے اپنے محبوب کا نام نامی لے کر ان کی رسالت کا اعلان فرمایا ہے۔ آیئے پہلے نام نامی

"مُحَمَّد"

—— کا ذکر پاک کریں۔ اور دیکھیں کہ محمد کا معنےٰ کیا ہے؟

محمدؐ کا معنےٰ

تو میرے بھائیو! "محمد" حمد سے مشتق ہے۔ اور اسم مفعول ہے۔ اور اس کا معنی ہے اَلَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ۔ جو بار بار اور متواتر تعریف کیا جائے۔ اور ہر آن ہر زمان جس کی نعت پڑھی جائے۔ یعنی جو وجود باجود سرتا پا حمد و تعریف کے لائق ہو۔ اور ہر لمحہ و ہر ساعت جس کی حمد وثنا بیان کی جاتی رہے اور جو عیوب و نقائص سے پاک ہو وہ مُحَمَّدؐ ہے۔

میرے دوستو! خدا کو علم تھا۔ کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہونگے جو میرے محبوب کے بزعم خویش نقائص بیان کیا کریں گے۔ اور ہمیشہ بکواس ہی کیا کریں گے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت دیکھیئے کہ اپنے محبوب کا نام ہی رکھ دیا "محمد" کہ اگر کوئی بے دین میرے محبوب کی بدگوئی کرنے لگے گا۔ تو میرے محبوب کا نام ہی تو لے کر کچھ بکے گا۔ تو اللہ نے محبوب کا نام ہی ایسا رکھا۔ کہ کوئی بے دین جب بھی یہ نام لے کر کچھ بکنے لگے۔ تو بدگوئی سے پہلے وہ محمد کہہ کر اس امر کا اقرار کرلے کہ ہے تو یہ ذات حمد و ثنا ہی کے لائق۔ اور عیوب و نقائص سے پاک ہی۔ مگر آگے جو کچھ میں بکنے لگا ہوں۔ وہ میری اپنی ذاتی بے ایمانی کا مظاہرہ ہے۔

مُذَمَّم

یہی وجہ ہے کہ کفار قریش نے سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بجائے محمدؐ کے مُذَمَّم رکھ لیا تھا (مرقاۃ) ان کا خیال تھا کہ جب محمد کو محمد مان لیا تو پھر جھگڑا کیا باقی رہ گیا۔ پھر تو گویا ہم نے اُسے سب

کچھ مان لیا۔ حمد و ثنا کے لائق اور، عیوب و نقائص سے پاک تسلیم کر لیا۔
بنا بریں وہ لوگ حضور علیہ السلام کی جناب میں گستاخیاں کرتے وقت سرکار
کا نام بجائے محمد کے مذمم لیتے اور گالیاں دیتے۔ صحابہ کرام کو جب یہ بات
معلوم ہوتی۔ اور انہوں نے حضور سے یہ بات عرض کی۔ تو حضور صلے اللہ
علیہ و سلم نے فرمایا:۔

يَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَ يَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَ اَنَا مُحَمَّدٌ۔ (مشکوٰۃ شریف)

"یعنی وہ گالیاں کسی مذمم کو دیتے ہیں اور ہم تو محمد ہیں"
صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھا آپ نے! اللہ نے اپنے محبوب کو بے ایمانوں کی
گستاخیوں سے کس طرح بچایا۔ تو میرے دوستو! جو محمد ہے۔ وہ گویا ہر عیب
سے محفوظ و معصوم ہے۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ
علیہ وسلم کو اللہ نے ہر عیب سے پاک پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ ہمارا ہی ایمان
نہیں۔ بلکہ ہر صاحبِ ایمان کا یہی ایمان ہے۔ چنانچہ آیئے حضور سرورِ عالم
صلے اللہ علیہ و سلم کے درباری شاعر و نعت خواں حضرت حسان بن ثابت
رضی اللہ عنہ کی نعت خوانی ملاحظہ فرمایئے:۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ

حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ
علیہ و سلم کے مقبول شاعر اور نعت خواں
تھے۔ یہ حضور کے سامنے حضور کی نعت خوانی کیا کرتے تھے۔ اور حضور خوش
ہو کر دعا فرمایا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔۔۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۲)

اے اللہ" حسان کی روح قدس کے ساتھ امداد فرما"
دیکھیئے! حضور صلے اللہ علیہ و سلم اپنے نعت خواں کے لئے کیسی پیاری
دعا فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ سرکار کا نعت خواں مقبول بارگاہ ہے اور مؤید
من اللہ ہے۔ میرے بزرگو! یہ جو آجکل کہا جاتا ہے۔ کہ نعت خوانی بدعت

نعت خوانی

ہے۔ ان بدعت کہنے والوں کو یہی آیت جو میں نے ابتداء وعظ
میں پڑھی ہے۔ یعنے "محمد رسول اللہ" دیکھ لینی چاہیئے۔ کہ

یہ آیت خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔ اور یہ نعت پڑھنے والا خود خداوند کریم ہے۔ نعت کس چیز کا نام ہے؟ اور نعت خوانی میں کیا ہوتا ہے؟ یہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کا بیان و اعلان! تو آیت "محمد رسول اللہ" میں بھی حضور کے نام نامی اور آپ کی رسالت کا بیان و اعلان ہے۔ تو یہ آیت بھی نعت رسول نہ ہوئی تو اور کیا ہوئی؟ ابھی یہ تو پورا جملہ ہے۔ آپ صرف نام نامی "محمد" کو ہی لیجئے۔ یہ نام پاک خود نعت کے مفہوم کو لئے ہوئے ہے۔ ابھی ابھی آپ سن چکے کہ محمد کے معنی ہیں تعریف کیا گیا۔ نعت پڑھا گیا۔ اَلَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ۔ جو بار بار اور متواتر تعریف کیا جائے۔ اور ہر آن ہر زمان جس کی نعت پڑھی جائے۔ تو جو شخص محمد کہے گا۔ وہ گویا یہ نام لینے کے ساتھ ساتھ حضور کی نعت خوانی کا اقرار کرے گا۔ پھر کس قدر حماقت ہے۔ ان لوگوں کی جو حضور کو محمد بھی کہتے ہیں اور آپ کی نعت خوانی سے بھی روکتے ہیں۔ اسی طرح کلمہ طیبہ میں ہر مسلمان محمد رسول اللہ کہہ کر حضور کی نعت خوانی کرتا ہے۔ گویا مسلمان وہ ہے جو حضور کی نعت خوانی کرے۔ پھر جو نعت خوانی سے روکتا ہے۔ کس قدر بیوقوف ہے۔ کہ کلمہ بھی پڑھتا ہے۔ اور نعت خوانی سے بھی روکتا ہے — بھائیو! اگر ہماری نعت خوانی بدعت ہے۔ تو پھر کلمہ طیبہ کو بھی بدعت کہنا پڑے گا۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ نعت میں ردیف و قافیہ کا وجود موجب بدعت ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ اول تو کلمہ طیبہ کے دونوں جملوں ہی کو دیکھ لیجئے۔ دونوں میں ردیف "اللہ" ہے۔ یونہی قرآن پاک کے اسلوب کلام کو بھی دیکھ لیجئے۔ بالعموم آیات قرآنیہ ہم قافیہ الفاظ پر ختم ہوتی ہیں۔ مثلاً اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ میں "تضلیل"۔ "ابابیل"۔ "سجیل" اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ میں "وانحر" اور "ابتر" — "قُلْ ھُوَ اللہُ احد" میں "صمد" اور "یولد" — "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں "وسواس" و "خنّاس" اور سورۂ اَلرَّحْمٰن کو پڑھئے تو آخر تک فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کی مقدس تکرار کے ساتھ ساتھ ہم قافیہ الفاظ پر اختتام آیات فصاحت و بلاغت پر چار

چاند لگا کر کیا ہی روحانی کیف و سرور پیدا کرتا ہے۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ قرآن میں اشعار ہیں۔ مجھے تو یہ بتانا ہے کہ ہمارے اشعار نعتیہ میں وجودِ قافیہ کوئی ناجائز چیز نہیں ہے۔ بلکہ اچھی ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے۔ کہ کسی مردود کا نفسِ نعت ہی سے قافیہ تنگ ہو تو ایسے بدبخت کا تو کلمہ پڑھنا بھی بیکار ہے۔ اور ایسے ہی کے لئے اعلیحضرت نے فرمایا ہے ؎

ذِیَابٌ فِیْ ثِیَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اِسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

تو ردیف قافیہ کی پابندی کے ساتھ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی مدح و تعریف کوئی نئی بات یا بدعت نہیں ہے۔ بلکہ ایسی نعت خوانی حضور کے سامنے ہوتی رہی۔ اور حضور سنا کرتے اور اپنے نعت خواں کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ سن چکے۔ کہ حضور نے حضرت حسان کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کی روح قدس سے امداد فرما۔" اسی طرح

حضرت عباس کیلئے دعا

ایک مرتبہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی حضور نے دعا فرمائی تھی۔ اور یہ وہ موقعہ تھا۔ جبکہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ اور آپ صحابہ سمیت جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تو حضرت عباس نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ حضور مجھے اجازت دیجئے۔ میں نعت خوانی کروں حضور نے فرمایا:۔

—— قُلْ لَا يُفْضِضِ اللّٰهُ فَاكَ۔ (مواہب لدنیہ ص۱۲ ج۱)

"اے عباس! اجازت ہے کہہ جو کہتا ہے اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔"

اس کے بعد دیکھ لیجئے مواہب لدنیہ کو کہ حضرت عباس نے ایک طویل نعت پڑھی۔ تو مبارک ہو حضور کے نعت خوانوں کہ حضور نے ان کے لئے "منہ سلامت رہے" کی دعا فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ منکرینِ نعت کے منہ کالے اور ٹیڑھے ہی نظر آتے ہیں۔ ؎

منکرینِ نعت ہیں کامل سیہ
ان کے چہرے ہیں سیہ اور دل سیہ

سبھی نعت خواں

بزرگو! حضرت امام بوصیری علیہ الرحمۃ کا قصیدہ بردہ شریف ایک مشہور و معروف ایمان افروز قصیدہ نعتیہ ہے۔
حضرت امام بوصیری علیہ الرحمۃ کو مرض فالج ہو گیا تھا۔ کوئی علاج مفید و کارگر نہ ہوتا تھا۔ آخر انہوں نے یہ قصیدہ نعتیہ لکھا۔ رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور نے یہ قصیدہ خود امام بوصیری سے سنا۔ اور پھر انعام میں اپنی چادر عطا فرمائی۔ اور فالج سے شفا بھی۔ اسی طرح بڑے بڑے صحابہ کرام، اولیاء عظام حضور کی نعت خوانی میں رطب اللسان رہے اور ہیں۔ فاروق اعظم امام اعظم، غوث اعظم، مولانا جامی، مولانا رومی۔ اعلیٰ حضرت وغیرہم رضی اللہ عنہم ان سب بزرگوں نے نعتیں لکھیں۔ اور پڑھیں۔ سنیں اور سنائیں۔ گویا سبھی حضور کے نعت خواں ہیں۔ اور جو حضور کا نعت خواں نہیں وہ مسلمان ہی ہی نہیں۔ حضور کی نعت نظم میں یا نثر میں مسلمان کے لئے ایک بڑی نعمت ہے۔ اور بھائیو۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نعتِ رسول پڑھتے رہنے کی توفیق بخشے۔ اور نعت رسول پڑھتے ہوئے ہی ہمارا دم نکلے۔ ؎

بشیر اُن کی ثنا کرتے ہوئے گر تیرا دم نکلے
فرشتے غسل دیں لاشے ترے کا آبِ زمزم سے

شعر و شاعری

بزرگو! اور دوستو! آج کل شعر و شاعری کا بڑا چرچا و رواج ہے۔ مگر یاد رکھو کہ شعر و شاعری بھی وہی محمود ہے۔ جس کا موضوع ہی نعتِ رسول یا حمد باری ہو۔ یا کوئی دوسرا اچھا موضوع ہو۔ شاعری بذاتہٖ کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ اگر موضوع بُرا ہو۔ تو بُری ہے۔ اور موضوع اچھا ہو تو اچھی ہے۔ گویا یہ ایک گلاس ہے۔ جس میں شراب ڈالیے تو گلاس ناپاک، اور دودھ ڈالیے تو پاک ہے یا ایک تلوار ہے جس سے کفار کے ساتھ جہاد کیجیے تو اچھی ہے اور کسی بے گناہ پر اٹھائیے تو بری ہے میرے بھائیو! آج کل کی جو شاعری ہے۔ وہ کچھ اسی قسم کی شاعری ہے۔ کہ گُل و

بلبل کی تعریف، ہجر و وصال کے جھوٹے قصے۔ اور حسن فانی کی خیالی تعریفیں، اور مبالغہ آمیز دعاوی اس کے موضوع خاص ہیں۔ اور یہ لوگ جس قدر زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اسی قدر شعر کو زیادہ معیاری اور بلند سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کی مبالغہ آرائی اور سرتاپا دروغ و کذب کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔ ایک مجلس مشاعرہ میں ایک شاعر صاحب اٹھے اور بولے میں نے عرض کیا ہے ؎

ہم رونے پہ آجائیں تو دریا ہی بہا دیں
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

دیکھا آپ نے؟ شاعر صاحب کی آنکھیں نہ ہوئیں ٹیوب ویل ہو گئیں۔کس قدر جھوٹ ہے۔ اس شعر پر واہ واہ ہوئی۔ تو دوسرے شاعر صاحب اٹھے۔ اور بولے۔ اور میں نے عرض کیا ہے۔ ؎

رات کو رویا ہوں میں اس قدر، ہجر یار میں
سو سمندر۔ نو سو نالے۔ لاکھ ندیاں بہ گئیں

لیجئے صاحب! ۱۹۵۵ء کا فلڈ آگیا۔ یہ جو سیلاب کی روک تھام کے لئے مختلف منصوبے تیار کئے جاتے ہیں۔ سب فضول ہیں۔ اصل منصوبہ تو یہ ہونا چاہیے۔ کہ شاعر صاحب کو چپ کرایا جائے۔ اور انہیں رونے نہ دیا جائے۔ اس شعر پر اور بھی واہ واہ ہوئی۔ تو تیسرے حضرت اٹھے اور کمال تو کیا سچ کو پامال ہی کرکے رکھ دیا۔ بولے۔ اور بندے نے عرض کیا ہے۔ ؎

رونے پہ باندھ لے جو مری چشم تر کمر
کیسی زمیں فلک پہ ہو پانی..... کمر کمر

جَلَّ جَلَالُہٗ! گویا طوفان نوح بھی تو آخر زمین پر ہی رہا تھا۔ مگر شاعر صاحب اگر رونا شروع کردیں۔ تو زمین کے علاوہ آسمان پر بھی کمر کمر پانی ہو جائے استغفر اللہ! یہی وہ شاعری ہے جو مذموم ہے۔ اور جس کے علمبرداروں کے لئے خود حالی شاعر ہی نے لکھا ہے کہ ع

جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

اور مسلمانو! ایک شاعری وہ ہے۔ جس کا میں تذکرہ کر رہا ہوں۔ یعنی

وہ شاعری جس کا موضوع نعت رسول ہو۔ سبحان اللہ! یہ وہ شاعری ہے جو محمود ہے۔ اور جس کے علمبردار انشاء اللہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے زیرِ علم جنت کی سیر کریں گے۔

نعتیہ مشاعرہ آپ نے مذموم شاعری کا مشاعرہ ملاحظہ فرمایا۔ آیئے اس محمود شاعری کا بھی ایک مشاعرہ سنتے جایئے۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا قصیدہ نور۔ سبحان اللہ! ایمان والوں کے لئے موجب صد سرور قصیدہ ہے۔ اس کا ایک ہی شعر پڑھتے ہوئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ آپ نے اس قصیدہ میں ایک جگہ فرمایا ہے۔ ؎

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

حضرت مولانا اسیر بدایونی علیہ الرحمۃ اعلیٰحضرت کے تتبع میں اٹھے اور فرمایا ؎

مرحبا آیا عجب موسم سہانا نور کا!
بلبلیں گاتی ہیں گلشن میں ترانہ نور کا

اعلیٰ حضرت نے فرمایا ؎

پشت پر ڈھلکا سرِ انور سے شملہ نور کا
دیکھیں موسیٰ طور سے اُترا صحیفہ نور کا

حضرت بدایونی نے فرمایا ؎

نور کا سر پر عمامہ اور شملہ نور کا
اڑ رہا ہے عرشِ اعظم پر پھریرا نور کا

شبِ معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جنت کا دولہا بنایا گیا۔ تو اس وقت کے نظارۂ نور کا نقشہ اعلیٰحضرت نے یوں کھینچا۔ ؎

کیا بنا نام خدا اَسرا کا دولھا نور کا
سر پہ سہرا نور کا بر میں شہانہ نور کا

اور حضرتِ بدایونی نے نقشہ یوں کھینچا ؎

معنیٔ نورٌ علیٰ نورِ شبِ اسریٰ کھلے

چہرۂ پُر نور پر باندھا جو سہرا نور کا

"دوشالہ" کا لفظ دیکھئے اعلیٰ حضرت نے کس طرح نبھایا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضور کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ اس چیز کو اعلیٰ حضرت اس شعر میں بیان فرماتے ہیں ؎

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا
ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

حضرت مولانا اسیر بدایونی علیہ الرحمۃ نے اس دوشالہ کو جس طرح نبھایا ہے۔ وہ بھی دیکھئے۔ ؎

حَبَّذَا صلِّ علیٰ حسنین کاندھوں پر سوار
مرحبا دوشِ نبی پر ہے دوشالہ نور کا

لفظ "پسینہ" کو بھی اعلیٰ حضرت اور مولانا بدایونی نے نبھایا ہے اور بڑے ہی ایمان افروز طریقے سے۔ قرآن پاک کی جلد پر سونے کا پانی چڑھایا جائے۔ تو جلد سنہری، اور خوبصورت نظر آتی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور پر پسینہ آتا ہے۔ تو اعلیٰ حضرت اس کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں ؎

آبِ زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا
مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا

یعنے سرکار کا چہرۂ انور قرآن ہے۔ اور یہ جو اس چہرۂ انور پر پسینہ آ رہا ہے۔ یہ سونے کا پانی ہے۔ جو اس قرآن پر چڑھایا جا رہا ہے۔ سبحان اللہ حضرت بدایونی نے پسینہ آنے کا ذکر یوں فرمایا ؎

آگیا ریشِ مبارک پر پسینہ نور کا
نور کے خوشے میں ہے ہر دانہ دانہ نور کا

الغرض یہ وہ شاعری ہے جو کلید در جنت ہے اور ہمارے اسلاف علیہم الرحمۃ نظم و نثر میں حضور کی نعت خوانی کرتے رہے تو خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔ کہ یہ نعت خوانی بدعت ہے یا سنتِ اسلاف؟ تو بھائیو! ہم تو حضور کے نعت خواں بنے۔ ہیں، اور رہیں گے اور بقول اعلیحضرت ؎

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جبتک دم ہے ذکر انکا سناتے جائینگے

ارشادِ حسّان

ہاں تو میں حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے لگا تھا اور یہ بتانے لگا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے عیب ہیں۔ اور یہی ہمارا ایمان ہے۔ اور نہ صرف ہمارا بلکہ ہر صاحبِ ایمان کا یہی ایمان ہے۔ چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے آقا کی ان لفظوں سے تعریف فرمائی سے

وَ اَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ ٭ وَ اَکْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

"یعنی یا رسول اللہ! میری ان آنکھوں نے آپ سے زیادہ حسین وجمیل کسی کو نہیں دیکھا ۔"

اور پھر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! شاید کوئی یوں کہہ دے۔ کہ تمہاری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ تو یہ تمہاری آنکھوں کا قصور ہے۔ ممکن ہے حضور سے زیادہ حسین وجمیل کوئی دوسرا بھی ہو۔ تو اس امکان کی دوسرے مصرعہ میں تردید کردی کہ — وَ اَکْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ — یعنی حضور آپ سے زیادہ کامل حسین وجمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں، گویا سے

رخِ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا کوئی اور آئینہ
نہ ہماری چشمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

آگے سنئے حضرت حسّان کیا کہتے ہیں سے

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ ٭ کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

حضور! آپ ہر عیب سے پاک پیدا فرمائے گئے ہیں۔ گویا جیسے آپ نے خود چاہا ویسے ہی اللہ نے آپ کو بنا دیا۔"

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے صحابہ کا عقیدہ! قربان جائیں اس ایمان افروز اور باطل سوز شعر پر کیا ہی پیارا ارشاد ہے کہ حضور! آپ کو تو اللہ نے آپ کی منشا کے مطابق بنایا ہے۔ میرے دوستو! آؤ اس شعر کو سمجھنے کے لئے پہلے اپنی خلقت کے متعلق قرآن کا ارشاد سنو!

ہماری خلقت

مجھے اور آپ سب کو بھی اللہ ہی نے بنایا ہے۔ مگر ہمارے لئے خدا کا ارشاد ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ۔ (پ۳ع۹)

"وہی ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تصویر بناتا ہے جیسی چاہے"۔

یعنی ہمیں جب اللہ نے پیدا فرمایا تو ہماری شکل و صورت کو اس نے جیسا کہ خود چاہا بنا دیا۔ کسی کو خوبصورتی دے دی۔ کسی کو نہ دی۔ کسی کو رنگ کالا دے دیا۔ کسی کو گورا رنگ عطا فرما دیا۔ کسی کا قد لمبا رکھا۔ کسی کو پست قد بنا دیا۔ اسی لئے فرمایا کَیْفَ یَشَاءُ۔ جیسا کہ اس اللہ نے چاہا۔ ویسا بنا دیا۔ تو میرے بزرگو! آیت کے اس کَیْفَ یَشَاءُ کو سامنے رکھو۔ اور پھر حضرت حسّان کا یہ مصرعہ پڑھو۔

"کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ"

اور اس میں "کما تشاء" کو دیکھو اور پھر دیکھو کہ حضرت حسان کیا کہہ گئے؟ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ساری مخلوق کو تو اللہ نے اپنی مرضی سے بنایا۔ مگر جب آپ کو بنایا۔ تو آپ سے پوچھ لیا تھا۔ کہ پیارے تو خود بتا کہ تجھے کیسا بناؤں؟

سبحان اللہ! کیا بات کہہ گئے۔ گویا محبوب سے اگر پوچھ کر اس کی صورت کو بنایا جائے گا۔ تو محبوب کب چاہے گا۔ کہ اس میں کوئی عیب بھی رکھا جائے۔ تو چونکہ ہمارے حضور سے پوچھ کر اللہ نے آپ کو بنایا ہے۔ لہذا ہمارے حضور میں کوئی عیب نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے فرمایا۔ خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ۔ اور اسی لئے اعلیٰ حضرت نے بھی یوں فرمایا کہ ؎

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

کیوں دوستو! سمجھے آپ، کہ "محمد" کسے کہتے ہیں۔ خوب یاد رکھو۔ اور اس حقیقت پر ایمان رکھو کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کو

بے عیب خدا نے ـــــ بے عیب پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے۔ کہ کسی مسلمان کے دل میں یہ خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کہ معاذ اللہ حضور میں کوئی عیب تھا۔ بلکہ ہر مسلمان کا ایمان یہ کہتا ہے۔ کہ ہمارے حضور کا بال

مُسلمان کا ایمان

بال شریف بے عیب ہے۔ کیوں مسلمانو! کیا ہے کوئی ایسا مسلمان؟ جو یہ کہے کہ معاذ اللہ۔ حضور میں کوئی عیب تھا۔ توبہ! توبہ!! کسی کی مجال نہیں۔ کہ ایسا کہہ سکے۔ جس سے پوچھو یہی کہے گا۔ کہ حضور کا وجودِ باجود سرتاپا کمال ہی کمال اور نور ہی نور ہے۔ آپ کے کسی عضو انور میں کوئی عیب نہیں۔ حتیٰ کہ حضور کے لباس انور میں بھی کوئی عیب نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:۔

میل سے کس قدر ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

تو بھائیو! جن کے لباس انور تک میں کوئی عیب نہیں۔ ان کے کسی عضو انور میں کوئی عیب ہو سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں!! ؎

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا!

تو فرمایئے جو شخص حضور کے بال شریف میں کوئی عیب بتاتے یا حضور کے چہرۂ انور میں کوئی عیب بتائے یا حضور کے کانوں میں کوئی عیب بتائے یا حضور کی نظر میں کوئی عیب بتائے۔ کیا ایسا شخص مسلمان ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں!! تو آیئے لگے ہاتھوں یہ مسئلہ بھی سمجھ لیجئے کہ کانوں کا عیب کیا ہوتا ہے۔ یہی نا! کہ دُور کی آواز نہ سُن سکیں۔ آنکھوں کا عیب کیا ہوتا ہے۔ یہی نا! کہ دور کی چیز نہ دیکھ سکیں۔ تو فرمایئے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے نعرۂ رسالت یا درود شریف کی آواز حضور کے کان نہیں سن سکتے۔ انہوں نے حضور کے کانوں میں عیب ٹھہرایا یا نہیں؟ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور کی چشمانِ مقدس دیوار پیچھے کی چیز کو بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ انہوں نے حضور کی مبارک آنکھوں میں عیب ٹھہرایا یا نہیں؟ یقیناً ان لوگوں نے حضور کی سماعت و بصارت میں عیب ٹھہرایا اور یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت ہی

ایک ایسی جماعت حقہ ہے۔ جو حضور کو ہر عیب سے پاک جان کر اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک

کان مبارک وہ شان رکھتے ہیں۔ کہ دور و نزدیک کی آوازیں سُن لیتے ہیں۔ ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں :-

اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَ اَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ خصائص ص۶ ج۲) " میں وہ دیکھتا ہوں۔ جو تم نہیں دیکھتے۔ اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے "

حضور کے اس اپنے ارشاد سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ جو آوازیں ہمارے کان نہیں سن سکتے ان آوازوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک کان سن لیتے ہیں۔ بہت ممکن ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے دشمن یہ حدیث سن کر ضعیف و صحیح کا قصہ چھیڑ دیں۔ اور اپنے کمزور اور ضعیف بلکہ بالکل مردہ اور برائے نام ایمان کا مظاہرہ کرنے لگیں اس لئے آئیے پہلے قرآن سے آپ کو بتائیں کہ نبوت کے کان کیا شان رکھتے ہیں۔

قرآن کا ارشاد اور سلیمان علیہ السلام کا قصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبردست حکومت اور وسیع سلطنت کو کون نہیں جانتا؟ سُبْحَانَ اللہِ! جن تک آپ کے محکوم تھے اور ہوا بھی آپ کی خادم تھی۔ آپ کو جہاں جانا ہوتا۔ ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کا تخت اڑا کر وہیں لے جاتی۔ اللہ اکبر! کیا شان ہے انبیاء کرام علیہم السلام کی۔ اور اے نبیوں کو اپنی مثل کہنے والو! ایک تم بھی ہو کہ تمہیں گدھا بھی اپنی پشت پر نہیں بیٹھنے دیتا۔ پھر کس منہ سے تم ان ارفع و اعلےٰ ہستیوں سے مماثلت

کا دم بھرتے ہو ۔ سہ

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلچڑی گنجی!
حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی!

توحضرت سلیمان علیہ السلام ایک مرتبہ اپنے تخت عالی پر تشریف فرما تھے۔ اور جن و انس اور پرندے سب آپ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ اور یہ تخت بڑی شان و شوکت سے اڑ رہا تھا۔ اس شان و شوکت کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا۔ تو آپ کے دل میں یہ[1] خیال آیا۔ کہ میری بڑی شان ہے۔ اس شان کا اس وقت کوئی دوسرا تو نہ ہوگا۔ علامہ عبدالرحمٰن صفوری علیہ الرحمۃ نزہتہ المجالس میں لکھتے ہیں۔ کہ اس خیال کے آتے ہی تخت کچھ ٹیڑھا ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا تو جلال میں آکر تخت کو حکم دیا اِسْتَقِمْ اَيُّهَا الْعَرْشُ۔ "اے تخت سیدھا ہو" اسی وقت تخت سے یہ آواز آئی۔ وَاسْتَقِمْ قَلْبَكَ۔ "اور آپ بھی اپنے دل کو سیدھا کریں" یہ آواز سنتے ہی سلیمان علیہ السلام فوراً سجدہ میں گر گئے۔ اور خدا کی عظمت و بڑائی بیان کرنے لگے۔ میرے بھائیو! اللہ کے مقرب و مقبول بندوں کی یہ شان ہے۔ کہ ان کے دلوں میں اس قسم کا کوئی معمولی سا خیال بھی آجاتے۔ تو خداوند کریم فوراً ان کے صاف و شفاف آئینہ دل سے اس قسم کی معمولی سی گرد کو بھی جھاڑ دیتا ہے۔ اور کوئی دھبہ نہیں پڑنے دیتا۔ اور ایک ہم بھی ہیں۔ کہ دن میں ہزاروں اس قسم کے بلکہ اس سے بہت زیادہ اور کبر و غرور کے خیال آتے ہیں۔ اور یہاں کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک سفید چادر پر معمولی سا بھی سیاہی کا دھبہ برا لگتا ہے۔ اور فوراً دھو لیا جاتا ہے۔ اور جو چادر خیر سے ہو ہی ساری کی ساری سیاہ اس پر پوری دوات بھی انڈیل دیجیے تو بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور آئینہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک مرتبہ آئینہ دیکھا۔ اور جب اپنا بےمثل حسن و جمال ملاحظ

---

[1] یہ خیال اپنے اللہ کے انعام و اکرام پر شکریہ کے طور پر آیا۔

فرمایا۔ تو دل میں اتنا خیال سا پیدا ہوا۔ کہ دنیا بھر کے خزانے بھی میرے حسن و جمال کی قیمت نہیں ہو سکتے۔ اس خیال کے آنے پر خدائے بے نیاز نے اپنی بے نیازی یوں دکھائی۔ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے سالارِ قافلہ کے ہاتھ حضرت کو معمولی قیمت پر بیچ دیا۔ چنانچہ قرآن میں ہے وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ۔" یعنے بھائیوں نے انہیں چند کھوٹے اور گنتی کے روپوں پر بیچ دیا" اس کے بعد مصر کے بازار میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بیچنے کو سالارِ قافلہ نے ان لفظوں کے ساتھ اعلان کیا۔

مَنْ یَّشْتَرِیْ غُلَامًا حَسِیْنًا جَمِیْلًا؟ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ فِی الدُّنْیَا۔ یعنی کون خریدتا ہے ایک ایسے غلام کو جو بڑا حسین و جمیل ہے۔ جس کی مثال دنیا بھر میں نہیں"

یوسف علیہ السلام نے یہ اعلان سنا۔ تو آپ کو اپنا آئینے میں چہرہ دیکھ کر آنے والا خیال یاد آ گیا۔ اور آپ نے سالارِ قافلہ سے فرمایا۔ میرا اعلان ان لفظوں سے کرو۔

مَنْ یَّشْتَرِیْ غُلَامًا مَظْلُوْمًا غَرِیْبًا لَیْسَ کَمِثْلِهٖ فِی الدُّنْیَا" کون خریدتا ہے۔ ایک ایسے غلام کو جو بڑا مظلوم اور غریب ہے۔ جس کی مثال دنیا بھر میں نہیں"

بس حضرت کا یہ فرمانا اور آپ کی یہ تواضع اللہ کو پسند آ گئی۔ اور پھر جو عروج و وقار حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے عطا فرمایا۔ وہ آپ جانتے ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اللہ والوں کے دل میں کوئی معمولی سا بھی خیال آ جائے۔ تو اللہ تعالیٰ فوراً انہیں کسی آزمائش میں مبتلا فرما کر ان کے دلوں کو صاف فرما دیتا ہے۔

ہاں! تو میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بات کر رہا تھا۔ کہ آپ ایک مرتبہ انسانوں۔ جنوں اور پرندوں کے زبردست لشکر کے ساتھ اپنے تخت پر تشریف فرما تھے۔ اور تخت اڑ رہا تھا۔ تو قرآن پاک فرمایا ہے۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا

مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُہٗ وَ ھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (پ۱۹)

"یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کی وادی پر آئے ایک چیونٹی بولی۔ اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں!"

یعنے یہ تخت ایک ایسے مقام پر پہنچا۔ جہاں چیونٹیاں بہت کثرت سے تھیں ان چیونٹیوں کی ملکہ نے اپنی رعایا کو حکم دیا کہ سب اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ یہ لشکر تمہیں پیروں تلے مسل دے۔

ہمارے امام کی فقاہت

دوستو! اس موقعہ پر ہمارے امام۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقاہت بھی سنتے چلئے۔ حضرت قتادہ کوفہ میں داخل ہوئے۔ اور کوفہ کی خلقت آپ کی گرویدہ ہوئی۔ تو آپ نے لوگوں سے کہا۔ جو چاہو مجھ سے پوچھو۔ میں جواب دوں گا۔ ہمارے امام نے ان سے دریافت کیا کہ فرمایئے! حضرت سلیمان علیہ السلام کے وادی النمل پر تشریف لانے پر جس چیونٹی نے سب چیونٹیوں کو اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جانے کا حکم دیا تھا۔ وہ چیونٹی نر تھی یا مادہ؟ حضرت قتادہ اس سوال پر خاموش ہو گئے۔ امام اعظم نے فرمایا۔ وہ مادہ تھی۔ قتادہ نے پوچھا؟ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا! قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ قَالَتْ نَمْلَۃٌ۔ اگر نر ہوتی۔ تو یوں ارشاد ہوتا۔ قَالَ نَمْلَۃٌ (خزائن العرفان) سبحان اللہ! اس سے ہمارے امام ہمام کی شان علم معلوم ہوتی ہے۔ تو وہ چیونٹی ان چیونٹیوں کی ملکہ تھی۔ اور اس نے حکم دیدیا۔ کہ سب چیونٹیاں اپنے اپنے بلوں میں گھس جائیں۔ اب آگے سنیئے۔ قرآن کیا فرماتا ہے۔ فرمایا:۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِھَا "تو سلیمان علیہ السلام اس چیونٹی کی اس بات سے ہنس پڑے"

دیکھ لیجئے۔ حضرات! قرآن سے کس طرح صاف طور پر یہ بات ثابت ہو رہی ہے۔ کہ سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی بات سن لی۔ اور ہنس پڑے مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹی کی یہ بات تین میل دور سے سُن لی تھی۔ (خزائن العرفان) تو فرمایئے! آج

ہم میں سے کس کے ایسے کان ہیں کہ تین میل دُور سے نہ سہی۔ چیونٹی کے منہ سے لگ کر بھی اس کی بات سُن سکیں؟

سُلیمان علیہ السلام اور چیونٹی کا پُر لُطف مکالمہ

علامہ عبدالرحمٰن صفوری نے نزہتہ المجالس ص۲۰۵ جلد۱ میں سلیمان علیہ السلام اور اس چیونٹی کا پر لُطف مکالمہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس چیونٹیوں کی ملکہ سے سلام فرمایا۔ تو اس ملکہ نے سلام کا جواب عرض کیا۔ اور پھر کہا "حضور! آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ ہی صاحبِ امر و نہی اور مالکِ تخت و تاج ہیں۔ میں ایک ضعیف چیونٹی ہوں۔ مگر خدائے بزرگ و برتر نے میرے ماتحت بھی چالیس سپہ سالار کر رکھے ہیں۔ اور ہر سپہ سالار کے ماتحت چالیس چالیس ہزار چیونٹیوں کی بے حد طویل صفیں ہیں۔ ان سب پر میں حاکم ہوں" سلیمان علیہ السلام نے فرمایا "اچھا اے ملکہ! یہ تو بتا کہ تمہارا لباس سیاہ کیوں ہے؟" وہ بولی! حضور! دنیا مصیبتوں کا گھر ہے۔ اور دنیا والے اہل مصائب، اور اہل مصائب کا لباس اسی رنگ کا ہوتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ اچھا اب یہ بتاؤ۔ کہ "تمہارے جسم کے وسط میں یہ گہرائی کیوں ہے؟" اس نے عرض کیا۔ عالیجاہ! یہ بندگی کا پٹکا ہے۔ خدا کی اطاعت و عبادت کے لئے میں نے کمر کس رکھی ہے۔ سلیمان علیہ السّلام نے پھر پوچھا "اور تم مخلوق سے دور کیوں رہتی ہو۔ اور یہ باہر جنگل میں ڈیرا کیوں لگا رکھا ہے؟ وہ بولی اے اللہ کے رسول! سلام ہو تم پر! دنیا والے خدا سے غافل ہیں۔ اور غافلوں سے دوری ہی اچھی ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے پھر پوچھا۔ اور یہ تو بتاؤ کہ تم ننگی کیوں رہتی ہو؟ اس نے جواب دیا۔ حضور! اس لئے کہ دنیا میں آتے بھی ننگے اور جانا بھی ننگے ہی ہے۔ پھر تھوڑی سی مدت کے لئے لباس کی کیا ضرورت؟ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تم اپنے کھانے کے لئے کس قدر بوجھ اٹھا لیتی ہو؟ وہ بولی! زیادہ سے زیادہ ایک دانۂ گندم۔ فرمایا۔ اتنا کم؟ بولی قبلہ! اس لئے کہ میں مسافر ہوں۔ اور مسافر کے لئے جتنا بوجھ کم ہو بہتر ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے پوچھا۔ تمہارا

نام ؟ بولی ہندی کا نام مُنذِرَہ ہے۔ یعنی ڈرانے والی — اُنْذِرُ اَصْحَابِی عَنِ الدُّنْیَا السَّاحِرَۃِ وَ اُرْغِبُھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ — میں اپنے ملنے والوں کو اس جادوگر دنیا سے ڈراتی اور آخرت کی رغبت دلاتی ہوں۔"

کیوں بھائیو! اے ترقی یافتہ لوگو! اے اپنی سائنس پر ناز کرنے والے جنٹلمینو! ہے کوئی تم میں سے ایسا جس کے کان چیونٹی کی باتیں سن سکیں اگر ہے تو دکھاؤ۔ ورنہ اس بات پر ایمان لاؤ۔ کہ جن باتوں کو ہمارے کان نہیں سن سکتے۔ ان کو نبی کے کان سن لیتے ہیں۔ اور بھائیو! یہ تو سلیمان علیہ السلام کے کان ہیں اور ہمارے حضور تو سلیمان کے بھی سردار ہیں (علیہم السلام)، پھر حضور کے اس ارشاد میں کسی کو شبہ کیوں ہو کہ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ — میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے" بیشک، بیشک یا رسول اللہ! آپ سنتے ہیں۔ پاکستان کی سنتے ہیں۔ ہندوستان کی سنتے ہیں۔ زمین و آسمان کی سنتے ہیں۔ بلکہ ہر دو جہاں کی سنتے ہیں ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

حدیث کا ارشاد

لیجئے لگے ہاتھوں ایک حدیث اور بھی سن لیجئے۔ طبرانی شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:-

بَاتَ عِنْدِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ فَقَامَ لِیَتَوَضَّأَ لِلصَّلٰوۃِ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ فِیْ مُتَوَضِّہٖ بِاللَّیْلِ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ — حضور صلے اللہ علیہ و سلم ایک رات میرے ہاں سوئے۔ آپ نماز تہجد کے لئے اٹھے اور مقام وضو پر بیٹھے۔ تو میں نے سنا کہ آپ نے کسی سے جیسے کوئی پاس ہوتا ہے۔ تین بار فرمایا۔ لبیک! لبیک!! لبیک!!! اور نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ۔ یعنی حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ تم مدد کئے گئے۔ مدد کئے گئے۔ مدد کئے گئے۔

اُمّ المؤمنین فرماتی ہیں۔ میں نے حضور سے دریافت کیا۔ حضور! آپ یہ کسے فرما رہے تھے۔ یہاں تو کوئی نہ تھا۔ تو حضور نے جواب میں فرمایا:۔

هٰذَا رَاجِزُ بَنِیْ کَعْبٍ وَ هُمْ بَطْنٌ مِنْ خَزَاعَة یَسْتَصْرِخُنِیْ وَیَزْعَمُ اِنَّ قُرَیْشًا اَعَانَتْ عَلَیْهِمْ بَنِیْ بَکْرٍ — یہ بنی کعب کا راجز (جو اس وقت مکہ میں تھے۔ اور حضور یہاں مدینہ منورہ میں) مجھ سے فریاد کر رہا ہے۔ کہ قریش عہد کو توڑ کر بنی بکر کی مدد کر کے ہم کو قتل و غارت کرنے پر آمادہ ہیں۔ اور میں اسے لبیک کہہ رہا تھا۔ (طبرانی شریف ص۲۰۱)

گویا مظلوم مکہ معظمہ میں حضور سے فریاد کر رہا ہے اور حضور مدینہ منورہ میں اس کی آواز سن کر لبیک فرما رہے ہیں۔ تو دوستو! پھر ہم کیوں نہ کہیں کہ ؎

فریاد امتی جو کرے حالِ زار کی!
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

اور کیوں نہ مل کر اس شعر کا ورد کریں ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان!
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

برکاتِ نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بزرگو اور دوستو! اس نامِ پاک کا معنٰے تو آپ سُن چکے۔ اب آئیے اس نامِ پاک کے فیوض و برکات سنیئے۔ یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ دنیا و ما فیہا۔ عرش و فرش۔ جنان و ما فی الجنان اور زمین و آسمان کا قیام و بقا اسی نام پاک کی بدولت ہے ؎

نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے

آدم علیہ السلام کی توبہ اسی نام کے صدقہ میں قبول ہوئی۔ نوح علیہ السلام کی کشتی اتنے بڑے طوفان میں اسی نام کی برکت سے محفوظ رہی ؎

اگر نامِ محمد را نیاوردہ شفیع آدم!
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجیّنا

گناہوں کو مٹانے والا

حضرت علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ نے حجۃ اللہ علے العالمین میں یہ روایت درج فرماتی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا۔ جس نے دو سو سال خدا کی نافرمانی کی۔ وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی لاش کو روڑی (گندی جگہ) پر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسےٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم اُسے وہاں سے اٹھا کر باعزت دفناؤ۔ اور اس کے لئے ہم سے دعائے مغفرت کرو۔ موسےٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ لوگ تو اس کے گنہ گار اور نافرمان ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ کہ ٹھیک ہے وہ واقعی گنہ گار اور نافرمان تھا۔

اِلَّا اِنَّهٗ كَانَ كُلَّمَا نَشَرَ التَّوْرٰاةَ وَ نَظَرَ اِلٰى اِسْمِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَبَّلَهٗ وَ وَضَعَهٗ عَلٰى عَيْنَيْهِ وَصَلّٰى عَلَيْهِ فَشَكَرْتُ لَهٗ ذٰلِكَ وَ غَفَرْتُ ذُنُوْبَهٗ۔ (حجۃ اللہ علے العالمین ص۱۲۴)

"مگر وہ جب تورات کھولتا اور میرے محبوب محمد کا نام دیکھتا تو وہ اس نام کو چومتا اور اپنی آنکھوں پر لگاتا تھا۔ (پس) مجھے وہ پیارا لگتا ہے۔ میں نے اس کے دو سو سال کے گناہ بخش دیئے"

جہنم سے بچانے والا

دلائل النبوۃ میں یہ حدیث مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا اُعَذِّبُ اَحَدًا تُسَمّٰى بِاسْمِكَ فِي النَّارِ۔

"مجھے میری عزت و جلال کی قسم! جس شخص کا نام محمّد ہوگا اُسے کبھی جہنم میں نہ ڈالوں گا"

دیکھا مسلمانو! ہمارے آقا کا پیارا نام کس قدر مفید و نافع، اور بلاؤں کا دافع ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

اے صلِّ علیٰ نام ہے کیا نامِ محمّد

کرتوں کو یہ لیتا ہے بچا نام محمدؐ!
یہ نام کوئی کام بگڑنے نہیں دیتا
بگڑی کو بھی لیتا ہے بنا نام محمدؐ

وہ جن کا یہ نام ہے

میرے بھائیو! مقامِ غور ہے کہ یہ تو اس نام کا فیض و کمال ہے۔ کہ یہ دو سو سال کے گناہوں کو مٹا دے۔ جہنم سے بچالے۔ تو وہ جن کا یہ نام ہے۔ وہ خود کس قدر فیوض و برکات کے مالک ہوں گے۔ جب نام اتنا رافع و نافع ہے۔ تو نام والا کیوں نہ رافع و نافع و شافع ہوگا؟ خوب فرمایا اعلیحضرت نے۔ ؎

روتی آنکھ ہنساتے یہ ہیں — جلتی آگ بجھاتے یہ ہیں
ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں — چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
رافع نافع، دافع شافع — کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں

جامع کمالات

بزرگو! تقریر سابق سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ کہ "محمدؐ" کہتے ہی اسے ہیں۔ جو بے عیب ہو۔ اور جامع کمالات ہو۔ پھر وہ لوگ جو حضور کو محمد بھی کہتے ہیں۔ اور معاذ اللہ حضور کے علم میں آپ کے اختیار میں، آپ کے تصرفات و دیگر کمالات میں عیب بھی بیان کرتے ہیں۔ کس قدر جاہل اور گمراہ ہیں۔ ان لوگوں کو چاہیئے۔ کہ یا تو حضور کو محمدؐ کہنا چھوڑ دیں یا پھر حضور کے جملہ کمالات کو بھی مانیں۔

لطیفہ

کہتے ہیں۔ رمضان کی تیسویں تھی۔ اور شام کے وقت مرد عورتیں سب اپنے اپنے چھتوں پر عید کا چاند دیکھ رہے تھے۔ ایک عورت اپنے چھوٹے بچے کو پاخانہ کرا رہی تھی۔ کہ ایک دم شور اٹھا کہ چاند ہوگیا۔ چاند ہوگیا۔ یہ عورت چاند دیکھنے کی خاطر جلدی میں اٹھی۔ اور اسی افراتفری کے عالم میں بچے کی پیٹھ صاف کرتے ہوئے اس کی انگلی کو نجاست لگ گئی۔ کوٹھے پر گئی اور عورتوں

کی عادت کے مطابق اپنی وہی نجاست آلود انگلی ناک پر رکھ کر چاند دیکھنے لگی۔ اُدھر چاند نظر آیا۔ اور ادھر اس کی نجاست آلود انگلی سے اس کی ناک میں بدبو پہنچی۔ تو حیران رہ کر اپنی ساتھ والی عورتوں سے کہنے لگی۔ "بہنو! چاند تو واقعی ہو گیا۔ مگر یہ کیا بات کہ اس سال کا چاند ہے بڑا سڑا ہوا۔ کہ اس سے بڑی بدبو آرہی ہے۔ اُن عورتوں نے جب یہ بات سُنی۔ تو غور سے دیکھ کر کہنے لگیں۔ بے وقوف! چاند اور بدبو؟ یہ کب ممکن ہے۔ یہ دیکھ تیری اپنی ہی انگلی نجاست آلود ہے۔

تو میرے بھائیو! "محمد" اور علم نہ ہو؟ "محمد" اور اختیار نہ ہو؟ "محمد" اور تصرف فی الکون نہ ہو؟ "محمد" اور جمیع کمالات نہ ہوں؟ یہ کب ممکن ہے۔ اے بدبخت منکرو! خود اپنے نجاست آلود ایمانوں کو دیکھو کہ خود تمہارے ایمان ہی نجاست آلود ہیں۔ پڑھیئے درود شریف۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ!
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ!

رَسُوْلُ اللّٰہ

اسم پاک محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بیان ختم ہوا۔ اب آیئے "رسول اللہ" کے متعلق کچھ عرض کروں تو سنیئے! اس آیت شریفہ میں اللہ نے اپنے محبوب کی رسالت کا ڈنکا بجایا ہے۔ اور فرمایا ہے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار باکم و بیش پیغمبر تشریف لائے۔ اور سب نے یہی اعلان کیا کہ اللہ ایک ہے۔ مگر آہ! دنیا نے کماحقہٗ خدا کی ہستی و وحدانیت کو تسلیم نہ کیا۔ حتٰی کہ خدا نے اپنے آخری پیغمبر "محمد رسول اللہ" کو مبعوث فرمایا۔ اور فرمایا اے پیارے! ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں آئے۔ اور سب نے یہی درس دیا۔ کہ اللہ ایک ہے۔ مگر ان لوگوں نے میری توحید کو تسلیم نہیں کیا۔ (الا ماشاء اللہ) پیارے محبوب! اب تو اپنی زبان سے میری توحید کا اعلان کر اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ کہہ

دے۔ اللہ ایک ہے"۔ تیرے اعلان سے ہی میری توحید کا پرچم لہرائے گا۔ چنانچہ حضور کے اعلان توحید سے یہ انقلاب نظر آیا کہ ع

اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا!

کے مطابق نہ صرف یہ کہ بت پرست بلکہ خود بت بھی۔ "اللہ ایک ہے"۔ "اللہ ایک ہے" کا نعرہ لگانے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ "قل ہو اللہ احد" کا حکم فرما کر گویا یوں فرما رہا ہے کہ پیارے تم کہو "اَللّٰہُ اَحَدٌ" اللہ ایک ہے اور میں کہتا ہوں "محمد رسول اللہ" محمد اللہ کے رسول ہیں۔ تم میری توحید کا پرچم لہراؤ۔ اور میں تمہاری رسالت کا ڈنکا بجاتا ہوں۔ گویا تم میرے اور میں تمہارا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے ؎

جنابِ محمدؐ برائے الٰہی جنابِ الٰہی برائے محمد

میرے بھائیو! دیکھا آپ نے اللہ کو اپنے محبوب سے کس قدر پیار ہے۔ اور کس طرح اپنی توحید کا اعلان اپنے محبوب کی زبان سے کرا رہا ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں۔ کہ توحید وہی توحید ہے۔ جو بزبانِ رسالت اور وسیلۂ رسول سے ہمیں ملی۔ اور وہ توحید جس میں رسالت کا دخل نہ ہو۔ شیطانی توحید ہے۔ ہم ایسی توحید کے قائل نہیں۔ معرفت الٰہی کی دولت ہمیں درِ رسالت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی در سے سب کچھ ملتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے "محمد رسول اللہ" کہہ کر حضور کی رسالت کا ڈنکا بجا کر پھر ہمیں اپنے اس رسول کا ہی دست نگر بنایا ہے۔ اور یوں حکم دیا ہے کہ:۔

مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (پ۲۸ ع ۴)

جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں لے لو اور جس چیز سے روکیں رُک جاؤ"

گویا "محمد رسول اللہ" اللہ کی نعمتوں کے قاسم ہیں۔ اور حضور ہمیں دیتے ہیں اور ہم لیتے ہیں۔ خدا کی طرف سے جو کچھ ہمیں ملتا ہے اسی در سے۔ اور جو اس در سے محروم ہے۔ وہ پھر محروم ہی ہے۔ اس کے لئے کچھ بھی نہیں ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر!

جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

منکرین حدیث

میرے بزرگو! اور عزیزو! اس آیت میں دیکھ لیجئے۔ خدا تعالیٰ نے کس شان سے اپنے محبوب کا نام لے کران کی رسالت کا اعلان فرمایا ہے۔ مگر اس ملحدانہ دور میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جو "رسالت" کے منکر ہیں۔ اور قرآن کا لبادہ اوڑھ کر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و سلم کی ذات با برکات اور آپ کے ارشادات سے برگشتہ کرنے کی ناپاک کوششوں میں ہیں۔ یہ لوگ "رسالت اور حدیث" کے خلاف منظم طور پر سازش کر رہے ہیں۔ مگر۔

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ٥ (پ۲۸ ع۹) یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے موہنوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ اور اللہ اپنے نور کا پورا کرنیوالا ہے۔ اگرچہ کافر برا منائیں"

اللہ تعالیٰ جب اپنے محبوب کی رسالت کا ڈنکا بجا رہا ہے۔ تو یہ منکرینِ رسالت اور دشمنانِ حدیث بھلا خدا کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے!
یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

مسلمانو! ان لوگوں نے محض دھوکا دینے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان مشہور کر رکھا ہے۔ حالانکہ جانِ اسلام اور روحِ ایمان یعنے رسالتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و سلم کا ان کے دل میں وقار ہی نہیں۔ اور وہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و سلم کی کوئی ضرورت ہی نہیں سمجھتے (معاذ اللہ) چنانچہ ان لوگوں نے صاف صاف یہ لکھ دیا ہے کہ:-

"قرآن کی تشریح و توضیح کے لیے کسی خارجی سہارے کی ضرورت نہیں ہے" (طلوع اسلام ص۴۶ نومبر ۵۲ء)

دیکھا آپ نے! یہ "خارجی سہارے" سے ان کی کیا مراد ہے؟ اس سے مراد ان کی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و سلم ہیں۔ گویا ان کے لیے قرآن ہی بس ہے۔ اس کے بعد اب "رسول" کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہی قرآن

ہمیں رسول کے دروازے پر لا رہا ہے۔ اور یہی قرآن ہمیں "اطاعتِ رسولؐ" کا درس دے رہا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ قرآن کی تعلیم پر بجز ارشادِ رسول کے عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

نماز اور زکوٰۃ کا حکم

مثلاً نماز اور زکوٰۃ ہی کو لے لیجئے۔ قرآن فرماتا ہے:۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔

نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ دو۔ اور رسول کی فرماں برداری کرو۔ (پ۱۸ ع۱۳)

دیکھ لیجئے! اجمالاً فرما دیا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ مگر نماز کی ہیئت اور تفصیل؟ زکوٰۃ کی تفصیل و تشریح؟ یہ قرآن میں نہیں ہے۔ یہ تو فرما دیا کہ نماز پڑھو۔ مگر نماز میں کیا کیا پڑھیں؟ کس کس وقت پڑھیں؟ اور کس طرح پڑھیں! — زکوٰۃ کون دے، کون نہ دے؟ کب دے کس کس چیز کی دے؟ اس کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے۔ بھائیو! یہ سوچنے کی بات ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نماز اور زکوٰۃ کی پوری پوری تفصیل بھی قرآن میں بیان کر دیتا۔ تو یہ قرآن بجائے تیس پاروں کے اگر اکتیس پارے بھی ہو جاتا تو کیا ہرج تھا؟ تفصیل تو سمجھ میں آجاتی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اور ایسا کیوں نہیں کیا؟ صرف اس لئے کہ لوگ اس کے رسول سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔ بس اتنا فرما دیا کہ "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ" نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو" اور جب ہم نے یہ سوال کیا کہ الٰہی نماز پڑھیں کیسے اور زکوٰۃ دیں کیسے؟ تو ساتھ ہی یہ فرما دیا وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" اور رسول کی فرماں برداری کرو" گویا تفصیل درکار ہے۔ تو میرے رسول سے پوچھو۔ نماز و روزہ کا اجمالی حکم میں نے دے دیا۔ اور اس کی مکمل تفصیل و تشریح میرا رسول کرے گا۔

بھائیو! دیکھ لو۔ خود قرآن ہی کس واضح طریق پر اپنی تفصیل و تشریح کے لئے رسول کی ضرورت بیان کر رہا ہے۔ مگر یہ لوگ۔ کس ناعاقبت اندیشی سے یوں کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کسی "خارجی سہارے کی ضرورت نہیں"

ہاں صاحب! آپ کو چونکہ اسلامی قیود و ضوابط اور شرعی پابندیوں

ہی کی ضرورت نہیں۔ اس لئے آپ کو رسالت و ارشاداتِ رسالت کی بھی ضرورت نہیں۔ کہ یہ ساری پابندیوں کی تفصیل تو حدیث ہی میں ہے۔ اور "اجمالِ قرآن" میں آپ اپنی من مانی کاروائیوں کی طفیل اپنے لئے جملہ چھیتی راہیں کھول سکتے ہیں۔ اور خود قرآن ہی کی زبان سے یہ سرٹیفیکیٹ حاصل کر سکتے ہیں۔ کہ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا یعنے (ارشاداتِ نبویہ کو چھوڑ کر) قرآن کے ذریعہ خدا بہت سوں کو گمراہ بھی کر دیتا ہے۔

رسالت

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ اللہ نے اپنے محبوب کا نام لے کر آپ کی رسالت کا اعلان فرما دیا۔ اور یوں کہا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ "محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ میرے بزرگو! ہمارے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مبعوث ہوئے ہیں۔ اس وقت ساری دنیا میں شرک و کفر کا اندھیرا چھا رہا تھا۔ لوگوں نے اپنے اللہ سے منہ موڑ کر اغیار سے رشتہ جوڑ رکھا تھا۔ بالخصوص ملک عرب میں شرک و ضلالت کا بڑا زور تھا۔ سینکڑوں ان کے معبود تھے۔ حتیٰ کہ استنجے کے ڈھیلوں تک کو وہ پوج لیا کرتے تھے۔ کئی ایک بت تھے۔ جو انہوں نے بڑی بڑی محنتوں سے خود بنائے تھے۔ اور پھر ان کے آگے سجدے بھی کرتے تھے۔ اس قدر پستی و ذلت میں وہ لوگ گھر چکے تھے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تاجِ رسالت پہنے ہوئے جلوہ افروز ہوئے۔ اور اس شان سے کہ آپ کے تشریف لاتے ہی سارا جہانِ تاریک بقعۂ نور بن کر چمک اٹھا۔ بقول شاعر ؎

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا!
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عالم میں جو اپنا قدمِ مبارک رکھا۔ تو دنیائے شرک و کفر اور عالم بت کدہ میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ حضور کی باطل شکن ندائے حق سے شیطان تھرا اٹھا۔ اور دنیائے بت پرستی لرز اٹھی ؎

تری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا !
تری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ :-

يَآيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ـــــ (پ۳۰ ع۳۴)

"اے کافرو! یہ جنہیں تم پوجتے ہو۔ میں ان کو نہیں پوجتا"

یہ تمہارے معبود ! لات و ہبل اور عزّیٰ ـــ نادانو! ان کے آگے کیوں جھکتے ہو۔ آؤ ! میری سنو ! اور ایک اللہ کو پوجو۔ کافرو! تم ایسے "خداؤں" کو مت پوجو ا جنہیں خود تم نے بنایا۔ بلکہ آؤ اس خدا کو پوجو۔ جس خدا نے تم کو بنایا۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ـ (پ۱ ع۳)

اے لوگو! تم اُس رب کی عبادت کرو۔ جس رب نے تمہیں بنایا۔"

حضرات ! ہمارے حضور کی یہ آوازِ رسالت زمین و آسمان میں گونج اٹھی اور سرزمینِ عرب میں اس آوازِ حق کا یہ اثر ہوا کہ سے

وہ کڑکا تھا بجلی کا یا صوتِ ہادی !
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی !

بت پرست اپنے طلسم پاش پاش ہوتے دیکھ کر گھبرا اٹھے۔ اور حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کے درپئے آزار ہو گئے۔ چنانچہ ان لات و عزّیٰ کے پجاریوں نے جب دیکھا۔ کہ "محمد" (صلے اللہ علیہ و سلم) نے ہمارے "خداؤں" کو جھوٹا اور ہمیں کافر کہنا شروع کر دیا ہے۔ تو ان لوگوں نے ایک میٹنگ کی۔ اور سب نے یہ مشورہ کیا۔ کہ چلو سارے مل کر محمد (صلے اللہ علیہ و سلم) کے چچا ابوطالب کے پاس چلیں۔ اور ابوطالب سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو اس کام سے روکے۔

عزم و استقلال

ابوطالب

دوستو ! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم اس وقت ابوطالب کے پاس ہی تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین

کریمیں رضی اللہ عنہا چونکہ وصال فرما چکے تھے۔ اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس مقیم تھے۔ اور اس بات سے کوئی یہ نہ سمجھے۔ کہ ابوطالب نے حضور کو اپنے پاس رکھ کر حضور پر کوئی احسان کیا تھا۔ حاشا و کلّا! ہمارے حضور پر بجز اللہ کے اور کسی کا احسان نہیں ہے۔ اور نہ ہی اللہ کو یہ بات منظور تھی۔ کہ کسی دوسرے کا اس کے محبوب پر کوئی احسان رہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت عرب کے غیر سرسبز علاقے میں ہوئی۔ تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے۔ کہ حضور جو اس قدر علوم و اسرار کے مالک ہیں۔ یہ تاثیر زمین کے باعث ہے۔

چنانچہ حضور کے لئے اللہ نے ایک ایسی زمین کا انتخاب فرمایا جس کے متعلق قرآن "بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" فرماتا ہے۔ یعنی بالکل غیر آباد اور غیر سرسبز علاقہ تو حضور پر اس علاقہ کا کوئی احسان نہیں۔ بلکہ حضور ہی کا اس علاقہ پر بھی احسان ہے۔ کہ آپ کی بدولت یہ خطۂ مبارک اور متبرک ہو گیا۔ بعض اوقات مجلس اور سوسائٹی کا بھی اثر ہوتا ہے۔ ایک شخص کراچی یا بمبئی سے آئے۔ اور اپنے علوم اور معلومات کا ذکر کرے۔ تو کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ چونکہ یہ شخص کراچی یا بمبئی جیسے مرکزی شہر کا رہنے والا ہے۔ اور ایک ایسے شہر میں مقیم ہے۔ جہاں ہزاروں پڑھے لکھے آدمی رہتے ہیں۔ سینکڑوں علمی کتابیں مل سکتی ہیں۔ بیسیوں کالج اور سکول ہیں اس لئے اس کی اس قدر معلومات ہیں۔ تو اللہ نے یہ بات بھی اپنے محبوب کے لئے پسند نہ فرمائی۔ کہ کوئی یوں کہے۔ کہ حضور کے علوم کسی علمی مجلس یا کسی کالج و سکول کے رہینِ منت ہیں۔ اس لئے آپ کو غیر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ لوگوں میں مبعوث فرما کر یہ اعلان فرمایا کہ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا گویا ایسی زمین پر اور ایسے لوگوں میں حضور تشریف لائے۔ جہاں نہ کوئی علمی چرچا تھا۔ نہ کوئی سکول یا کالج تھا۔ بلکہ سب کے سب ان پڑھ اور اُمّی تھے۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر کسی سوسائٹی یا

قوم کا بھی احسان نہیں۔ بلکہ آپ ہی کی بدولت یہ اَن پڑھ لوگ بھی علوم و اسرار کے مالک بن گئے۔ اور دنیا بھر کے اُستاد بن گئے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے بے شک حضور کو کچھ عرصہ کے لئے دودھ پلایا۔ مگر کیا یہ اس کا حضور پر احسان تھا۔ یا حضور کا حلیمہ پر احسان تھا۔ کہ ایک غریب بدویّہ عورت کے گھر کو برکتوں سے معمور کر دیا۔ یہ حلیمہ خود فرماتی ہیں کہ:-

"میری چھاتی میں دودھ آتا ہی نہ تھا۔ اور اگر آتا بھی تھا۔ تو بہت کم۔ حتیٰ کہ میرا بیٹا پیٹ بھر دودھ نہ پی سکتا تھا۔ اور رات بھر نہ سوتا اور نہ سونے دیا کرتا۔ مگر جب حضور کو لائی ہوں تو آپ نے اپنے منہ مبارک میں جب دودھ ڈالا۔ تو میری چھاتی میں اتنا دودھ پیدا ہو گیا۔ کہ میرے بچے نے بھی اس دن پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ اور پھر اس رات ایسا مزے سے سویا کہ اس طرح کبھی میٹھی نیند سویا ہی نہ تھا۔ نیز ہم ایک بکری مکہ سے لائے تھے۔ جو بڑی لاغر اور دبلی تھی۔ کبھی کبھار اس سے دودھ کی ایک دو دھاریں دوہ لیتے تھے جو اپنے بھوکے بچے کو پلا دیا کرتے تھے۔ حضور جب تشریف لائے۔ تو اس بکری کو بھی ہم نے دیکھا۔ کہ خلافِ معمول اس کے تھن، دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس بکری سے اتنا دودھ دوہا۔ کہ ہم سب نے خوب پیٹ بھر کر پیا۔ اور مزے سے سب سوئے۔"

اسی طرح حضور کی برکت سے حلیمہ کی خشک زمین بھی ہری بھری ہو گئی۔ اور وہ مویشی جو گھر اور باہر بھی بھوکے ہی رہتے تھے۔ حلیمہ فرماتی ہیں۔ کہ اب وہ ہمارے مویشی بھی خوب کھانے لگے۔ اور موٹے ہونے لگے

اور فرماتی ہیں کہ میرے شوہر نے محمد صلے اللہ علیہ و سلم کی یہ برکتیں دیکھیں تو کہا۔

وَاللہِ یا حلیمۃ لقد اخذنا نسمۃ مبارکۃ

"بخدا! اے حلیمہ ہم نے جس بچے کو لیا ہے۔ یہ بہت مبارک ہے۔"

یہ سارا تفصیلی واقعہ حجۃ اللہ علے العالمین کے صفحہ ۲۵۴ پر دیکھئے اور فیصلہ کر لیجئے۔ کہ یہ احسان حلیمہ کا حضور پر تھا یا حضور کا احسان تھا حلیمہ پر!

میرے بزرگو! اسی طرح ہمارے حضور جب ابوطالب کے گھر تشریف لائے تو ابوطالب ایک کثیر العیال شخص تھے۔ خصائص کبریٰ میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت درج فرمائی ہے کہ ابوطالب کے بچے ہمیشہ بھوکے رہتے تھے۔ مگر حضور کے تشریف لانے پر اس کے کھانے میں کچھ ایسی برکت پیدا ہوئی کہ سارے بچے پیٹ بھر کر کھانا کھانے لگے اور بعض اوقات ابوطالب کے بچے حضور کی انتظار کئے بغیر کھانے کو بیٹھ جاتے۔ تو ابوطالب کہتے۔ اے بچو! اگر بھوکا رہنا ہے تو محمد کی انتظار کئے بغیر کھانا کھا لو۔ اور اگر پیٹ بھر کر کھانا چاہتے ہو۔ تو محمد کو آ لینے دو۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) معلوم ہوا کہ ابوطالب پر بھی حضور ہی کا احسان تھا۔

دھمکی تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ بت پرستوں نے مشورہ کیا۔ کہ ابوطالب کے پاس چلیں۔ اور اُسے جا کر کہیں۔ کہ وہ اپنے بھتیجے کو ہمارے بتوں کی مخالفت سے باز رکھے۔ چنانچہ یہ لوگ ابوطالب کے پاس آئے۔ اور ابوطالب سے کہا۔ کہ تم اپنے بھتیجے کو روکو۔ اور اگر تم نے اسے نہ روکا۔ اور نہ اس کی حمایت ترک کی۔ تو پھر ہم اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ ہم سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہم لڑیں گے اور خون کی ندیاں بہا دیں گے۔ ابوطالب نے ان لوگوں کی یہ دھمکی سنی۔ تو فکر لاحق ہوئی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ و سلم کو اسی مجلس میں بلایا۔ حضور تشریف لائے تو پوچھا اے چچا! کیا بات ہے۔ ابوطالب نے کہا۔ بیٹا! یہ دیکھو! یہ مکہ کے فلاں صاحب ہیں۔ اور یہ فلاں! یہ سب کے سب میرے پاس اس

لئے آئے ہیں۔ کہ تم اپنی تبلیغ بند کر دو۔ اور انہیں اپنے حال پر رہنے دو۔ اگر تم نے اپنی یہ تبلیغ بند نہ کی تو یہ اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔ اور لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں۔ بیٹا! مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔ کہ میں ان سے ٹکرا لے سکوں۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ تم اپنی تبلیغ بند کر دو۔

دھمکی کا جواب

حضرات! آپ دیکھئے! ہمارے حضور نے اس نازک وقت میں جواب کیا دیا۔ کوئی لیڈر ہوتا یا مصنوعی نبی تو یقیناً ایک لمبا چوڑا معافی نامہ لکھ دیتا۔ اور آئندہ کے لئے اپنے خیالات سے رک جاتا۔ مگر یہاں تو جانِ صداقت، اور روحِ حقانیت تھی اور اللہ کی سچی رسالت جلوہ فرما تھی۔ اس نازک وقت میں ہمارے حضور کا جواب یہ تھا۔ جسے شاعر نے نظم میں قلمبند کیا ہے کہ ؎

جفا و جور کی آندھی چلے طوفان آجائیں
مٹانے کو مرے شدّاد اور ہامان آجائیں
مرے ہاتھوں پہ لا کر چاند سورج بھی اگر رکھ دیں
مرے پیروں تلے روئے زمیں کا مال و زر رکھ دیں
خدا کے حکم سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا!!
یہ بُت جھوٹے ہیں میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

اے چچا! کچھ بھی ہو جائے۔ مگر یہ بات نہیں ہو سکتی کہ میں اپنی تبلیغ کو بند کر دوں۔ چچا نے جو یہ جرأت آمیز اور عزم و استقلال کا اعلانِ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) سنا تو کہا۔ جانِ عمّ! تو جو چاہے کر۔ تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔"

ہماری حالت

میرے بھائیو! حضور کے اس عزم و استقلال سے تم بھی سبق حاصل کرو، اور شریعت کے معاملہ میں کسی دھمکی سے مرعوب ہو کر دامنِ شرع چھوڑ دینے پر آمادہ نہ ہو جایا کرو۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمیں اگر برادری کے افراد بھی شریعت سے ہٹانا چاہیں۔ تو ہٹا لیتے ہیں۔ کسی کے لڑکے کی شادی ہوتی ہے۔

تو برادری مجبور کرتی ہے۔ کہ اس شادی میں خلاف شرع سب امور موجود ہونے ضروری ہیں۔ باجا بھی ہو۔ آتشبازی بھی ہو۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوئیں۔ تو ہم شادی میں شرکت نہ کرینگے۔ برادری کا یہ اعلان ہوتا ہے۔ اور سرکار دو عالم کا یہ اعلان ہوتا ہے۔ کہ دیکھو۔ اگر تیرے ہاں یہ خرافات ہوئیں۔ تو میں اس شادی میں شرکت نہ کرونگا۔ آہ! کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ آجکل کا برائے نام مسلمان برادری سے مرعوب ہو کر شریعت کا دامن چھوڑ دیتا ہے۔ اور برادری کو تو اپنے ہاں بلا لیتا ہے۔ مگر سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی پرواہ نہیں کرتا۔ فرمایئے۔ شریعت کا دامن چھوڑ کر اور حضور سے رشتہ توڑ کر پھر باقی رہا کیا؟ اور اس برائے نام اپنی مسلمانی سے ہم نے اسلام کو بدنام کیا یا نہیں؟ ایسی مسلمانی بھی کیا ہوئی جس میں سب وہی غیر مسلموں والی حرکتیں پائی جائیں۔

ایک مجوسی کی حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک مجوسی کی حکایت لکھی ہے۔ یہ مجوسی حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں تھا۔ ایک مسلمان نے جو برائے نام مسلمان تھا۔ اس مجوسی سے کہا۔ (اردو نظم میں ترجمہ سنئے) ؎

کیوں نہیں ایمان لے آتا شتاب — کیا خدا کو دیگا ظالم تو جواب
آگ کو کیوں پوجتا ہے بے خرد — آگ کیا دیگی بھلا تجھ کو مدد
اس خدائے پاک پر ایمان لا — آگ کو بھی جس نے ہے پیدا کیا

مجوسی کو جب اس بے عمل مسلمان نے دعوتِ اسلام دی۔ تو اس مجوسی کا عبرت آموز جواب سنئے۔ وہ بولا ؎

دیکھئے اے مہربانِ اسلام کے — دو نمونے ہیں میرے اب سامنے
ایک تو اسلام شیخ بایزید — شوکتِ اسلام کی جس نے مزید
تاب و طاقت اسکی ہی کچھ نہیں — کون رکھ سکتا ہے اس کا سابقیں
ایسے تو اسلام کا میں ہوں غلام — پر نہیں وہ ہرکس و ناکس کا کام
دوسرا اسلام جو ہے آپ کا — ایسے ایماں سے تو میں کافر بھلا
میلِ دل گر اس طرف لاتا ہوں میں — دیکھ کر حضرت کو رک جاتا ہوں میں

دیکھا آپ نے! اُس مجوسی نے کتنی زبردست بات کہہ دی یعنی جو مسلمان اس قدر بدعمل ہوں کہ دوسرے لوگ اُن کو دیکھ کر بجائے اسلام کی طرف راغب ہونے کے اسلام سے بھاگنے لگیں۔ تو وہ مسلمان کس منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ع

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

مسلمانو! یاد رکھو! مسلمان وہی ہے۔ جو کسی حال میں بھی خدا و مصطفےٰ کا دامن نہ چھوڑے۔ دنیا بگڑے تو بگڑے۔ برادری ناراض ہوتی ہے۔ تو ہو۔ مگر اللہ اور اس کا رسول ہرگز ناراض نہ ہو۔ دنیا بگڑے اور برادری ناراض ہو۔ تو ایسے وقت میں مسلمان وہ ہے۔ جو حضور ہی کی طرف دیکھے۔ اور برادری کی ناراضگی مول لے کر اور حضور کی خوشنودی پا کر یہ اعلان کرے کہ یارسول اللہ!

؎

مرے عمل سے نہ شیخ خوش ہیں، نہ بھائی خوش ہیں، نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا، دلیل یہ ہے، کہ آپ خوش ہیں

برادری کی خوشی

میرے عزیزو! آج جس برادری کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا یہ عالم ہے۔ کہ تم کچھ بھی کرو۔ وہ خوش ہونے کی ہی نہیں۔ کوئی نہ کوئی نقص اور عیب نکال ہی لے گی۔ دیکھئے اگر آپ شادی کی روٹی میں اپنی توفیق سے بڑھ کر خرچ کریں۔ تو یہ برادری کھا پی کر آپ کی روٹی پر تبصرہ یوں کرے گی۔

"اجی محض دکھاوا ہے دکھاوا۔ یہ جو اس نے حیثیت سے بڑھ کر خرچ کیا ہے۔ محض اس لئے کیا ہے۔ کہ اس کی واہ وا ہو۔ مگر ہماری تو رائے یہ ہے۔ کہ جب اتنی توفیق نہ تھی۔ تو اس قدر خرچ کی کیا ضرورت تھی" اگر آپ توفیق کے مطابق خرچ کریں گے۔ تو برادری یوں کہتی ہوئی نکلے گی:" اجی کیا کمال کیا ہے۔ اس نے، رب نے دے بھی تو رکھا ہے۔ اگر اس قدر خرچ کر ڈالا۔ تو کوئی بڑی بات نہیں —— اور اگر آپ نے توفیق سے کم خرچ کیا تو برادری کی درفشانی حسب ذیل ہوگی:-

"بڑا کنجوس مکھی چوس ہے۔ دیکھو تو کس قدر امیر آدمی ہے۔ مگر پکایا کیا ہے اس نے!"

گویا یہ برادری ہر حال میں آپ سے شاکی رہے گی۔ اور آپ پر خوش نہ ہوگی۔ تو میرے بھائیو! پھر کس قدر ظلم ہے۔ کہ ہم ایسی بیوفا جماعت کو تو خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اور شریعت جو ہر حال میں ہماری بہی خواہ اور تمہارے دین و دنیا کی سرخروئی کی ضامن ہے۔ اس کی ہم پروا ہی نہ کریں۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ برادری بگڑتی ہے تو بگڑے۔ مگر خدا و رسول سے نہ بگاڑیں۔ ؎

جس کام کو یاں آئے ہیں وہ کام نہ بگڑے
ہر چیز بگڑ جائے پر اسلام نہ بگڑے

شیطان کے داؤ

میرے بزرگو! یہ جو شیطان ہمارا ازلی دشمن ہے۔ اور جس نے ہمارے بہکانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ یہ بڑے بڑے حیلے بہانوں سے ہمارے ہاتھ سے دامنِ شریعت چھڑوانا چاہتا ہے۔ بیاہ شادیوں میں رنگا رنگ اور دلچسپ لہو و لعب کے امور میں ہمیں الجھا کر یہ ہمارا متاعِ دین اڑا لینا چاہتا ہے۔ مگر ہماری غفلت بھی انتہائی غفلت ہے۔ کہ اس مردود کی چالوں کو ہم نہیں سمجھتے۔ اور اس کی باتوں میں پھنس کر اپنی قیمتی سے قیمتی چیز دین و شریعت کو ہاتھ سے کھو دیتے ہیں۔

ایک درزی کا قصّہ

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک درزی کا قصہ لکھا ہے کہ اس کو ہزاروں لطیفے اور چٹکلے یاد تھے۔ جب کوئی گاہک کپڑا سلانے کے لئے اس کے پاس آتا۔ تو وہ گاہک کو لطیفے سنانے شروع کر دیتا تھا۔ لطیفے سن کر گاہک خوب ہنسنے لگتا۔ اور جب وہ اپنی ہنسی میں لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ تو درزی اس کی نظر بچا کر اس کے کپڑے سے کچھ کپڑا کاٹ لیتا۔

ایک دن ایک شخص اپنا کوٹ سلانے کے لئے اس کے پاس آیا۔ اور کپڑا درزی کو دیا۔ تو درزی نے حسب معمول اسے بھی ایک لطیفہ سنا دیا۔ وہ

شخص ہنس ہنس کر دوہرا ہو گیا۔ اتنے میں درزی نے ایک گرہ کپڑا کاٹ لیا۔
گاہک نے فرمائش کی۔ کہ ایک لطیفہ اور سناؤ۔ درزی نے دوسرا لطیفہ بھی سنا دیا۔
گاہک پھر ہنسا۔ اور درزی نے موقعہ پاکر دو گرہ کپڑا کاٹ لیا۔ گاہک نے پھر
فرمائش کی۔ کہ ایک لطیفہ اور سنا دو۔ درزی نے جواب دیا۔

"تیسرا لطیفہ سنا دینے میں مجھے عذر تو کوئی نہیں۔ مگر جناب
کا کوٹ بہت ہی چھوٹا ہو جائے گا۔"

مولانا رومی فرماتے ہیں۔ اسی طرح شیطان بھی ہے۔ جو انسان کو مختلف
قسم کی شہوات، اور نفسانی خواہشات کے چٹکلوں میں الجھا کر اس پر غفلت
طاری کرکے اس کے متاعِ ایمان پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیتا ہے۔ فرماتے
ہیں۔ غافل انسان! تو چالاک شیطان کے اس داؤ کو سمجھ۔ اور اس کے ان
چٹکلوں میں آکر اپنا متاعِ ایمان نہ کھو۔

انقلاب

ہاں تو میں بیان کر رہا تھا۔ کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم
نے مشرکین کے شرک و کفر کے خلاف اپنی آواز حق جو بلند
فرمائی۔ تو اس آوازِ پاک سے ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ بُت پرست،
خدا پرست بن گئے۔ اغیار کے آگے جھکنے والے خدا کی بارگاہ میں جھکنے لگے،
اور قعرِ پستی میں گرے ہوئے عروج و وقار کے سٹیج پر نظر آنے لگے۔ ؎

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذرّوں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

یہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعجاز اور کرشمہ
تھا۔ کہ دنیا کی کایا ہی پلٹ دی۔ اور اپنی بے مثل مسیحائی سے مردہ دلوں
میں ابدی زندگی پیدا فرما دی۔ پڑھئے درود شریف!

سرورِ عالم ہادیِ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم
شمعِ ہدایت نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم

نام و نشانِ شرک مٹا کر! اور توحید کا رنگ جما کر
پھر لہرا دیا حق کا پرچم! صلے اللہ علیہ وسلم

شانِ رسالت

میرے بزرگو! اللہ تعالیٰ نے حضور کو "محمد رسول اللہ" فرما کر گویا حضور کی شان والا کا اظہار فرما دیا۔ اور بتا دیا کہ میرے محبوب جن کا نام نامی "محمد" ہے۔ وہ "رسول اللہ" ہیں۔ انہیں اپنی مثل نہ سمجھنا۔ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو اللہ کا رسول ہو۔ اس کی شان کا کیا کہنا! اللہ کا رسول اپنی ذات و صفات میں مظہر حق ہوتا ہے۔ اور ساری مخلوق سے بلند و بالا ہوتا ہے۔ جو لوگ "رسول اللہ" کو اپنی مثل اور عاجز و ناکارہ سمجھتے ہیں۔ وہ دراصل اللہ کی عظمت کے منکر ہیں۔ دیکھئے! درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پیر اپنے مریدوں سے، اور استاد اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مرید اگر نیک اور پابند شریعت ہیں۔ تو ان کے پیر کا تقوٰے و تدین ظاہر ہوگا۔ شاگرد اگر لائق ہونگے۔ تو ان کے استاد کی لیاقت ظاہر ہوگی۔ اور اگر مرید ہی بے دین ہیں۔ تو پیر بھی ان کا ویسا ہی ہوگا۔ شاگرد نالائق ہوں گے تو استاد بھی جاہل ہوگا۔ تو میرے بھائیو! اللہ کے رسول اگر بے مثل، اور بڑی بڑی طاقتوں، اور قدرتوں کے مالک تسلیم کئے جائینگے۔ تو ان کے بھیجنے والے اللہ کا بھی لاشریک ہونا۔ اور قادر مطلق ہونا بخوبی ظاہر ہوگا۔ اور اگر اس کے رسولوں ہی کو عاجز اور ناکارہ تسلیم کیا جائے گا۔ اور نفع ضرر کا مالک تسلیم نہ کیا جائیگا۔ تو اس سے یہ بات ظاہر ہوگی۔ کہ اللہ بھی ایسا ہی عاجز و غیر قادر ہے۔ (معاذ اللہ)

تو بھائیو! ہم تو بحمد اللہ اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم بے مثل ہیں۔ اور اس قدر قدرت کے مالک ہیں کہ درختوں کو حکم دیں۔ تو وہ حاضر ہوں۔ جانوروں کو ارشاد فرمائیں۔ تو وہ لبیک کہتے ہوئے دوڑے آئیں۔ پتھروں کو حکم دیں۔ تو وہ کلمہ پڑھنے لگیں۔ اُدھر چاند کی طرف اشارہ کرکے اس کے دو ٹکڑے کر دیں۔

غروب شدہ سورج کو واپس لے آئیں۔ تو اس قدر طاقت اور اتنی قدرت رکھنے والا رسول، جس اللہ کا رسول ہے۔ وہ اللہ کیوں نہ وحدہٗ لاشریک ہوگا۔ اور اس کی طاقتوں، اور قدرتوں کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اللہ جس نے اپنے رسول کو اتنی طاقت وقدرت اور تصرف واختیار بخش دیا ہے۔ وہ خود کتنی زبردست طاقت اور قدرت کا مالک ہوگا۔

میرے بھائیو! یہ تو ہے اہلِ سنّت کا عقیدۂ حقہ! اور جو لوگ رسول کو محض اپنے جیسا ایک بشر کہتے ہیں۔ اور اسے عاجز و ذلیل اور ذرہ ناچیز سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔ ان کے اس عقیدۂ باطلہ کا نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ ایسے رسول کا بھیجنے والا بھی کسی کام کا نہیں۔ اور کوئی طاقت وقدرت نہیں رکھتا۔ اگر کچھ رکھتا ہوتا۔ تو اپنے رسول کو تو کچھ دے کر بھیجتا تو بھائیو! اب خود ہی فیصلہ کرلو۔ حق پر کون ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اسی طرح یہ بات بھی سمجھ لیجئے۔ کہ جو لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ وہ اچھا نہیں کرتے اس لئے کہ اس کا اثر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر جا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ مریدوں کے اعمال سے پیر کا اور شاگردوں کے علم سے استاد کا پتہ چلتا ہے۔ کہ مریدوں کا پیر، اور شاگردوں کا استاد کیسا ہے، مرید اچھے تو پیر بھی اچھا۔ مرید بے دین تو پیر بھی ویسا۔ شاگرد فیل ہوگئے تو گویا استاد ہی قابل نہ تھا۔ تو صحابہ کرام کو اگر یہ تسلیم کیا جائے۔ کہ وہ سارے مرتد ہوگئے (معاذ اللہ) تو گویا یہ حضور پر اعتراض ہے۔ کہ اچھے رسول تھے۔ کہ جن کے شاگرد سب کے سب فیل ہوگئے۔ تو دوستو! اس عقیدہ باطلہ سے پناہ مانگو۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق یہ ایمان رکھو کہ وہ سب کے سب سچے مومن، اور ساری امت سے افضل و اعلےٰ تھے۔ اور ان سب سے بہتر حضور کے چار یار، اور پھر ان چاروں میں سب سے بہتر حضرت افضل الامۃ بالتحقیق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

ذرا پڑھئے تو ؎

نبیوں کے بعد ہیں سب سے بہتر — رضی اللہ تعالےٰ عنہ
مولانا صدّیق اکبر — رضی اللہ تعالےٰ عنہ
یار کے نام پہ مرنے والا — سب کچھ صدقے کرنے والا
منزل عشق و صدق کا رہبر — رضی اللہ تعالےٰ عنہ
جان و مال اور کنبے والے — اللہ اللہ! ہیں کرڈالے
نام نبی پر سارے نچھاور — رضی اللہ تعالےٰ عنہ
غار کا دیکھو تو وہ منظر — کون ہے بیٹھا گود میں لیکر
سرورِ عالم کا سرِ انور — رضی اللہ تعالےٰ عنہ
نظم بشیر کی جس دم سُن لی — جن و لبشر اور حور و ملک بھی
کہنے لگے یوں سارے مل کر — رضی اللہ تعالےٰ عنہ

رضی اللہ تعالےٰ عنہ
رضی اللہ تعالےٰ عنہ

تو میرے دوستو! اپنا عقیدہ درست رکھو۔ اور "محمد رسول اللہ" صلے اللہ علیہ و سلم کی شان عالی کو خدا کے بعد سب سے بلند و بالا سمجھو۔ اور اس قدر عظیم الشان رسول سے والہانہ محبت و عقیدت رکھو۔ دیکھو! "محمد رسول اللہ" صلے اللہ علیہ و سلم کچھ ایسے محبوب ہیں کہ نہ صرف خدا ہی کے بلکہ خدائی بھر کے محبوب ہیں۔ نہ صرف انسانوں ہی کے بلکہ حیوانات و جمادات بھی حضور کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث کا واقعہ ہے۔

استن حنانہ کا قصہ

کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم اپنی مسجد شریف میں منبر بننے سے قبل کھجور کے ایک ستون سے ٹکیہ لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ تب منبر بن گیا۔ تو آپ نے اس پر خطبہ فرمایا۔ ستون نے دیکھا۔ تو رونے لگا۔ اس حدیث کا ترجمہ مثنوی شریف کی زبان سے سنئے!

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

استن حنانہ از ہجر رسول — نالہ می زد ہمچو ارباب عقول

یعنی یہ ستون فراق رسول میں عقلمند انسانوں کی طرح رونے لگا۔

در تحیّر ماند اصحابِ رسول! کز چہ می نالد ستوں با عرض و طول

صحابہ کرام حیران رہ گئے۔ کہ یہ ستون کیوں روتا ہے؟

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستوں! گفت جانم در فراقت گشت خوں!

حضور نے فرمایا۔ اے ستون کیا چاہتے ہو؟ ستون نے عرض کیا کہ حضور آپ کے فراق میں جان خون ہو گئی ہے۔

مسلمانو! دیکھو ایک ستون حضور کی محبت میں کس طرح رو رہا ہے۔ اور عرض کر رہا ہے۔ کہ حضور آپ کے فراق میں مر رہا ہوں۔ آپ نے اب مجھ سے تکیہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔ اور منبر کو مشرف فرمانا شروع کر دیا ہے۔

آیئے! اب آپ کو اس حدیث کے وہ الفاظ سناؤں۔ جو حضور نے اس ستون کو ارشاد فرمائے۔ حضور نے اُسے فرمایا:۔

اِنْ شِئْتَ اَرُدُّكَ اِلَى الْحَائِطِ الَّذِىْ كُنْتَ فِيْهِ تَنْبِتُ لَكَ عُرُوْقُكَ وَيَكْمُلُ خَلْقُكَ وَ يُجَدِّدُ لَكَ خُوْصٌ وَ ثَمْرَةٌ وَ اِنْ شِئْتَ اَغْرِسُكَ فِى الْجَنَّةِ فَيَاْكُلُ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ مِنْ ثَمْرِكَ "

یعنی اگر تم چاہو تو میں تمہیں پھر لگا دوں۔ جہاں تم پہلے تھے۔ تمہاری شاخیں پھر نکل آئیں۔ اور تمہاری خِلقت کی تکمیل ہو جائے اور تمہیں پھر سے پھل لگ جائے۔ اور اگر چاہو۔ تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں۔ تاکہ اللہ کے اولیار تمہارا پھل کھائیں"

حدیث میں ہے کہ حضور نے اس سے یہ فرمایا۔ تو وہ ستون بولا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے جنت میں لگا دیجئے۔ تاکہ اولیاء اللہ میرا پھل کھائیں۔ اور میں ہمیشہ کے لئے قائم رہوں۔

فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَدْ فَعَلْتُ

حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ " اچھا میں نے ایسا کر دیا۔ (مواہب الدنیہ صفحہ ۳۶۶ جلد ۱)

احمد مختار

مسلمانو! غور کرو اس حدیث کے الفاظ مقدسہ پر۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس ستون سے یوں فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہاں دنیا میں لگا دوں اور اگر چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں۔ گویا حضور اپنے وسیع اختیار و تصرف کا اظہار فرما رہے ہیں۔ کہ تم اپنی حاجت بیان کرو۔ تم جو کہو گے۔ ہم وہی کر دینگے پھر جب اس درخت نے جنت میں لگائے جانے کا کہا۔ تو حضور نے فرمایا قَدْ فَعَلْتُ جاؤ میں نے ایسا ہی کر دیا۔ سبحان اللہ! کیسا وہابیت کُش جملہ ہے کہ میں نے ایسا کر دیا۔ کیا کر دیا؟ تمہیں جنت میں لگا دیا۔ کیوں دوستو! کیا یہ ہمارے حضور کے اختیار و تصرف کی چمکتی ہوئی دلیل نہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہو رہا۔ کہ حضور جو چاہیں کریں۔ یہ ان کو اپنے اللہ سے اختیار حاصل ہے۔ اور وہ احمدِ مُختار ہیں۔ اسلئے اللہ علیہ و آلہ وسلم)

ہاں تو بھائیو! اس ستون کا قصہ ملاحظہ فرما لیا آپ نے اب آپ خود ہی انصاف کریں۔ کہ ایک خشک لکڑی تو حضور سے اس قدر محبت و الفت رکھے۔ پھر وہ جس کے دل میں ایسے محبوب کی محبت نہ ہو۔ اس سے زیادہ بدنصیب اور کم بخت کون ہوگا۔

حضرات! میں اپنی تقریر ختم کرنے سے قبل، ایک اور اپنی لکھی ہوئی نعت سنانا چاہتا ہوں۔ ابتداءِ تقریر میں آپ نے نام "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حروف کے متعلق نظم سنی۔ لیجئے آخر میں بھی اسی نام پاک کے حروف ہی کے متعلق میری ایک دوسری نظم بھی سنئے اور سر دھنئے۔

پہلے درود شریف پڑھئے:۔

صَلَّی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ
صَلَّی اللہ علیک وسلم یا حبیب اللہ

حروفِ محمد

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

"م"

کلمہ میں میم اور مسلمان میں بھی "میم" اسلام میں ہے میم تو ایمان میں بھی میم
جو صوم میں ہے میم تو رمضان میں بھی میم رحمت میں ہے جو میم تو رحمان میں بھی میم
اس میم کا ہے جلوہ رحیم و کریم میں
کیا برکتیں ہیں دیکھو محمد کے میم میں

ہے آسماں میں میم زمیں میں بھی میم ہے اور ہے مکان میں میم مکیں میں بھی میم ہے
الہام اور روحِ امیں میں بھی میم ہے دانم، قلم میں لوحِ مبیں میں بھی میم ہے
اس میم کی بہار ہے باغِ نعیم میں
کیا برکتیں ہیں دیکھو محمد کے میم میں

گر حمد میں ہے میم تو حامد میں میم ہے اور مردِ حق میں میم مجاہد میں میم ہے
اور میم ہے نماز میں مسجد میں میم ہے اور میم ہے مرید میں مرشد میں میم ہے
اس میم ہی کا نور ہے قلبِ سلیم میں
کیا برکتیں ہیں دیکھو محمد کے میم میں

"ح"

اہلِ حیا کو "ح" سے ہی حاصل حیا ہوئی حاصل شہیدِ حق کو حیات و بقا ہوئی!
اور دل میں پیدا "ح" سے ہی حُبِّ خدا ہوئی "ح" سے حسین کو حُسن کی دولت عطا ہوئی
"ح" حج میں حجرِ اسود و بیت الحرام میں
کیا برکتیں ہیں "ح" کی محمد کے نام میں

یہ "ح" لحد میں ساتھ ہے راحت کے واسطے محشر میں بھی ہے ساتھ یہ رحمت کے واسطے
وقتِ حساب ساتھ حمایت کے واسطے ہر حال میں ہے ساتھ حفاظت کے واسطے

حل مشکلوں کو کرتی ہے ہر اک مقام میں
کیا برکتیں ہیں "ح" کی محمد کے نام میں

محبوب میں بھی "ح" ہے محبت میں بھی ہے "ح"
حاکم میں ہے جو "ح" تو حکومت میں بھی ہے "ح"

گر "ح" حکیم میں ہے تو حکمت میں بھی ہے "ح"
رحمٰن میں جو "ح" ہے تو رحمت میں بھی ہے "ح"

"ح" حیدر و حسین علیہ السّلام میں
کیا برکتیں ہیں "ح" کی محمد کے نام میں

"م"
(ثانی)

اس میم سے مراد ملی ہے مراد کو
اس میم نے ملایا ہے حق سے عباد کو

اس میم نے مٹایا ہے کفر و عناد کو
اس میم سے ہے موت جہانِ فساد کو

اس میم سے بہشت میں اپنا مکان ہے
کیا دوسری بھی میم محمد کی شان ہے

اس میم نے مٹائی ہے ظلمت قدیم کی
اس میم نے دلائی ہے رحمت رحیم کی

اور ہے یہ میم ملجا و ماوائے یتیم کی
مکّہ مدینہ میں بھی تو برکت ہے میم کی

یہ میم مجرموں کو پیغام اماں ہے
کیا دوسری بھی میم محمد کی شان ہے

اس میم سے تو لطف ہے مولا کے نام میں
اس میم ہی کا جلوہ ہے زمزم کے جام میں

اس میم ہی کا نور ہے بیت الحرام میں
اس میم سے مدد ملی مشکل مقام میں

یہ میم ہی تو موجب ہر دو جہان ہے
کیا دوسری بھی میم محمد کی شان ہے

"د"

آدم ہوئے فرشتوں کے مسجود "دال" سے
شیطاں جنابِ حق سے ہے مردود "دال" سے

حامد جو دال سے ہے تو محمود "دال" سے
دونوں جہان ہو گئے موجود "دال" سے

دین اور دنیا دونوں محمد کا مال ہے

بنیادِ دو جہان محمدؐ کا "دال" ہے

دانش میں ہے جو دال تو دانا میں دال ہے
دولت میں ہے جو دال تو داتا میں دال ہے

امداد میں ہے دال مداوا میں دال ہے
دُرِّ صدف میں دال ہے دریا میں دال ہے

ہر دل میں دال ہی کا تو دیکھو جمال ہے
بنیادِ دو جہان محمدؐ کا دال ہے

اس دال سے قبولِ خدا کو درود ہے
اس دال سے ہی دہر میں ہر اک وجود ہے

مردِ سخی کا دال سے فیض اور جود ہے
خوش دال سے شہید پہ ربِ ودود ہے

نزدیک و دور "دال" کا فیض کمال ہے
بنیادِ دو جہان محمدؐ کا "دال" ہے

★

فصلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تیسرا وعظ

فضائلِ رسول

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (پ۳ ع۲)

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک دوسرے کو ایک دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا۔ اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے "فضائلِ رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے آج حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری اور حضور کے بیشمار فضائل و کمالات میں سے کچھ فضائل بیان کرنے ہیں۔ اس سے قبل آپ

میرے وعظ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر رسالت کا بیان سُن چکے ہیں۔ آج مجھے ذرا تفصیل سے یہ بیان کرنا ہے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے سارے رسولوں (علیہم السلام) میں افضل و اعلےٰ ہیں۔ اور آپ سب کے سردار و سلطان ہیں (صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم) آیئے وعظ سے قبل اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی ایک نعت سارے مل کر پڑھیں۔

ہمارا نبی

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی — سب سے بالا و والا ہمارا نبی

اپنے مولا کا پیارا ہمارا نبی — دونوں عالم کا دولھا ہمارا نبی

بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہوا — نورِ اول کا جلوہ ہمارا نبی

جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس — ہے وہ سلطان والا ہمارا نبی

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں — شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی

خلق سے اولیاء، اولیاء سے رسل — اور رسولوں سے اعلےٰ ہمارا نبی

جیسے سب کا خدا ایک ہے ایسے ہی — اِن کا اُن کا تمہارا ہمارا نبی

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی — چاند بدلی سے نکلا ہمارا نبی

سارے اچھوں میں اچھا سمجھیے جسے — ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی

سارے اونچوں میں اونچا سمجھیے جسے — ہے اس اونچے سے اونچا ہمارا نبی

جس نے مردہ دلوں کو دی عمرِ ابد — ہے وہ جانِ مسیحا، ہمارا نبی

جس کی دو بوند ہیں کوثر و سلسبیل — ہے وہ رحمت کا دریا ہمارا نبی

غمزدوں کو رضاؔ مژدہ دیجے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

پڑھیے درود شریف!

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ!

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو!!! اس آیت کریمہ میں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی۔ خداوند کریم نے اپنے رسولوں کا ذکر فرمایا ہے کہ یہ رسول ہیں جنہیں ہم نے مدارج و مراتب کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے نفسِ رسالت میں تو سارے رسول یکساں اور برابر ہیں۔ مگر مدارج و مراتب کے لحاظ سے بعض رسولوں کو دوسرے رسولوں پر فضیلت و برتری دی گئی ہے مثلاً خدا نے فرمایا :-

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللهُ ـ "ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا"

یہ اشارہ ہے حضرت موسٰے کلیم اللہ علیہ السلام کی طرف۔ یعنی اللہ نے حضرتِ موسٰے علیہ السلام سے کوہ طور پر کلام فرمایا۔ اور اس کے آگے یوں فرمایا :-

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ اور کوئی وہ ہے۔ جسے سب پر درجوں بلند کیا۔ یعنی ایک ذات بابرکات ایسی بھی ہے۔ جو ان تمام رسولوں سے درجوں بلند و بالا ہے۔ اور جسے سب رسولوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔ خدا نے یہ کس کے لئے فرمایا۔ سنئے!

اِنَّهٗ اَرَادَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ هُوَ الْمُفَضَّلُ عَلَيْهِمْ ـــ (روح البیان صـ ۳۹۷ ج۱) — اس رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے کہ حضور نے ہی سارے رسولوں پر فضیلت پائی ہے۔"

تو میرے بھائیو! اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے رسولوں سے افضل و اعلےٰ اور سب کے سردار و سلطان ہیں۔ اور یہ بات ایک ایسی حقیقت ہے۔ جسے بچہ بچہ جانتا ہے۔ اور کوئی مردود ہی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش جتنے پیغمبر بھی تشریف لائے۔ سب سے بلند و بالا ہیں۔ یہاں مجھے ایک پُر لطف بات یاد آ گئی۔ ایک مجلس مشاعرہ میں جہاں سارے مسلمان شعراء جمع تھے۔ ایک عیسائی شاعر بھی آ گیا۔

ایک مشاعرہ میں عیسائی کو جواب

اور بڑے فخر کے ساتھ مسلمان شعراء کو مخاطب کر کے کہنے لگا ؎

فلک پر ابنِ مریم کا مکاں ہے — محمدؐ تو زمیں پہ بے گماں ہے!
جو اونچا ہے وہی افضل رہیگا — جو نیچے ہے بھلا افضل کہاں ہے؟

یعنے اے مسلمانو! تمہارا اپنا بھی عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے عیسےٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر موجود ہیں۔ اور تمہارے محمد (صلے اللہ علیہ و سلم) زمین پر قبرانور میں آرام فرما ہیں۔ تو ہمارے پیغمبر اوپر ہوئے۔ اور تمہارے نیچے۔ تو جو اُوپر ہے۔ افضل بھی وہی ہے نہ کہ جو نیچے ہے۔

یہ سُن کر ایک مسلمان شاعر اٹھا اور بولا۔ اے عیسائی! سُن اس کا جواب۔ ؎

ترازو کو اٹھا کر دیکھ ناداں! — وہی جُھکتا ہے جو پلہ گراں ہے

یعنے ترازو کے ایک پلہ میں سیر رکھو۔ اور ایک پلہ میں چھٹانک۔ اور پھر اُس ترازو کو اٹھا کر دیکھو۔ کونسا پلہ اوپر جاتا ہے۔ اور کونسا نیچے رہتا ہے؟ — عیسائی بولا۔ سیر والا پلہ نیچے رہیگا۔ اور چھٹانک والا اوپر ہو جائیگا۔ مسلمان نے کہا۔ بس تو اسی طرح ہمارے حضور کا مرتبہ بھاری تھا۔ وہ نیچے رہے۔ اور جن کا ہمارے حضور سے مرتبہ ہلکا تھا۔ وہ اوپر تشریف لے گئے۔ عیسائی شاعر مبہوت ہو کر رہ گیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ کا ایک عیسائی کو جواب

اسی طرح حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک واقعہ ہے۔ آپ سے بھی ایک عیسائی نے یہی بات کہی اور آپ نے بڑا پُر لطف جواب دیا۔ چنانچہ آپ خود ایک رباعی میں اس سوال و جواب کا ذکر فرماتے ہیں۔ فرمایا ؎

کسے بگفت کہ عیسےٰ ز مصطفےٰ اولیٰ است
کہ ایں بزیر زمیں است آں بادوج سما است

یعنی مجھ سے کسی عیسائی نے کہا کہ عیسےٰ علیہ السلام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ یہ زمین میں ہیں۔ اور وہ آسمان پر ہیں۔"

جواب سنئے! ؎

بگفتمش کہ نہ ایں قول معتبر باشد
حباب بر سر دریا گہر تہِ دریا است

فرماتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارا یہ قول غیر معتبر ہے۔ جا! جا کے دیکھ لے کہ بلبلہ دریا کے اوپر ہوتا ہے۔ اور موتی اس کی تہ میں۔"

سبحان اللہ! کیا ہی پر لطف جواب ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر افضل ہمارے ہی حضور ہیں۔" صدر ہرجا کہ نشیند صدر است" صدر چاہے کہیں بیٹھے صدر ہی ہے۔ یہ کلیہ کہ اوپر والی چیز نیچے والی چیز سے افضل ہوتی ہے۔ غلط ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کلیہ کو توڑا ہے۔

مرزائی اور عیسائی

حضرات! عیسائیوں کی یہ بات مرزائی بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ مرزائیوں نے بھی اپنی احمدیہ پاکٹ بک میں یہی بات لکھی ہے۔ کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر مانا جائے گا۔ تو اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت ہو جائے گی مگر آپ معلوم کر چکے کہ یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ کہ ہر اوپر کی چیز ضرور نیچے کی چیز سے افضل ہو۔ جب یہ کلیہ ہی غلط ٹھہرا۔ تو پھر عیسائیوں اور مرزائیوں کا یہ اعتراض ہے ہی بنار الفاسد علی الفاسد۔

عیسائیوں کا ایک دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

میرے عزیزو! عیسائی ایک اور بات بھی کہتے ہیں۔ کہ دیکھو ہمارے عیسیٰ علیہ السلام کو جب یہودی پھانسی چڑھانے لگے۔ تو اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں قریش مکہ نے تنگ کیا۔ اور ان کے قتل کے درپے ہوئے۔ تو اللہ نے تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آسمان پر نہیں اٹھایا۔ بلکہ انہیں زمین پر ہی رہ کر مکہ چھوڑنا پڑا۔ اور مکہ سے مدینہ آنا پڑا۔ اگر

تمہارے پیغمبر سے بھی اللہ کو پیار ہوتا۔ تو انہیں بھی خدا آسمان پر اٹھا لیتا۔

میرے بھائیو! سطحی نظر سے تو یہ بات بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے۔ مگر دراصل اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ سنیئے! ایک عورت کے دو بیٹے ہوں بڑا بیٹا تو بڑا طاقتور اور شہ زور ہو۔ اور چھوٹا اس کے مقابلہ میں اسقدر طاقتور اور شہ زور نہ ہو۔ اتفاقاً اس کے گھر میں ڈاکو آ جائیں۔ تو وہ عورت اس وقت کیا کرے گی۔ وہ دیکھے گی کہ شہ زور بیٹا تو ان ڈاکوؤں سے تنہا بھی مقابلہ کر سکتا ہے۔ مگر چھوٹا بیٹا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تو ماں اس چھوٹے بیٹے کو گود میں اٹھا کر کوٹھے پر چڑھ جائے گی۔ اور بڑے سے کہے گی بیٹا تم نیچے ہی رہ کر ان بدمعاشوں کا مقابلہ کرو۔

کہو دوستو! ہے نا یہ بات اسی طرح؟ ماں اس وقت یہی سوچیگی کہ چھوٹے بیٹے کو تو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑنا مناسب نہیں اور بڑے کو اوپر بلانا مناسب نہیں۔ اگر بڑا بھی اوپر بلا لیا۔ تو ڈاکوؤں کے لیئے میدان صاف ہے۔ اس صورت میں تو میری بھی عزت و ناموس خطرے میں پڑ جائے گی۔ چنانچہ ماں اس وقت یہی کچھ کرتی ہے۔ جس کا میں نے ذکر کیا۔ کہ چھوٹے بیٹے کو کوٹھے پر لے جاتی ہے۔ اور بڑے کو صحن ہی میں رہنے دیتی ہے۔ تو فرمایئے ان دونوں بھائیوں میں سے درجہ کس کا بلند ہوا۔ اس کا جو کوٹھے پر لے جایا گیا؟ یا اس کا جس نے نیچے رہ کر تنہا دشمنوں کا مقابلہ کیا؟ اور سارے ڈاکوؤں کو شکست دے کر ماں کا گھر بچا دیا؟ یقیناً مرتبہ اسی کا بلند ہے۔ جو صحن میں رہ کر ڈاکوؤں سے لڑا۔ اور جس نے فاتح بن کر ماں اور اپنے بھائی کی عزت بچا لی۔

تو میرے بزرگو! ہمارا ایمان ہے۔ کہ عیسٰے علیہ السلام اور حضور علیہ السلام دونوں ہی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ مگر جو برتری و کمال حضور میں ہے۔ اس کا تقاضا ہی یہ تھا۔ کہ حضور آسمان پر نہ اٹھائے جائیں۔ اس لئے یہودیوں کی سازش کے وقت خدا نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کو تو آغوشِ رحمت میں لے کر آسمان پر اٹھا لیا۔ اور حضور سے یہ ارشاد ہوا کہ:۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ! — اے محبوب اللہ کی راہ میں لڑو۔
جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ۔ اور ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ اور ان پر سختی کرو۔"

گویا اے محبوب! اگر تمہیں بھی آسمان پر اٹھا لوں۔ تو پھر ان کافروں سے مقابلہ کون کرے گا۔ اور ان دین کے ڈاکوؤں کو شکست دے کر فتح و نصرت کے ڈنکے کون بجائے گا؟ پیارے! عیسٰے علیہ السلام کے بعد تو تم تشریف لانے والے تھے۔ مگر تمہارے بعد تو قیامت تک دوسرا کوئی نبی پیدا ہونے والا نہیں ایک تمہاری ہی تو ذات ہے۔ جس کے ذریعہ دین اسلام کا قیام و قرار ہے اگر تم بھی اوپر چلے آتے۔ تو پھر دین کی عزت بھی خطرے میں ہے۔ اے محبوب! تم زمین پر ہی رہ کر ان کا مقابلہ کرو۔ اور ان کو شکست دو۔ چنانچہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بمصداق "ساری خدائی اک طرف۔ فضلِ الٰہی اک طرف"؛ تنہا سارے کافروں کا مقابلہ کیا۔ اور دنیا بھر کے کافروں کو شکست دے کر اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا کا پرچم لہرا دیا۔ تو فرمایئے عیسائیوں کے اس بودے اعتراض کی کیا حقیقت رہ گئی۔ حقیقت جو ہے۔ وہ یہی ہے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سارے نبیوں کے سردار اور سلطان ہیں۔ پڑھیئے درود شریف :-

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ!

موسٰے علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں

میرے بزرگو! قرآن پاک کی آیت آپ نے سنی۔ اس میں خدا نے حضرت موسٰے علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے۔ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰہُ یعنے رسولوں میں سے بعض کے ساتھ اللہ نے کلام فرمایا۔ تو بیشک ہمارا ایمان ہے۔ کہ حضرت موسٰے علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں۔ مگر "رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ" کے مطابق ہمارے حضور کی شان اس سے بھی زیادہ بلند ہے۔ چنانچہ آیئے آپ کو ایک حدیث سناؤں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے :-

ہمارے حضور اللہ کے حبیب ہیں

کہ ایک دفعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اکٹھے بیٹھے کہ انبیاء علیہم السلام کا آپس میں ذکر کر رہے تھے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے آئے۔ آپ نے سنا کہ ایک صحابی کہہ رہے ہیں۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خلیل بنایا ہے۔ دوسرے صحابی بولے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام فرمایا ہے۔ تیسرے بولے اور عیسے علیہ السلام کلمۃ اللہ۔ اور روح اللہ ہیں۔ چوتھے بولے اور آدم علیہ السلام کو اللہ نے چن لیا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ میں نے تمہارا کلام سنا۔ ابراہیم علیہ السلام واقعی خلیل اللہ ہیں۔ موسےٰ علیہ السلام واقعی کلیم اللہ ہیں۔ عیسے علیہ السلام واقعی روح اللہ ہیں۔ اور آدم علیہ السلام کو واقعی اللہ نے چنا۔ لیکن —

اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ

خوب یاد رکھو۔ میں اللہ کا حبیب ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۰۵)

محفلِ میلاد

میرے بزرگو! اس حدیث کو سن لیا آپ نے؟ دیکھئے اس میں صاف تصریح ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اکٹھے بیٹھ کر پہلے نبیوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اور انبیاء کرام کے اوصاف بیان کر رہے تھے۔ تو میرے بھائیو! انصاف شرط ہے۔ صحابہ کرام اگر پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر خیر سننے اور سنانے کے لئے جمع ہوتے اور ذکر انبیاء سنتے اور سناتے تھے۔ تو آج اگر ہم بھی سارے نبیوں کے سردار حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر سننے اور سنانے کے لئے جمع ہو جائیں اور سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک سنیں۔ اور سنائیں۔ تو اس مبارک اجتماع کو بدعت کیوں کہا جائے؟ یاد رکھئے! یہ محفل میلاد شریف صرف اسی مقصد کے لئے منعقد کی جاتی ہے۔ کہ مسلمان جمع ہو کر اپنے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک سنیں اور سنائیں۔ اور ان کے اوصاف عالیہ

کا چرچا کریں۔ اور یہ ایک ایسا مقصد ہے۔ جس کی عظمت و برکت کا کوئی مسلمان تو انکار نہیں کر سکتا۔ مسلمان کے دل میں تو حبِ رسول جلوہ گر ہے۔ اور وہ بمصداق مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ ذکرِ رسول میں خوش رہتا ہے اور اس کے لئے اہتمام بھی کرتا ہے۔ مگر جس بدبخت کا دل اس نعمتِ عظمٰے سے خالی اور محروم ہے۔ وہ ذکرِ رسول کے نام سے بھی چڑتا ہے۔ مگر بقولِ اعلیٰ حضرت! ؎

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ!
دم میں جبتک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائینگے!

صحابہ کرام اور ذکرِ رسول

میرے بزرگو! صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا یہی ذکرِ رسول دن رات کا مبارک شغل تھا۔ آج ہم لوگ جو زمانہ نبوی علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے صدیوں بعد پیدا ہوئے۔ اپنے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی صورتِ منورہ، اور سیرتِ مطہرہ کے پیارے پیارے حقائق و واقعات سے اسی ذکرِ رسول کی بدولت متعارف ہوئے ہیں۔ صحابہ کرام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حسنِ صورت و سیرت کے ہر پہلو کا ذکر فرمایا ہے۔ حضور کی نشست و برخاست کیسی تھی؟ حضور خواب کیسے فرماتے۔ جاگتے کیسے؟ تناول کیا فرماتے۔ اور کیسے فرماتے، ہنسی مبارک آپ کی کیسی تھی؟ گریہ مبارک کی کیفیت کیا ہوتی؟ اپنے اور بیگانوں سے حضور کا برتاؤ کیسا تھا؟ چال مبارک کیسی تھی؟ آواز مبارک اور انداز گفتگو کیسا تھا؟ الغرض سیرتِ مطہرہ کے ہر گوشہ کا ذکر فرما دیا۔ حضور منبع النور صلے اللہ علیہ وسلم کا حسنِ عالمتاب کیسا تھا؟ پیشانئ انور کیسی تھی؟ ناک مبارک کیسی تھی؟ دندان مبارک کی کیا شان تھی؟ گردن اطہر کی کیا کیفیت تھی؟ دستِ انور اور پائے مبارک کیا شان رکھتے تھے؟ گویا صورتِ منورہ کی بھی پوری پوری تفصیل کا صحابہ کرام نے ذکر فرما دیا۔

گیسوئے مبارک

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے گیسوئے

مبارک کیسے تھے؟ صحابہ کرام نے یہ بھی بیان فرمایا ہے۔ مگر بعض روایات میں تو آتا ہے۔ کہ گیسوئے مبارک کانوں تک رہتے تھے۔ اور بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ کندھوں تک رہتے تھے۔ بظاہر ان روایات میں تعارض نظر آتا ہے۔ مگر محدثین کرام علیہم الرحمتہ نے بڑے مزے کی تطبیق بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان جن کا ذکرِ رسول ہی شغل تھا۔ اور جن کا ہر ارشاد ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ وہ اپنے محبوب آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ و سلم کی صورت و سیرتِ مقدسہ کے متعلق جو بیان فرمائیں حق ہے۔ مگر پھر یہ کیا کہ کسی نے تو گیسوئے انور تا گوش بیان کئے اور کسی نے تا دوش؟ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے گیسوئے انور گھنگریالے تھے۔ اور شانہ مبارک نہ کرنے کی حالت میں وہ کانوں تک رہتے تھے۔ اور جب حضور شانہ مبارک فرماتے تو کندھوں تک آجاتے۔ تو جس صحابی نے گیسوئے انور شانہ مبارک نہ فرمانے کی حالت میں دیکھے۔ اس نے تا گوش بیان فرما دیئے۔ اور جس نے شانہ مبارک فرما لینے کے بعد دیکھے۔ اس نے تا دوش بیان فرما دیئے گویا دونوں روایتیں ہی حق ہیں۔ اور محبوبِ خدا کی ہر دو اداؤں کی آئینہ دار یعنی حضور کے گیسوئے مبارک تا گوش بھی رہتے تھے۔ اور تا دوش بھی اور اس کی حکمت کیا ہے۔ کہ گیسوئے مبارک تا گوش بھی رہتے تھے اور تا دوش بھی؟ اس کا جواب اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی زبان سے سنیئے۔ فرمایا ؎

گوش تک سنتے تھے فریاد اب آئے تا دوش
تا بنیں خانہ بدوشوں کے سہارے گیسو

یعنے گیسوئے انور جب کانوں تک تھے۔ تو گویا ان کا یہ ارشاد تھا کہ اے فریادیو! تمہاری فریادیں سننے کے لئے یہ دو کان ہیں۔ اور جب کندھوں تک آتے تو یہ ارشاد ہوا۔ کہ اے بیکسو! اور بے سہارو! تم سب کا بوجھ اٹھانے کے لئے یہ دو کندھے ہیں۔

ایک جانِ بے خطا پر دو جہاں کا بار ہے

پڑھئے درود شریف!

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ!

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ!

تو میرے بھائیو! معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہی ذکرِ رسول شغل تھا۔ اور ان کے اسی ذکر پاک کا صدقہ ہے۔ کہ آج ہم اپنے حضور کی صورتِ منوّرہ و سیرتِ مطہرہ سے متعارف ہیں۔ بقولِ وہابیہ اگر ذکرِ رسول ناجائز ہوتا۔ تو صحابہ کرام ہرگز ہرگز نہ کرتے۔ اور وہ اگر یہ ذکر پاک نہ کرتے تو آج ہمارے محبوب آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی صورتِ منورہ و سیرتِ مطہرہ کا کوئی بھی نورانی گوشہ ہمارے سامنے نہ آتا۔ مگر سَو سَو رحمتیں ان نفوس قدسیہ پر جن کے صدقہ میں حضور منبع النور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرتِ مقدسہ کا نورانی جلوہ بصورتِ "ذکر" آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور محبت والوں کے لئے محبوب کا ذکر بھی تسکینِ خاطر کے لئے ایک بہت بڑا سامان ہے۔ اور اہل محبت محبوب کے ذکر ہی میں وصالِ محبوب کے مزے پا لیتے ہیں۔ جیسے کہ ایک شاعر نے لکھا ہے۔ ؎

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار اور ذکرِ رسول کا عظیم فائدہ

میرے بھائیو! "ذکر رسول" کے بے شمار فائدے ہیں۔ ان فائدوں میں سے ایک اور بھی عظیم فائدہ سنئے۔ یہ حدیث تو آپ نے اکثر علماء کرام سے سنی ہے۔ کہ میت کو جب قبر میں دفنا دیا جاتا ہے۔ تو وہ فرشتے جن کا نام منکر اور نکیر ہے۔ امتحان لینے کے لئے قبر میں آجاتے ہیں۔ اور ان کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے۔ مَنْ رَّبُّکَ؟ بتا تیرا رب کون ہے؟ مسلمان اس کا جواب یہ دیتا ہے۔ رَبِّیَ اللّٰہُ۔ میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں۔ مَا دِیْنُکَ؟ تمہارا دین کیا ہے؟ مسلمان جواب

دیتا ہے۔ دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ - میرا دین اسلام ہے۔ اس کے بعد فرشتے پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرتے ہیں :-

مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ

"یعنے تم ان کے بارے میں جو تم میں مبعوث کئے گئے کیا کہتے ہو"
تو مسلمان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مقدسہ کو دیکھ کر اس کا جواب یہ دیتا ہے :-

هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

وہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۲۴)

میرے دوستو! اس حدیثِ پاک سے ہی جو ذکرِ رسول کا فائدہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بیان کرنے سے قبل ضمناً یہ بھی بیان کرتا جاؤں کہ دیکھ لیجئے۔ اس حدیث میں یہ موجود ہے۔ کہ فرشتے جب پہلا سوال کرتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ اور مسلمان اس کا جواب دے دیتا ہے۔ کہ میرا رب اللہ ہے۔ تو اسی ایک جواب دے دینے پر اس کی رہائی نہیں ہو جاتی۔ اور فرشتے یہ نہیں کہتے۔ کہ بس تمہاری نجات ہو گئی۔ اب اور کوئی سوال باقی نہیں۔ نہیں بلکہ فرشتے ایک دوسرا سوال کر دیتے ہیں۔ کہ بتا تیرا دین کیا ہے؟ گویا رب رب کہنے والے تو بہتیرے ہیں۔ مگر یہ بھی تو پتہ چلے۔ کہ تمہارا دین کون سا ہے۔ اگر تم مسلمان نہیں۔ تو تمہارا رب رب کہنا بیکار ہے۔ چنانچہ مسلمان پھر دوسرے سوال کا بھی صحیح جواب دے دیتا ہے۔ کہ دین میرا اسلام ہے۔ تو اس جواب پر بھی اس کی نجات نہیں ہوتی۔ بلکہ تیسرا ایک اور سوال باقی ہے۔ نجات تو اس سوال کے صحیح جواب دے دینے پر ہے۔ چنانچہ فرشتے پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے پوچھتے ہیں۔ کہ بتا ان کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟" گویا مسلمان کہلانے والے تو بہت ہیں۔ اور اپنے منہ سے مسلمان بننے والے تو بہتیرے ہیں۔ مگر صرف مسلمان کہلا لینا کافی نہیں۔ جب تک کہ اس ذاتِ مقدسہ کی بھی پہچان حاصل نہ ہو۔ چنانچہ مسلمان جب حضور صلے اللہ

علیہ و سلم کے متعلق ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ کہہ دیتا ہے تو امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

آجکل کے "صرف مسلمان"

میرے بھائیو! اس پُر فتن دَورِ آزادی میں آپ نے کئی ترقی پسند اور مادر پدر آزادی کے دلدادہ لیکچراروں سے سنا ہوگا۔ کہ بڑے فخر کے ساتھ وہ یہ کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو مسلمان ہیں۔ شیعہ۔ سُنی۔ حنفی۔ وہابی کے جھگڑوں میں ہم نہیں پڑتے۔ ہم نہ سُنی ہیں نہ شیعہ، نہ حنفی نہ وہابی۔ بلکہ ہم تو صرف مسلمان ہیں۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اگر صرف "مسلمان" کہلانا ہی کافی ہوتا۔ اور اس کے بعد کسی دوسری قید و پابندی کی ضرورت نہ ہوتی تو قبر میں فرشتے بھی دوسرے سوال "مَا دِیْنُکَ" کا جواب "دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ" پاکر مطمئن ہو جاتے۔ اور تیسرا سوال حضور کے متعلق ہرگز نہ کرتے اور یوں کہتے۔ کہ بس بس تمہاری نجات ہو گئی۔ اور پتہ چل گیا۔ کہ تم مسلمان ہو۔ اب اس کے بعد کسی اور سوال کی ضرورت نہیں۔ مگر نہیں صرف مسلمان بن جانے کے بعد ایک تیسرا سوال باقی رہ جاتا ہے۔ اور اسی سوال کے صحیح جواب پر نجات کا انحصار ہے۔ اور وہ سوال حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی ذاتِ گرامی سے متعلق ہے۔ اور اسی ذاتِ گرامی کی معرفت اور عدم معرفت کی بنا پر مسلمان ہونے کے باوجود، ناجی اور غیر ناجی دو فرقے بن جائیں گے۔ اور ناجی تو وہی "وَمَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کے مطابق اہل سنت وجماعت یعنی سنی کہلائے گا۔ اور غیر ناجی ۷۲ قسم کے ناموں سے پکارا جانے لگیگا۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جس کا کوئی سلیم العقل شخص انکار نہیں کر سکتا۔ مگر بقول شاعر ؎

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

بہت سے لوگ یہی رٹ رٹے جاتے ہیں کہ نا صاحب! ہم کسی فرقہ سے متعلق نہیں۔ ہم تو ان سب فرقوں سے الگ ہیں۔ اور صرف مسلمان ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ۔ کسی فرقہ سے نہ ہو کر بھی فرقہ بندی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔

کسی فرقہ میں نہ ہونا بھی الگ ایک فرقہ ہے

گویا کسی فرقہ سے نہ ہونا بھی خود ایک فرقہ ہے۔ مثلاً ایک شہر میں دو فرقے ہیں۔ سُنی اور شیعہ تو وہاں اگر کچھ لوگ اس خیال کے پیدا ہو جائیں۔ کہ ہم نہ سنی ہیں نہ شیعہ۔ تو ان لوگوں نے فرقہ بندی کو مٹایا نہیں۔ بلکہ بڑھایا۔ اس لیے کہ پہلے تو اس شہر میں دو فرقے تھے۔ ایک سنی اور ایک شیعہ اور اب ایک تیسرا فرقہ پیدا ہو گیا۔ جو نہ سنی ہے نہ شیعہ۔ میرے دوستو! مخنثین کا بھی تو آخر ایک گروہ ہی ہے۔ ایک گروہ مردوں کا ایک عورتوں کا۔ اور ایک گروہ ان کا جو نہ مرد ہیں نہ عورت۔ اس میں شک نہیں کہ ہیں وہ انسان ہی۔ مگر صرف " انسان " وہ بھی نہیں بلکہ ایک گروہ سے وہ بھی متعلق ہیں۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ہم چونکہ نہ مردوں کے گروہ میں ہیں۔ نہ عورتوں کے گروہ میں۔ اس لئے ہم کسی گروہ میں نہیں۔ اسلئے کہ مردوں کے گروہ میں نہ سہی اور عورتوں کے گروہ میں نہ سہی۔ مخنثوں کے گروہ میں تو ہیں۔ گروہ ان کا بھی ضرور ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس گروہ کی تعریف یہ ہے۔ کہ جو نہ مردوں میں ہے نہ عورتوں میں۔ تو جو لوگ کسی گروہ میں نہیں۔ نہ شیعہ، نہ سنی۔ نہ حنفی نہ وہابی۔ تو وہ ان گروہوں میں نہ سہی لا مذہبی کے گروہ میں تو ضرور ہیں۔ لا مذہب ہونا بھی تو ایک مذہب ہے ہاں یہ دوسری بات ہے۔ کہ لا مذہب کی تعریف یہ ہے۔ کہ جو نہ ادھر ہو اور نہ اُدھر۔ اور بقول شاعر ؎

اسی کا نام تو لا مذہبی ہے
نہ اِلَّا الَّذِی ہے نہ اُکَّا الَّذِی ہے

حضرت فقیہہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک لا مذہب کو لاجواب جواب

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ سیالکوٹ میں ایک ایسے ہی ترقی پسند مقرّر آئے۔ اور انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ مسلمانو! ہم تو صرف مسلمان ہیں۔ یہ شیعہ، سنی، مقلد، غیر مقلد کے فرقوں سے ہم آزاد ہیں۔ تم بھی ان جھگڑوں سے آزاد ہو جاؤ۔ اور صرف

مسلمان بنو۔ والدی المعظم حضرت فقیہہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے دن جامع مسجد مولانا عبد الحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تقریر فرمائی۔ اور فرمایا کہ اس قسم کے مقرر کہہ تو بہت کچھ جاتے ہیں۔ مگر ان کی باتوں کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ یہ کل والے مقرر صاحب ہیں ایک ایسی نماز تو پڑھ کر دکھائیں۔ جو نہ سنیوں کی ہو نہ شیعوں کی نہ مقلدوں کی۔ اور نہ غیر مقلدوں کی۔ بلکہ "صرف مسلمانوں" کی نماز ہو۔ اگر نماز میں ہاتھ نہ باندھینگے تو شیعہ فرقے میں آجا ئینگے۔ اور ہاتھ باندھ کر اگر پڑھیں گے۔ تو سنی گروہ میں شمار ہونے لگیں گے۔ اور ہاتھ اگر سینے پر باندھیں گے۔ تو غیر مقلد کہلائیں گے۔ اور اگر زیر ناف باندھیں گے۔ تو حنفی کہلانے لگیں گے۔ مرد میدان بنیں۔ اور کوئی ایسی نماز پڑھ کر دکھائیں۔ جو کسی فرقے سے متعلق نہ ہو۔ بلکہ "صرف مسلمانوں" کی نماز ہو۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ کے اس وعظ میں میں بھی موجود تھا۔ مجھے یاد ہے۔ کہ ایک شخص اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ حضرت! "صرف مسلمانوں کی نماز یہ ہے کہ نماز بالکل پڑھی ہی نہ جائے" اس پُر لطف بات پر لوگ ہنس پڑے۔ اور والد ماجد بھی فرمانے لگے۔ "درست ہے۔ واقعی یہ لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں۔

ترقی یافتہ مسلمان

میرے دوستو! بات بھی یہی ہے کہ ترقی یافتہ "صرف مسلمان" مسجدوں میں آنا بھی ترقی کے خلاف، اور آوٹ آف فیشن سمجھتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

اب نظر آتی نہیں ہے مسجدوں کے فرش پر
قوم نے اتنی ترقی کی کہ پہنچی عرش پر

گویا اب یہ لوگ اس قدر ترقی پا گئے ہیں۔ کہ زمین پر نظر ہی نہیں آتے۔

اندر سے مسلمان

ان لوگوں کا ایک اور بھی مسلک ہے اور وہ یہ ہے کہ چھوڑیے صاحب ان نماز روزہ اور داڑھی کے جھگڑوں کو۔ ان ظاہری حرکات و سکنات، اور ظاہری شکل و صورت سے کیا ہوتا ہے۔ اندر سے مسلمان ہونا چاہیئے۔ اور ہم لوگ اندر سے مسلمان ہیں

دیکھا آپ نے ان کا یہ لطیفہ بھی کہ یہ اندر سے مسلمان ہیں باہر سے چاہے

سہ
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اقبال کے اس شعر کی پوری پوری تفسیر ہوں۔ مگر اندر سے یہ پھر بھی مسلمان ہی ہیں۔

لطیفہ ایک پیر صاحب سے مرید نے عرض کیا۔ حضور! میں نے ایک بھینس خریدی ہے۔ چلئے اُسے دم کر آئیے۔ پیر صاحب گئے۔ تو دیکھا۔ کھونٹی سے ایک گدھا بندھا ہے۔ مرید نے عرض کیا۔ حضور یہ ہے بھینس۔ اسے دم کیجئے۔ پیر صاحب نے فرمایا۔ مگر یہ تو گدھا ہے۔ مرید ہاتھ جوڑ کر بولا۔ حضور! چھوڑیئے اس کی شکل و صورت کو یہ اندر سے بھینس ہی ہے پیر صاحب بولے۔ بیوقوف! اگر یہ اندر سے بھینس ہوتی تو باہر سے بھی بھینس ہی نظر آتی۔ اور اگر باہر سے یہ گدھا ہے تو اندر سے بھی سولہ آنے گدھا ہی ہے۔

کیوں دوستو! سمجھے کچھ آپ؟ اگر یہ لوگ واقعی اندر سے مسلمان ہوتے تو باہر سے بھی مسلمان ہی نظر آتے۔ اور اگر باہر سے یہ کچھ اور نظر آتے ہیں تو اندر سے بھی سولہ آنے کچھ اور ہی ہیں۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت حضرات! اس قسم کے "جنٹلمین" ایک اور بات بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ صاحب اگر نماز نہ پڑھی تو کیا ہوا۔ اس بات سے کیا کوئی کافر ہو جاتا ہے؟ روزہ نہ رکھا۔ تو کیا ہوا۔ اس بات سے بھی کیا کوئی کفر لازم آتا ہے۔ زکوٰۃ نہ دی۔ تو کیا ہوا۔ حج نہ کیا۔ تو کیا ہوا۔ داڑھی نہ رکھی تو کیا اسلام جاتا رہا؟ گویا کچھ بھی نہ رہے۔ مگر مسلمان پھر بھی ہیں۔ ان کی اس بات پر مولانا رومی نے ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:-

ایک شوقین اپنے بازو پر شیر کی تصویر گندھوانے مصوّر کے پاس گیا۔ اور مصوّر سے کہا۔ میرے بازو پر شیر کی تصویر بنا دو۔ مصوّر نے سوئی نکالی۔ اور شیر بنانے کے لئے اس کے بازو پر چبھو دی۔ شوقین صاحب کو تکلیف

ہوئی۔ تو پوچھنے لگے۔ شیر کی کون سی جگہ بنانے لگے ہو؟ مصور بولا۔ سب سے پہلے شیر کی دم بناؤں گا۔ شوقین نے کہا۔ ارے یار! دُم رہنے دو۔ خدا نے بغیر دم کے بھی تو کوئی شیر بنایا ہی ہوگا نا! مصور نے دم چھوڑ دی اور پھر سوئی چبھوئی۔ شوقین کو پھر تکلیف ہوئی۔ اور پوچھا۔ اب کونسی جگہ بنانے لگے ہو۔ مصور بولا۔ اب شیر کی ٹانگیں بنانے لگا ہوں۔ شوقین نے کہا۔ یار! ٹانگیں بھی رہنے دے۔ خدا نے لنگڑے شیر بھی تو بناتے ہونگے نا مصور نے وہ جگہ بھی چھوڑ دی۔ اور پھر سوئی چبھوئی۔ شوقین نے پھر پوچھا اب کونسی جگہ بناؤ گے۔ وہ بولا! اب شیر کا پیٹ! شوقین نے کہا۔ ارے یار پیٹ بھی رہنے دے۔ مصور اب سر بنانے لگا۔ اور شوقین صاحب کو پھر تکلیف ہوئی۔ اور پھر پوچھا۔ اب کونسی جگہ بنانے لگے ہو۔ مصور بولا۔ اب سر بنانے لگا ہوں۔ شوقین نے کہا۔ سر بھی رہنے دو۔ اور باقی شیر بنا دو۔ مصور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ قبلہ معاف فرمایئے۔ ایسا شیر نہ کہیں دیکھا۔ اور نہ کسی سے سنا۔ جس کی نہ دم ہو نہ ٹانگیں۔ نہ پیٹ ہو۔ اور نہ سر، اور ہو شیر کا شیر ہی!

مولانا رُومی فرماتے ہیں۔ اور ایسا مسلمان بھی کہیں نہ دیکھا۔ اور نہ سنا جو نہ نماز پڑھے۔ نہ روزہ رکھے۔ نہ حج کرے۔ نہ زکوٰۃ دے۔ اور ہو مسلمان کا مسلمان ہی۔ نہ ویسا کوئی شیر دیکھا۔ اور نہ ایسا کوئی مسلمان دیکھا۔ شیر وہ جس کی ٹانگیں، دم، پیٹ اور سر، سب صحیح سلامت ہوں۔ مسلمان بھی وہ جس کی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج سب صحیح سلامت ہوں۔

مگر میرے بھائیو! آج تو اکثریت ہی ان بغیر اعضاء کے شیروں کی ہے۔ خوب یاد رکھئے۔ شیر جنگل کا بادشاہ ہے۔ اور سارے جنگل پر اس کی حکومت ہے۔ سارے جانوروں پر وہ غالب ہے۔ اور سب جانور اس سے ڈرتے ہیں۔ مگر شیر کے پاؤں اگر کاٹ دیئے جائیں۔ اس کے ہاتھوں کے پنجے ضائع کر دیئے جائیں۔ اس کے منہ کا حلیہ بگاڑ دیا جائے۔ تو شیر، شیر نہ رہے گا۔ اس کا وہ رعب و دبدبہ جاتا رہے گا۔ اور حال

یہ ہو جائے گا۔ کہ ایک گدھا بھی آکر اس اپاہج و بیکار شیر پر حملہ کرنے سے نہ چوکے گا۔ تو میرے مسلمان بھائیو! تم محمدی شیر تھے۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کے مطابق تمہیں اعلیٰ و حاکم تھے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے مصداق کفار پر تمہارا رعب و دبدبہ تھا۔ اور سب تم سے خائف و لرزاں تھے۔ مگر آہ! اس ملحدانہ ترقی نے تمہارے اسلامی اعضا کاٹ کر رکھ دیئے۔ اور ملحدینِ زمانہ نے اس اسلامی شیر کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ جس کا بھیانک نتیجہ یہ نظر آ رہا ہے۔ کہ آج وہ گدھے بھی جن پر کبھی ہمارا رعب غالب تھا۔ ہم پر وار کرنے سے نہیں چوکتے۔ یہ سب کچھ کس لئے۔ صرف اس لئے کہ ہم نے اسلامی سیرت و صورت کو چھوڑ دیا ہے

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیرا ہُوا!
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا
اللہ کی رہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا
جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصرِ عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

قبر میں دیدار

ہاں تو میرے بھائیو! میں قبر میں منکر نکیر کے سوالات کا ذکر کر رہا تھا۔ اور یہ بتانے لگا تھا۔ کہ ذکر رسول کا ہمیں قبر میں کونسا عظیم فائدہ ہوگا۔ تو آپ سن چکے۔ کہ فرشتے جب مسلمان سے پوچھیں گے۔ کہ بتا تو ان کے متعلق کیا کہتا ہے۔ تو مسلمان جھٹ سے بول اٹھے گا۔

ھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم!
وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

بھائیو! آج ہم بدنصیبوں نے بُعدِ زمانہ کی وجہ سے اپنی ان گنہگار آنکھوں سے سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی۔ اور آپ جانتے ہیں۔ کہ جسے کبھی نہ دیکھا ہو۔ اُسے دیکھ کر پہچان لینا کہ یہ فلاں

شخص ہے۔ بڑا مشکل ہے۔ مگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و سلم جنہیں ہم نے ان آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ جب قبر میں تشریف لائیں گے۔ تو ہم دیکھتے ہی پکار اٹھیں گے۔

ھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم!

وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

یہ کبھی دیکھنے کے بغیر بھی ہم جو حضور صلے اللہ علیہ و سلم کو فوراً پہچان جائینگے۔ اور پکار اٹھینگے۔ کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ جانتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یاد رکھئے۔ ان کی وجہ یہی ہے۔ کہ مسلمان اس دنیا میں "ذکرِ رسول" کا شائق رہا۔ محافل میلاد منعقد کرتا کراتا رہا۔ اور ان محفلوں میں اپنے آقا و مولی صلے اللہ علیہ و سلم کی سیرت و صورت کے مبارک تذکرے۔ نظماً و نثراً سنتا رہا۔ میلاد شریف کی محفلوں میں واعظ سناتے رہے۔ کہ ہمارے حضور کی صورت مبارکہ ایسی تھی۔ سیرت مطہرہ ایسی تھی۔ تو مسلمان ان محافل میلاد کے ذریعہ "ذکر رسول" سن سنا کر اپنے محبوب آقا صلے اللہ علیہ و سلم کی مبارک صورت کو خوب یاد کر لیتا ہے۔ اور حالت یہ ہوتی ہے۔ کہ ہر وقت محبوب کی یاد تازہ رہتی ہے۔ اور محبوب کی سیرت و صورت آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔ اور جب مرتا ہے اور قبر میں سرکار تشریف لاتے ہیں۔ تو دیکھتے ہی جھٹ پہچان جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے۔ ھُوَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم ہیں اور قدموں سے لپٹ جاتا ہے۔ میں نے اپنی ایک نعت میں لکھا ہے ؎

قبر میں سرکار آئیں تو میں قدموں میں گروں
اور فرشتے گر اٹھائیں تو میں ان سے یوں کہوں
کہ میں پائے ناز سے اب اے فرشتو کیوں اٹھوں
مر کے پہنچا ہوں یہاں اس دلربا کے واسطے

مسلمانو! عاشقوں سے پوچھو۔ انہیں مرنے کے بعد اس "دیدار محبوب"

کی کس قدر مسرت ہوتی ہے۔ اور وہ دیدارِ حبیب کی خاطر کس خوشی سے جان دیتے ہیں۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ ؎

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی!
جسکے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات

تو مسلمان اسی "ذکر رسول" کی بدولت قبر میں اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو فوراً پہچان کر یوں پکار اٹھے گا ھُوَ رَسُوْلُ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ "ذکر رسول" کو اور ذکرِ رسول کی محفلوں کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ انہیں اس "ذکر رسول" کے سننے سنانے سے روکنے کا یہ پھل ملے گا۔ کہ فرشتے جب حضور کے متعلق دریافت کریں گے کہ بتا یہ کون ہیں۔ تو وہ یوں جواب دیں گے۔ ھَاہ ھَاہ لَا اَدْرِی ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ دیکھا آپ نے "ذکر رسول" سے روکنے کا نتیجہ بجز ہائے ہائے کے اور کچھ نہیں۔

ایک اعتراض کا جواب

مسلمانو! اس حدیث کے مطابق قبر میں خود حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہی تشریف لاتے ہیں۔ جبھی تو فرشتے ھٰذَا الرَّجُل یعنی ان کے لئے کیا کہتا ہے؟ کہینگے۔ یہ "اِن کے لئے" کا قول ہی بتا رہا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں۔ اور اگر کوئی معترض یہ کہے کہ میت کا جواب جو حدیث میں درج ہے۔ وہ ھُوَ رَسُوْلُ اللہ صلے اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے۔ جس کا معنی ہے۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو یہاں لفظ "وہ" بتا رہا ہے کہ حضور قبر میں نہیں ہوتے ورنہ "وہ" کی جگہ "یہ" ہوتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں ہے۔ کہ زکریا علیہ السلام نے جب مریم علیہا السلام کو بیت المقدس کے محراب میں اپنی کفالت میں رکھا۔ تو آپ دروازہ مقفل کرکے باہر تشریف لے جاتے۔ اور جب واپس تشریف لاتے اور دروازہ کھول کر مریم علیہا السلام کے پاس محراب میں جاتے۔ تو اس بند جگہ میں مریم علیہا السلام کے پاس طرح طرح کے پھل موجود پاتے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:-

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا۔ (پ ۳ ع ۱۲)

"جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے۔ اس کے پاس نیا رزق پاتے۔"

حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ پھل دیکھ کر حضرت مریم علیہا السلام سے دریافت فرمایا۔ یَا مَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا۔ اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟

حضرت زکریا علیہ السلام نے اس پھل کے متعلق جو مریم علیہا السلام کے پاس موجود تھا۔ یوں دریافت فرمایا۔ اَنّٰی لَکِ هٰذَا۔ یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ تو مریم علیہا السلام کا جواب قرآن میں مذکور ہے کہ

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ "بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے۔"

دیکھ لیجئے! وہ پھل مریم علیہا السلام کے پاس ہی رکھا تھا۔ اور اس کیلئے زکریا علیہ السلام نے بھی "هٰذَا" کہہ کر پوچھا کہ "یہ کہاں سے آیا؟" مگر مریم علیہا السلام اس قریب کی چیز کو فرما رہی ہیں هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ "وہ اللہ کے پاس سے ہے۔" تو بھائیو! یہ بھی ایک خاص انداز ہے۔ قریب کی چیز کو "وہ" کہہ کر مشارٌ الیہ کی عظمت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ چونکہ بے موسم کا پھل پھر ایک بند کمرے میں خاص حضرت مریم علیہا السلام کی خاطر بھیج دینا یہ اللہ کا ایک خاص کرم تھا۔ تو مریم علیہا السلام اللہ کے اس خاص انعام کی عظمت بیان کرنے کے لئے اُسے هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فرما دیتی ہیں۔ تو اسی طرح مسلمان میت کے لئے بھی ایک بند کمرے میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کا تشریف لے آنا خدا کی قسم سب سے بڑا انعام الٰہی ہے۔ تو اس خاص انعام الٰہی کو اپنی خاطر اپنے پاس دیکھ کر مسلمان گویا ایک عالم وجد میں آکر قدموں میں سر جھکا دیتا ہے۔ اور اپنی نظریں نیچی کرکے یوں پکار اٹھتا ہے:۔

هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ وہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم ہیں۔

تو اس اندازِ جواب کو عشاق ہی جان سکتے ہیں۔ ؎

بے ادب کو کیا خبر آداب کی؟

اَنَا حَبِیْبُ اللہ

حضرات! میں کہاں سے کہاں آ پہنچا۔ آپ کو یاد ہوگا۔ میں نے ایک حدیث پڑھی تھی۔ جس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اکٹھے ہو کر انبیاء سابقہ علیہم السلام کا ذکر کرنا مذکور تھا اور جس میں اس بات کا ذکر تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل تھے۔ اور موسٰے علیہ السلام اللہ کے کلیم تھے۔ لیکن میں اللہ کا حبیب ہوں۔ دوستو! اس حدیث سے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی فضیلت و برتری ثابت ہو رہی ہے اس لئے کہ "حبیب اللہ" کا درجہ کلیم اللہ، اور خلیل اللہ سب سے بلند و بالا ہے چنانچہ اسی حدیث کے ماتحت لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

هُوَ جَامِعٌ لِلْخُلَّةِ وَالتَّكْلِيْمِ وَالْاِصْطِفَاءِ وَالْمُنَاجَاةِ مَعَ شَيْءٍ زَائِدٍ لَمْ يَثْبُتْ لِاَحَدٍ وَهُوَ كَوْنُهٗ مَحْبُوْبُ اللّٰهِ بِالْمَحَبَّةِ الْخَاصَّةِ الَّتِيْ مِنْ خَوَاصِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی لفظ "حبیب، خلت، "کلم اصطفار۔ اور مناجات، سب کا جامع ہے مع ایک ایسی زائد چیز کے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں اور وہ ہے۔"اللہ کا محبوب ہونا" ایک ایسی محبت سے جو حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے۔"

مطلب یہ کہ کوئی پیغمبر خلیل ہے۔ کوئی کلیم اور کوئی نجی۔ مگر سید الانبیاء صلے اللہ علیہ و سلم "حبیب" ہیں۔ اور حبیب وہ ہے۔ جو خلیل بھی ہو۔ کلیم بھی ہو۔ نجی بھی ہو۔ اور مصطفٰے بھی۔ گویا جو جامع الصفات ہو۔ اور "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا جو مصداق ہے۔ وہ حبیب ہے۔

کلیم و حبیب میں فرق

علامہ صفوری علیہ الرحمۃ نے نزہۃ المجالس میں لکھا ہے قَالَ النَّسَفِيُّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ اَنَا كَلِيْمُكَ وَمُحَمَّدٌ حَبِيْبُكَ فَمَا الْفَرْقُ بَيْنَ الْكَلِيْمِ وَالْحَبِيْبِ فَقَالَ الْكَلِيْمُ يَعْمَلُ بِرِضَاءِ مَوْلَاهُ وَالْحَبِيْبُ يَعْمَلُ بِرِضَائِهٖ وَالْكَلِيْمُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَالْحَبِيْبُ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَالْكَلِيْمُ يَاْتِيْ اِلٰى طُوْرِ سِيْنَاءَ ثُمَّ يُنَاجِيْ ۔ وَالْحَبِيْبُ يَنَامُ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَيَاْتِيْ بِهٖ جِبْرِيْلُ فِيْ طُرْفَةِ

عَنْتِ اِلٰی مَکَانٍ لَمْ یَبْلُغْہُ اَحَدًا مِنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ ۔ (نزہتہ المجالس صـ۴۳ ج ۲)
نسفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب سے پوچھا۔ کہ
مولا میں تیرا کلیم ہوں۔ اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تیرے حبیب
ہیں۔ یہ تو فرما۔ کلیم اور حبیب میں فرق کیا ہے؟ خدا نے جواب دیا
کہ کلیم وہ ہے۔ جو اپنے مولا کی رضا سے کام کرے۔ اور حبیب وہ
ہے۔ جس کی رضا سے مولا کام کرے۔ اور کلیم وہ ہے۔ جو اللہ کو
چاہے۔ اور حبیب وہ ہے جسے اللہ چاہے۔ کلیم وہ ہے۔ جو خود
طور سینا پر آکر التجا کرے۔ اور حبیب وہ ہے جو اپنے بستر ناز
پر آرام فرما ہو۔ اور بحکم خدا جبریل خود حاضر ہو کر اسے ایک پل
میں وہاں لے آئے جہاں کوئی نہ پہنچا ہو۔"

دیکھا آپ نے مسلمانو! ہمارے آقا کی کیا شان ہے۔ اسی لئے حضور نے فرمایا۔
کہ اَنَا حَبِیْبُ اللہِ۔ کہ خوب جان لو۔ میں اللہ کا حبیب ہوں۔ گویا میں وہ ہوں
جس سے خود خدا محبت فرماتا ہے۔ اور جس کی مرضی کو وہ پورا فرما دیتا ہے۔ میرے
دوستو! اس حقیقت پر کہ خدا حضور کی مرضی کو پورا فرما دیتا ہے۔ خود قرآن شاہد ہے

تحویل قبلہ

دیکھئے! اور انبیاء کرام بحکم حق بیت المقدس کی طرف منہ کر
کے نماز پڑھتے رہے۔ سب کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کچھ عرصہ بیت المقدس ہی کی طرف منہ کرکے نماز
پڑھتے رہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی یہ تھی۔ کہ میرا قبلہ "کعبہ" شریف
ہو جائے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ اسی تمنا میں بار بار آسمان کی طرف
نظر فرماتے ہیں کہ خدا میری مرضی کے مطابق تحویل قبلہ کا ارشاد فرما دے ــــ تو
خداوند کریم نے فرما دیا:۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْہِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا
فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (پ ۲ ع ۱) ــ (اے محبوب!)
ہم تیرا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا دیکھ رہے ہیں۔ تو ہم ضرور تجھے
اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔ جس میں تمہاری خوشی اور مرضی ہے

پس ابھی اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیر لو۔"

کیوں میرے دوستو! اس آیت سے کیا یہ ثابت نہیں ہو رہا۔ کہ ہمارا یہ قبلہ کعبہ شریف صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق بنایا گیا ہے ورنہ حضور سے قبل تو سب کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ اور کچھ عرصہ حضور بھی اسی قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ مگر حضور کی مرضی یہ ہو گئی۔ کہ ہمارا قبلہ کعبہ ہو جائے۔ تو اللہ نے بھی فرما دیا۔ کہ پیارے جو تمہاری مرضی، ہماری مرضی بھی وہی ہے کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت نے ؂

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم!
خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ!

میرے بزرگو! یہ حقیقت ہے۔ کہ ہمارے حضور کی زبان حق ترجمان سے جو بات نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ اُسے پورا فرما دیتا ہے۔ اور حضور کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ع

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

کُن کی کنجی

اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے حدائق بخشش میں ایک جگہ لکھا ہے ؂

وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

یعنی سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان کُن کی کنجی ہے۔ اس زبان سے جس چیز کے لئے کُن کا ارشاد ہو جائے۔ وہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث

ایک گستاخ رسول کا انجام

شریف میں ایک گستاخ رسول کا انجام مذکور ہے کہ ایک شخص ابوالعاص نامی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتار اتار کر مذاق کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ملعون اپنا منہ ٹیڑھا کرکے حضور کی نقل اتار رہا تھا۔ کہ حضور نے اس کی یہ حرکت دیکھ کر فرمایا:۔

کُنْ کَذَالِکَ .... "ایسا ہی ہو جا"

چنانچہ مرتے دم تک اس کا منہ ویسا ہی ہو گیا اور اسی طرح ہلتا رہا۔

(خصائص کبریٰ ص۷۹ جلد ۲)

بلا عذر بائیں ہاتھ سے کھانے والے کا انجام

ایک دوسری حدیث سنیئے۔ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ حضور نے دیکھ کر اُسے فرمایا۔ "کُلْ بِیَمِیْنِكَ" دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے یونہی کہدیا لَا اَسْتَطِیْعُ میرا داہنا ہاتھ بیکار ہے۔ حضور نے فرما دیا۔ لَا اسْتَطَعْتَ جا آج سے بیکار ہو گیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں:۔

فَمَا رَفَعَهَا اِلٰی فِیْهِ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۶۵)

پھر وہ اپنے اس ہاتھ کو کبھی منہ تک نہ اٹھا سکا!

دیکھا آپ نے! یہ ہے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک کی نافذ حکومت کہ جس بات کا حکم نافذ فرمایا۔ وہی ہو گیا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے یہ لکھا ہے ؎

وہ زبان جس کو سب کُن کی کنجی کہیں!
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

حضور کا ارشاد شریعت ہے

میرے بزرگو! اس زبان سے جو ارشاد بھی نکلے امت کیلئے وہی شریعت ہے۔ یہ زبانِ حق ترجمان ہے۔ اور اس زبان حق ترجمان سے جو ارشاد صادر ہو جائے وہی مرضیٔ حق ہوتی ہے۔ اور جو مرضیٔ حق ہو وہی اس زبان سے ارشاد ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے:۔

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (پ۲۷ ع ۵)

"اور وہ کوئی بات ہی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں۔ مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس زبانِ حق ترجمان سے وہی کچھ ارشاد ہوتا ہے۔ جو مرضیٔ حق ہو۔ گویا جو کچھ حضور ارشاد فرمادیں۔ وہی مرضیٔ حق ہے۔ اور جس بات سے حضور روک دیں خدا بھی اس بات پر خوش نہیں ہے؎

جنابِ مصطفےٰ جس سے ہوں ناخوش!
نہیں ممکن کہ ہو اس سے خدا خوش!
پسندِ حق تعالےٰ تیری ہر بات!
ترے انداز خوش تیری ادا خوش

اسی لئے تو میں نے کہا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرماویں وہی ہمارے لئے شریعت ہے۔ اور میں کہنے والا کون ہوں۔ خود قرآن بھی فرماتا ہے۔ اور حدیث بھی۔ چنانچہ پہلے قرآن کا ارشاد سنئے:۔

قرآن کا ارشاد

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (پ ۹ ع ۹) وہ جو غلامی کریں گے۔ اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔ جسے لکھا ہوا پائیں گے۔ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دیگا اور برائی سے منع فرمائے گا۔ اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے، اتارے گا۔"

دیکھ لیجئے! اس آیت میں ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا نے صاف صاف فرما دیا ہے۔ کہ وہ رسول کریم نبی عظیم صلی اللہ علیہ وسلم جس کا ذکر توراۃ و انجیل میں بھی ہے۔ وہ آمر بھی ہے۔ اور ناہی بھی ہے۔ وہ بھلائی کا حکم بھی فرمائے گا۔ اور برائی سے روکے گا بھی۔ اور وہ شارع بھی ہے۔ وہ صاف ستھری چیزوں کو حلال بھی فرمائے گا۔ اور گندی چیزوں کو حرام بھی فرمائے گا۔ اور وہ دافع البلاء بھی ہے۔ وہ تکلیفوں کے بوجھ بھی اتاریگا اور مصیبتوں کے پھندے بھی کاٹے گا۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس آیت نے روز روشن کی طرح ہمارے

حضور کا آمر و ناہی ۔ شارع اور دافع ہونا ظاہر فرما دیا ۔ وہ امر فرمائے گا ۔ وہ روکے گا وہ حلال کرے گا ۔ وہ حرام کرے گا ۔ وہ بوجھ اتاریگا ۔ کیوں صاحب! یہ سب کچھ کیا ہے ؟ یہی تو ! کہ وہ مختار ہوگا ۔ حاکم اور شارع ہوگا ۔ جو وہ فرما دے گا ۔ وہی شریعت بن جائے گی سہ

تری مرضی پہ مرمٹنا شریعت اسکو کہتے ہیں !
ترے کوچے میں ہونا دفن جنت اسکو کہتے ہیں !

منکرین حدیث اور گندی چیزیں

مسلمانو! آجکل ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے ۔ جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے ۔ اور حدیث کا انکار کرتا ہے یہ لوگ مادر پدر آزادی کے دلدادہ ہونے کی وجہ سے "حدیثِ رسول" صلے اللہ علیہ وسلم سے سخت بیزار ہیں ۔ چونکہ قرآن پاک کی تفصیل و تشریح ، اور شرعی و اخلاقی اور انسانی قیود و ضوابط کا مفصل بیان حدیث ہی فرماتی ہے ۔ اور یہ لوگ اپنی آزاد طبع کے باعث ان ضوابط و قیود کے متحمل نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے ان لوگوں نے سرے سے حدیث ہی کا انکار کردیا ہے ۔ تاکہ ان کے لئے اپنی مادر پدر آزادی کی راہ میں کوئی روڑا نہ رہے اور یہ جو چاہیں کریں ۔ اور چونکہ نام ان کا مسلمانوں کا سا ہے اور کہلاتے ہیں مسلمان اور کھلے بندوں مسٹر "ہگ" مسٹر "ڈاگ" یا گھسیٹا رام یا تارا سنگھ تو کہلا نہیں سکتے ۔ اس لئے انہوں نے اپنا نام "اہلقرآن" رکھ لیا ہے اور بظاہر نعرہ ان کا یہ ہے ۔ کہ ہم قرآن کے علم بردار ہیں ۔ اور جس قدر بھی بدمذہب ہیں کوئی نہ کوئی ان کا نعرہ ایسا ضرور ہوتا ہے ۔ جس سے مسلمان ان کی طرف مائل ہو سکیں ۔

شکاری

دیکھئے ! مور چونکہ شیر کا عاشق ہے ۔ اس لئے مور کے شکاری شیر کی کھال پہن لیتے ہیں ۔ تاکہ مور شکاری کو شیر سمجھ کر قریب آجائے اور شکاری اُسے بآسانی پکڑ سکے ۔ بٹیر کے شکاری بالعموم بٹیر کی سی آواز نکالتے ہیں ۔ تاکہ بٹیر اپنی آواز سن کر دھوکہ میں آجائے ۔ تو میرے بھائیو! جس قدر بدمذہب ہیں ۔ تمہیں اپنے پھندے میں پھنسانے کے لئے مسلمانوں کے بھیس

ہیں سامنے آتے ہیں۔ تاکہ تم انہیں مسلمان سمجھ کر قریب چلے آؤ۔ اور وہ اپنا کام بآسانی کرسکیں۔ یہ لوگ اپنی مطلب براری کے لئے تمہارے جیسی آواز بھی نکالتے ہیں۔ مرزائی جنہوں نے مرزا غلام احمد کو نبی مان لیا۔ صرف تمہارے پھانسنے کے لئے بظاہر ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ اپنے اخبار خاتم النبیین نمبر نکالتے ہیں۔ حالانکہ وہ "ختم نبوت" کے منکر اور مرزا غلام احمد کو نبی ماننے والے ہیں روافض حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا سُنّیوں کے سامنے نام لیتے ہیں۔ تو حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان اور ام المؤمنین عائشہ کہتے ہیں۔ حالانکہ ان پاک ہستیوں کے متعلق ان کے جو خیال ہیں۔ وہ جاننے والے خوب جانتے ہیں۔ وہابیوں کو بھی ہم نے دیکھا ہے۔ کہ سُنّیوں کے مجمع میں نام پاک سن کر انگوٹھے چوم لیتے۔ قیام کر لیتے۔ اور نعرۂ رسالت کا بھی اقرار کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ساری باتیں ان کے ہاں شرک و بدعت ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذِئَابٌ فِیْ ثِیَابٍ۔ یہ انسانی لباس میں بھیڑیئے ہیں ؎

ذِئَابٌ فِیْ ثِیَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

شیر کی کھال میں گدھا

یہاں مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ کسی شخص کا گدھا زخمی اور ناکارہ ہو گیا۔ اُس نے اُسے جنگل میں چھوڑ دیا۔ پرند اور مکھیاں اس کی رہی سہی کھال کو نوچتی تھیں۔ اور اس کے زخم اور شدید ہوتے گئے۔ کسی راہ گیر مسافر کو اس کی حالت پر رحم آیا۔ اور وہ اسے گھر لے آیا۔ اس کے پاس شیر کی ایک کھال تھی۔ اس نے وہ کھال اس گدھے کے اوپر ڈال دی اور کھال کا چہرے والا حصہ اس کے منہ پر ڈال دیا۔ اب گدھا بے فکری سے جنگل میں چرنے لگا پرندے، درندے سب اُسے شیر سمجھ کر اس سے ڈرنے لگے۔ کوئی نزدیک نہ آتا۔ اب کیا تھا۔ بے فکری کا چرنا اور جنگل کی بادشاہی گدھے کے زخم بھی اچھے ہو گئے۔ اور خوب موٹا تازہ بھی ہو

گیا۔ گدھے کی خرمستی مشہور ہے۔ جوبن میں آکر خرمستی نے جو زور کیا۔ تو لگے چاروں طرف جنگل میں نعرہ ہائے ڈھینچوں ڈھینچوں لگانے۔ اس آواز کو سن کر جنگل کے تمام جانوروں میں مشہور ہو گیا۔ کہ یہ کوئی مسخرہ گدھا ہے۔ جو شیر کی کھال زیب تن کرکے آج تک ہمیں دھوکہ دیتا رہا۔ آخر سب نے جمع ہو کر گدھے صاحب کا نقاب اتارا۔ اور آپ کی اصلی شکل کو دیکھ کر آپ کو اپنے ٹھکانے پہنچا دیا۔

تو میرے بھائیو! اسی طرح آجکل بہت سے بد مذہب اہل سنت کا بھروپ بھر کے سنی، حنفی، چشتی بن بن کر پھر رہے ہیں۔ اور بقول اعلیحضرت ؎

سنی و حنفی و چشتی ! 　　بن بن کے بہکاتے یہ ہیں

بالکل اس مثال کی طرح ان منکرین حدیث نے بھی قرآن کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ تاکہ مسلمان انہیں مسلمان سمجھ کر کفر و ارتداد کے تیر نہ برسائیں اور یہ ملحد بے فکری سے اسلامی کھیت پامال کرتے رہیں۔

انکار حدیث کے کرشمے

میرے عزیزو! آپ قرآن پاک کی آیت سے معلوم کر چکے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم شارع ہیں۔ اور آپ ہمارے لئے صاف ستھری چیزیں حلال فرماتے ہیں۔ اور گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں۔ تو حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی اس تحلیل و تحریم کا ذکر بہرحال حدیث ہی میں ہے۔ اور ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ حضور کا ہر ارشاد ہمارے لئے شریعت اور واجب الاطاعت ہے۔ لہٰذا حدیث رسول نے جن گندی چیزوں کو ہمارے لئے حرام قرار دیدیا ہے۔ وہ ہمارے لئے بہرحال گندی اور حرام ہیں۔ مگر منکرین حدیث کے مسلک کا نتیجہ ملاحظہ فرمائیے۔ قرآن پاک میں صرف چار چیزوں کو صراحۃً حرام فرمایا گیا ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (پ۲ ع۵) اس نے (اللہ نے) یہی تم پر حرام کئے ہیں۔ مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

دیکھئے اس آیت میں خدا نے صرف چار چیزوں کے حرام ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ مردار۔ خون۔ سور کا گوشت اور بوقت ذبح جس پر غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ وہ جانور۔ ان چار چیزوں کے علاوہ کتا۔ بلّا۔ بندر۔ سانپ۔ بچھو اور گوہ۔ موت پیپ وغیرہ خبیث درندے، پرندے اور گندی اشیاء کے حرام ہونے کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں تو منکرین حدیث کا اس موقعہ پر ارشاد ملاحظہ فرمایئے۔

"قرآن کی رُو سے صرف مردار۔ بہتا خون۔ لحم خنزیر۔ غیر اللہ کے نام کی طرف چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں۔ یہ قرآن کا واضح فیصلہ ہے۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہمارے مروّجہ اسلام میں حرام و حلال کی جو طولانی فہرستیں ہیں، وہ سب انسانوں کی خود ساختہ ہیں۔ خدا کہتا ہے۔ ہم نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ ملا کی شریعت حرام حلال کی ایسی لمبی لمبی فہرستیں پیش کرتی ہے۔ کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے" (منکرین حدیث کا رسالہ "طلوع اسلام" بابت ماہ جون ۵۲ء ص۶۵) "ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ نے جو چیزیں حرام قرار نہیں دی ہیں۔ ان میں سے طبیعت کی رغبت اور پسند کے مطابق کھانی چاہئیں۔ البتہ جن چیزوں سے رغبت نہ ہو۔ اپنے اوپر حرام نہیں قرار دے لینا چاہیئے۔

(طلوع اسلام بابت جون ۵۲ء ص۶۹)

میرے بھائیو! دیکھو تو۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے حلال و حرام کو چھوڑ کر کیا کیا گندی چیزیں کھانا پڑیں۔ ان لوگوں کا بظاہر یہ اعلان ہے کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں۔ مگر اسی ایک آیت سے جو میں نے آپ کو سنائی۔ پتہ چل گیا۔ کہ یہ لوگ قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ ورنہ قرآن تو صاف صاف کہہ رہا ہے۔ کہ یہ رسول ستھری چیزوں کو حلال، اور گندی چیزوں کو حرام فرماتا ہے۔ تو پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ چیزوں کو ملّا کی شریعت کہہ کر کیوں نظر انداز کیا گیا۔

قرآن کا حکم کہ منکرین تشریع رسالت سے جہاد کرو

میرے دوستو!

قرآنِ پاک تو حضور صلے اللہ علیہ و سلم کو شارع تسلیم نہ کرنے والوں اور حضورؐ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام قرار نہ دینے والوں سے جہاد کا حکم دیتا ہے چنانچہ قرآن فرماتا ہے :۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ (پ ۱۰ ع ۱۰) (مسلمانو!) ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور نہ اُن چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ جن کو اللہ اور اس کے رسُول نے حرام قرار دیا"

دیکھ لیجئے! صاف صاف ارشاد ہے۔ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار نہیں دیتے۔ مسلمانو! اُن سے لڑو۔ اللہ نے تو قرآن میں چار چیزوں کو حرام قرار دیا۔ اور اس کے رسول نے دوسری گندی چیزوں کو بھی حرام قرار دیدیا۔ اور بحکم قرآن ہی ہمارے لئے وہ سب چیزیں جو اللہ نے قرآن میں اور اس کے رسول نے حدیث میں حرام قرار دے دیں۔ حرام ہیں۔ مگر طلوع اسلام کہتا ہے۔ کہ صرف اللہ نے جو چار چیزیں حرام قرار دی ہیں وہ تو حرام ہیں۔ اور جو رسول نے حرام قرار دی ہیں وہ ملّا کی شریعت ہے، ان سے اجتناب کی ضرورت نہیں بلکہ " ان میں سے طبیعت کی رغبت اور پسند کے مطابق کھانی چاہئیں" اور ان لوگوں کی طبیعت اور رغبت کا حال کسے معلوم نہیں۔ ان کا تو یہ مسلک ہے۔ جو اکبرؔ الٰہ آبادی نے بیان کیا ہے کہ ؎

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام!!
جو صاحب کھلائے وہ چٹ کیجئے

"جو صاحب کھلائے" یعنے جو انگریز کھلائے ـــ تو انگریز کیا نہیں کھاتا جو انہیں نہ کھلائے گا۔

سُور کا گوشت

مسلمانو! اس قسم کی آزادیٔ طبع یعنے مادر پدر آزادی سے پناہ مانگو۔ اِن لوگوں نے اتباعِ رسالت کی رسّی توڑی۔ تو یہ مت سمجھئے۔ کہ یہ اپنی اس آزادی پسند طبع کو قرآن کا پابند کر سکیں گے۔ نہیں بلکہ جو حدیث سے پھرا وہ قرآن سے بھی گیا۔ ؏

کافران سے کیا پھرا، اللہ ہی سے پھر گیا

یہ لوگ قرآن کی صحیح تفسیر و تشریح حدیثِ رسول سے کنارہ کش ہو کر پھر خود اپنی من مانی کارروائیوں سے قرآن کا مطلب بیان کرنے لگتے ہیں۔ اور اپنی اس آزادی پسند طبیعت کو قرآن کے تابع نہیں۔ بلکہ قرآن کو اپنی طبیعت اور اس کی رغبت کے ماتحت رکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ رسول کی حرام کردہ گندی چیزوں کو برغبت نوش کرنے والے قرآن کی حرام کردہ اشیاء کی پابندی بھی کب برداشت کر سکتے ہیں؟ مجھے اس وقت اخبار کا نام اور اس کی تاریخ یاد نہیں۔ مگر اتنا اچھی طرح یاد ہے۔ کہ کسی اخبار میں ایک منکرِ حدیث نے حکومت کو مشورہ دیا تھا۔ کہ قرآن میں جہاں چار چیزوں کے حرام کرنے کا ذکر آیا ہے۔ وہاں مردار۔ خون۔ اور سور کا گوشت حرام قرار دیا گیا ہے نہ کہ اس کی ہڈی۔ پسلی۔ اور کھال۔ اور بال بھی۔ لہذا ہمیں چاہیئے کہ پاکستان میں جو کثرت کے ساتھ سور پائے جاتے ہیں۔ ان کی ہڈیوں اور کھالوں اور بالوں سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ (استغفر اللہ)

ملاحظہ کیجئے اتباعِ رسول سے بھاگی ہوئی طبیعت کو قرآن بھی قبول نہیں فرماتا بلکہ ایسوں کے لئے یوں ارشاد فرماتا ہے۔ وَيُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا۔ یعنی خدا اسی قرآن سے بہتیروں کو گمراہ بھی کر دیتا ہے۔

لطیفہ بہت ممکن ہے کہ کل کو کوئی منکرِ حدیث ماں باپ کو جوتے بھی مارنے لگے۔ اگر کوئی منع کرے۔ تو یوں کہہ دے کہ قرآن میں تو بس اتنا آیا ہے۔ وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔ یعنی ماں باپ کو اُف نہ کہو" مگر یہ کب آیا ہے۔ کہ جوتے بھی مت مارو۔ ؎

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے!
خصوصًا منکرینِ مصطفےٰ سے

حدیث کا ارشاد میرے عزیزو! میں بیان کر رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہمارے لئے شریعت ہے۔ اور اس اپنے دعویٰ پر میں قرآن کی آیت پیش کر چکا ہوں۔ اب آیئے حدیث کا ارشاد

بھی سنئے اور دیکھئے۔ کہ ہمارے حضور کی زبانِ حق ترجمان سے جو کچھ بھی نکلے امت کیلئے وہ شریعت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ

(مشکوٰۃ شریف ص۲۲۱) ایک دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا تو فرمایا۔ اے لوگو! تم پر حج کرنا فرض کیا گیا ہے۔ لہٰذا حج کیا کرو۔ ایک شخص نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ حضور خاموش رہے۔ اس شخص نے تین بار یہی سوال کیا۔ تو حضور نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا۔ تو ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔"

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز حدیث ہے۔ گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان شریعت ہے۔ اگر اس زبان سے ہاں نکل جاتی۔ تو پھر امت پر ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا۔ مگر چونکہ اس زبان فیض رساں سے ہاں نہیں نکلی۔ لہٰذا حج بھی ہر سال فرض نہیں ہوا۔

مسلمانو! قرآن و حدیث سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم شارع ہیں۔ مالک ہیں۔ مختار ہیں۔ اور آپ جو کچھ فرماویں وہی شریعت ہے۔ مگر ابھی ابھی آپ سن چکے کہ نام کے "اہلقرآن" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ان کی حرام کردہ اشیاء کو حرام تسلیم نہیں کرتے۔ بھائیو! اسی طرح بعض نام کے "اہلحدیث" بھی ہیں اور ساتھ ہی ان کے بھائی "بند" بھی ہیں۔ جو قرآن اور حدیث کے ارشادات کے باوجود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا شارع ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

تقویۃ الایمانی ایمان

چنانچہ ان سب کی معتمد علیہ اور مستند کتاب "تقویۃ الایمان" ہے۔ جسے یہ لوگ ہزاروں کا خرچ کر کے کثرت کے ساتھ مفت تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ دیکھئے اس کتاب میں لکھا ہے:-

"یا خود پیغمبر ہی کو یوں سمجھے کہ شرع انہیں کا حکم ہے۔ ان کا جو جی چاہتا تھا۔ اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے۔ اور وہی بات انکی امت پر لازم ہو جاتی تھی۔ سو ایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان صلا)

سنا آپ نے؟ وہی چکڑالویوں والی بات۔ جو کچھ انہوں نے کہا تھا۔ وہی کچھ "یہ کہہ رہے ہیں۔ وہ بھی رسول کا حلال و حرام فرمانا تسلیم نہیں کرتے اور یہ بھی رسول کی بات کو امت پر لازم نہیں جانتے اور حکم رسول کو شرع نہیں سمجھتے۔

سے
وہ تھے چکڑالوی اور یہ وہابی — نظر آتے ہمیں یہ دونوں ہمراز!
تعجب کی نہیں یہ بات حق حق — "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز!
کبوتر با کبوتر، باز با باز"

مقامِ غور ہے کہ قرآن بھی فرما رہا ہے۔ کہ رسول خود حلال فرماتا ہے۔ اور وہ خود ہی حرام فرماتا ہے۔ اور حدیث میں بھی تصریح ہے۔ کہ اگر حضور کا جی چاہتا۔ اور "ہاں" فرما دیتے۔ تو امت پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ مگر نہ تو چکڑالوی اس کو مانتا ہے اور نہ وہابی۔ مگر اپنا تو یہ ایمان ہے۔ جو مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ یا رسول اللہ! سے

جو کچھ تری رضا ہے خدا کی وہی خوشی
جو کچھ تری خوشی ہے خدا کو وہی عزیز
کیوں جائیں ہم کہیں کہ غنی تم نے کر دیا
اب تو یہ در پسند ہے در یہ گلی عزیز
کونین دے دیئے ہیں ترے اختیار ہیں!
اللہ کو بھی کتنی ہے خاطر تری عزیز!

بکھرے کے کپورے

حضرات! آپ نے ابھی ابھی سنا کہ چکڑالویوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے "شارع" ہونے کا انکار کیا تو اس دنیا میں بھی سزا ان کو یہ ملی کہ طرح طرح کی غلاظت و گندگی قسمت میں لکھ دی گئی۔ اور انہیں خود لکھنا پڑا۔ کہ طبیعت کی رغبت ہو۔ تو کھا لے

اور دیوبندی وہابیوں کے بڑے قطب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا بھی حسب ذیل فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔ سائل سوال کرتا ہے۔

"گاؤ کی اوجھری اور بکرے کے کپورے کھانا درست ہیں یا نہیں؟"

جواب ملتا ہے:۔

الجواب:۔ "درست ہیں" (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم مطبوعہ افضل المطابع مراد آباد ص ۱۵۰)

کیوں صاحب! دیکھا آپ نے یہ عبرتناک نظارہ؟ جس منہ سے گیارہویں شریف کے طیب و طاہر کھانے کے متعلق ناجائز و حرام ہونے کے فتوے صادر ہوتے تھے۔ اس منہ میں دیکھئے کیا نظر آ رہا ہے۔ خوب لکھا ہے نیر بڑودوی نے۔ ؎

گیارھویں کے ہو تبرک سے ترا دل مردہ
شوق سے نگلے تو بکروں کے کپورے کھرے

کالا کوا

انہیں مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے کوا کھانے کے متعلق پوچھا۔ کہ کوا کھانے والے کو عذاب ہوگا یا ثواب؟ تو جواب ملتا ہے۔

الجواب:۔ ثواب ہوگا۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم مطبوعہ قاسمی پریس دیوبند ص ۱۶۲)

اور سنئے! انہیں مولوی صاحب سے سوال ہوتا ہے۔

ہولی اور دیوالی کی پوری کچوری

"ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا کچھ اور کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں۔ ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟"

جواب ملتا ہے:۔

الجواب:۔ "درست ہے" (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۱۹)

اس موقعہ پر نیر بڑودوی لکھتے ہیں۔ ؎

شربت و آب محرم کو تو کہتا ہے حرام!
پوریاں ہولی و دیوالی کی تو کھاتے کھرے

مسلمانو! دیکھ لو اور خود ہی فیصلہ کر لو کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ تشریع کا انکار کیا رنگ لایا۔ اور اس نے ان منکرین کے منہ میں کیا کیا دے دیا۔ درود شریف پڑھئے اور سنئے!

صلّے اللہ علیک وسلّم یا رسول اللہ

صلّے اللہ علیک وسلّم یا حبیب اللہ

خلیل وحبیب میں فرق

آپ کو یاد ہوگا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اَلاَ وَ اَنَا حَبِیْبُ اللہِ کے متعلق عرض کر رہا تھا۔ اور بتا رہا تھا۔ کہ موسٰی علیہ السلام اللہ کے کلیم ہیں۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب ہیں۔ اور آپ کو بتا چکا کہ کلیم وحبیب میں کیا فرق ہے۔ اب آیئے آپ کو بتاؤں کہ خلیل وحبیب میں کیا فرق ہے۔

یاد رکھئے! خلیل وہ ہے جو اللہ کی رضا چاہے اور حبیب وہ ہے جس کی رضا خدا چاہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رضائے الٰہی کی دھن میں جان و مال ملک و وطن کو قربان کرتے ہوئے آخر میں اپنے محبوب بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلا دی۔ چھری اگرچہ نہ چلی۔ لیکن خلیل نے تو شانِ خلّت کا مظاہرہ کر کے دکھا دیا۔ یہ تو شانِ خلیل ہے۔ اب آیئے حبیب کی شان ملاحظہ فرمایئے۔ خدا فرماتا ہے:-

فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا۔ یعنی اے محبوب! تمہاری رضا کے مطابق ہم اپنا قبلہ بھی پھیر دیں گے"۔ اور فرمایا:-

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ یعنی تمہارا رب تمہیں اتنا دیگا۔ کہ تم اے محبوب راضی ہو جاؤ گے"۔

گویا وہ خدا جس کی رضا سارا عالم چاہتا ہے۔ وہ خود اپنے حبیب کی رضا چاہتا ہے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمّد

میرے بزرگو! حبیب وہ ہے۔ جس کی رضا خدا بھی چاہے۔ فرمائیے اس سے بڑا مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہ مرتبہ صرف ہمارے آقا و مولے صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ اس مرتبہ کا نہ کوئی ہوا۔ نہ ہے۔ نہ ہو سکتا ہے ؎

یہی بولے سدرہ والے　　چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے　　ترے پایہ کا نہ پایا
تجھے اک نے اک بنایا

یہ شعر جو میں نے پڑھا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ہے۔ اور ایک حدیث کا ترجمہ ہے۔ جو طبرانی شریف اور بیہقی کی ہے۔ جسے اعلیحضرت نے تجلی الیقین میں درج فرمایا ہے۔

بینظیر آقا صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھ سے آکر عرض کیا:۔

قَلَّبْتُ الْاَرْضَ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ اَجِدْ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ۔ یعنی میں نے پورب، پچھم، ساری زمین الٹ پلٹ کر دیکھی۔ کوئی شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل نہ پایا۔"

اعلیٰ حضرت نے اپنے اس شعر میں اسی حدیث کا ترجمہ کیا ہے۔ اور اسی حدیث کا ترجمہ یہ اشعار بھی ہیں۔ ؎

جبریل سے کہنے لگے اک روز یوں شاہِ اُمم
تم نے تو دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
یوں کہا جبریل نے اے مہ جبیں تیری قسم
"آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری"

میرے بھائیو! دیکھ لو جبریل امین کا بھی یہی ایمان ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جیسا روئے زمین پر کوئی نہیں۔ اور ایک آجکل کے

اسلاف حجۃ اللہ علی العالمین کا ۱۳۰ دیکھئے

برائے نام مسلمان بھی ہیں۔ جو حضور کو اپنے جیسا کہتے اور کہلاتے ہیں۔ ان بیوقوفوں سے کوئی پوچھے۔ کہ اگر حضور ہمارے ہی جیسے بشر تھے۔ تو پھر کیا ہم دنیا میں تھوڑے تھے۔ کہ اللہ نے حضور کو بھی بھیج دیا؟ یاد رکھو! حضور، حضور ہی ہیں۔ کہاں وہ ذاتِ پاک اور کہاں ہم گنہگار ؎

انہیں مثل اپنی مت کہہ تو اے بیباک!
چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

بیوقوف حضرات! میں نے جو ان گستاخوں کو بے وقوف کہا ہے۔ تو یہ کوئی غلط نہیں کہا۔ بلکہ جو گستاخِ رسول ہے۔ وہ یقیناً بے وقوف ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ یہ سب چیزیں ضروری ہیں اور لازم ہیں۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب و پیار کے سوا یہ سب کی سب بیکار اور فضول ہیں۔ ؎

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا، اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود ان کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر!
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا!

داڑھی رکھنا ضروری ہے اور یہ سنتِ رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر یاد رکھئے۔ جو شخص گستاخِ رسول ہے۔ اس کی لمبی داڑھی اور تارا سنگھ کی داڑھی میں کوئی فرق نہیں۔ گستاخانِ رسول کی یہ لمبی لمبی داڑھیاں سب جہنم کا مال ہیں۔ اور ایسے گستاخ نہ صرف ایمان سے خالی بلکہ عقل سے بھی خالی ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی ایک گستاخِ رسول کا لطیفہ ہے کہ ناف سے بھی نیچی اس کی لمبی داڑھی تھی۔ اور سر بہت چھوٹا اور استرے سے منڈا ہوا تھا۔ آپ نے گستاخانِ رسول کا اکثر یہی حلیہ دیکھا ہوگا۔ میں نے اپنے ایک شعر میں لکھا ہے۔ ؎

سیہ رُو، تند خو، اور سر منڈا اور سر بسر فتنہ
یہ گستاخِ نبی کا مختصر سا ایک خاکہ ہے

لطیفہ

یہ گستاخ رسول اپنے چھوٹے اور منڈے ہوئے سر، اور لمبی داڑھی سمیت رات کو چراغ کی روشنی میں ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کہ اس کتاب میں لکھا ہوا دیکھا۔ کہ جس کا سر چھوٹا، اور داڑھی بہت لمبی ہو۔ وہ بیوقوف ہوتا ہے۔ یہ پڑھتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اور اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور پھر داڑھی کو دیکھا۔ تو سوچنے لگا۔ کہ اس حساب سے تو میں بھی بیوقوف ہوا۔ سوچنے لگا۔ کہ اب کیا کیا جائے؟ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ سر تو بڑا کرنا مشکل ہے۔ ہاں داڑھی چھوٹی کی جا سکتی ہے۔ اگر داڑھی چھوٹی کر لوں۔ تو اس کلیہ سے نکل سکتا ہوں۔ چنانچہ داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر اگلا حصہ کاٹنے کے لئے قینچی کی تلاش کرنے لگا۔ اتفاقاً قینچی نہ ملی۔ تو سوچا! یہ اگلے بال الگ ہی تو کرنے ہیں کاٹ کر نہ سہی۔ تو جلا کر ہی سہی۔ یہ سوچ کر داڑھی کا اگلا حصہ چراغ کی لَو میں رکھ دیا۔ آگ جو بالوں کو لگی اور سارے بال جلنے لگے۔ تو مٹھی کو سینک جو پہنچا۔ تو مٹھی بھی کھول ڈالی۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ساری ہی داڑھی جل گئی۔ یہ عالم دیکھ کر کتاب کی طرف دیکھا۔ اور بولا۔ اے کتاب کے مصنف جو کچھ تم نے لکھا ہے۔ ٹھیک ہے واقعی میں بے وقوف ہی نکلا۔

تو میرے بھائیو! یہ گستاخ واقعی بے وقوف بھی ہوتے ہیں۔

"خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ جاتی ہے"

خدا تعالیٰ نے گستاخی رسول کا نتیجہ قرآن میں یہ بیان فرمایا ہے کہ:۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ (پ۲۶ ع ۱)

تمہارے عمل برباد ہو جائیں۔ اور تمہیں شعور بھی نہ ہو"

گستاخیٔ رسول کی سزا

یعنی گستاخ رسول کے اس گستاخی کے سبب عمل بھی برباد ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا شعور بھی سلب کر لیا جاتا ہے۔ اور اس بات کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ جو گستاخ رسول ہے۔ وہ سب سے بڑا۔ اور بدترین مجرم ہے۔ اور ایسا مجرم اس لائق ہے۔ کہ وہ جہنم میں مزید جائے۔ تو اگر اس کا شعور قائم ہو۔ تو ممکن ہے۔ اُسے

اس بات کا احساس ہو جاتے۔ کہ میں نے جو کیا، لکھا، یا کہا ہے۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ بلکہ کفر ہے۔ اور وہ توبہ کرلے۔ توبہ کرلے تو جہنم سے بچ جائے حالانکہ ایسے گستاخ کو جہنم سے بچنا ہے ہی نہیں ہے۔ تو اس کا شعور ہی چھین لیا جاتا ہے۔ تاکہ نہ اسے احساس ہو۔ نہ توبہ کرے اور نہ جہنم سے بچے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آج کل بھی جتنے گستاخ رسول ہیں۔ انہوں نے جو جو بھی کلماتِ کفر اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔ ان کا انہیں کچھ احساس ہی نہیں۔ علماء اہل سنت نے ان کے اُن کلماتِ کفر پر گرفت کی۔ لیکن وہ لوگ اپنے انہیں کلماتِ کفر پر قائم رہے۔ اور مرتے مرگئے۔ مگر نہ سمجھے کہ ہم نے جو لکھا ہے۔ غلط اور کفر لکھا ہے۔ مسلمان جب ان کی وہ عبارات پڑھتا، سنتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے۔ مگر وہ اور ان کے معتقدین ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ بلکہ اپنے انہیں کلماتِ کفر کی تائید میں مناظرہ کرنے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ کی گرفت میں آ چکے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

میرے بزرگو! گستاخیٔ رسول سے پناہ مانگو! یہ ایک ایسا جرم ہے کہ نہ ایمان چھوڑتا ہے۔ نہ عقل و شعور، دین و دنیا برباد کرکے رکھ دیتا ہے۔ اور خَسِرَ الدنیا والآخرہ کا طوقِ لعنت پہنا دیتا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم، اللہ کے حبیب ہیں، اور ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل، اور خلیل وہ ہے۔ جو رضائے حق کا طالب ہو۔ اور حبیب وہ ہے۔ جس کی رضا کا حق طالب ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی سنئے۔ کہ حبیب و خلیل میں کیا فرق ہے؟

خلیل وحبیب میں فرق کی مزید تشریح

دیکھئے! حضرت خلیل علیہ السلام کے متعلق خدا فرماتا ہے وَاتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًاؕ۔ خدا نے ابراہیم کو خلیل بنایا۔ اور ادھر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جو حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوگا۔ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ــ اللہ اس سے محبت کرے گا۔

تو معلوم ہوا کہ وہاں تو صرف ابراہیم علیہ السلام کو خلیل فرمایا تھا۔ اور یہاں غلامانِ مصطفےٰ سے بھی محبت کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے۔ ؎

اللہ کا محبوب بنے جو تمہیں چاہے!
اس کا تو بیاں ہی نہیں کچھ تم جسے چاہو!

خلیل کے لئے ارشاد ہے :-

نُرِیَ اِبْرَاهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں اور عجائب دکھاتے "

اور حبیب کے لئے ارشاد ہے :-

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیَاتِنَا۔ ہم اپنے بندے کو معراج کی شب لے گئے تاکہ اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں "

وہاں زمین و آسمان کی نشانیوں کا دکھانا تھا۔ اور یہاں نشانیوں کو اپنی طرف مضاف فرما کر فرمایا کہ اپنی نشانیاں دکھانے کو لے گئے۔

خلیل نے جب مظالمِ نمرود دیکھے تو کہا۔ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں۔ عنقریب وہ مجھے راہِ راست پہنچاتے گا "

اور حبیب کے لئے ارشاد ہوتا ہے :-

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ — پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو لے گیا "

غور فرمایئے۔ وہاں خود جانا ہے۔ اور یہاں لے جانا! ؎

اپنا جانا اور ہے ، ان کا بلانا اور ہے

نمرود کے آتش کدہ میں پہنچکر خلیل نے جبریل سے یوں فرمایا تھا۔ حَسْبِیَ اللہ۔ "میرا اللہ مجھے کافی ہے" اور حبیب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللہ ۔ "اے نبی! اللہ تمہیں کافی ہے"

خلیل علیہ السلام خدا سے تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں :-

لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۔ " مجھے قیامت میں رسوا نہ کرنا "

اور حبیب علیہ السلام سے خود فرماتا ہے :-

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۔" قیامت کے دن اللہ اپنے نبی اور مسلمانوں کو رسوا نہ کرے گا"

خلیل فرماتے ہیں:۔

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

"جو میری تابعداری کرے وہ میرا ہے۔ اور جو نافرمان ہے۔ پس تو غفور رحیم ہے"

اور حبیب فرماتے ہیں:۔

شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ۔ میری شفاعت امت کے گنہگاروں کے لئے ہی ہے"

وہاں گنہگاروں سے علیحدگی ہے۔ اور یہاں گنہگاروں کیلئے تسلی ہے۔

خلیل نے جب بچہ کو ذبح کرنا چاہا۔ تو فدیہ ایک دنبہ ملا۔لیکن امتِ حبیب کو قیامت کے دن ارشاد ہوگا۔کہ ہر ایک مسلمان اپنا فدیہ ایک نصرانی یا یہودی کو دوزخ میں ڈال دے۔ اور جنت میں چلا جائے۔ چنانچہ اسی فرق کے متعلق کسی شاعر نے لکھا ہے۔ ؎

نارِ نمرودے بر ابراہیم گر شد گلستاں
آتش دوزخ بریں امت گلستاں ساختہ
بہر فرزندِ خلیل از گوسفند آمد فدا
بہر ایں امت فدا از نوع انساں ساختہ

خلیل پر آگ ٹھنڈی ہوئی۔ اور صرف ذاتِ خلیل پر اور حبیب نے حضرت انس کے گھر جاکر جس دسترخوان سے ہاتھ صاف فرمائے۔ اس دسترخوان پر بھی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ سچ تو یہ ہے۔ ع

کوئی تجھ سا ہوا نہ ہوگا شہا تیرے خالقِ حُسن و ادا کی قسم

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی ہوا، نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ اور بالکل سچ فرمایا اعلیحضرت نے ؎

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی ٭ سب سے بالا و والا ہمارا نبی

قرآن پاک

حضرات! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و برتری کا نظارہ ایک دوسرے رنگ میں بھی ملاحظہ فرمائیے۔ قرآن پاک کا مطالعہ کیجئے۔ حضور صلے اللہ علیہ و سلم سے قبل جتنے پیغمبر بھی گزرے۔ ان میں ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم ہر طرح ممتاز ہی نظر آتے ہیں۔ دیکھئے خداوند کریم نے جب بھی کسی پیغمبر کو ندا فرمائی۔ تو اس پیغمبر کا ذاتی نام لے کر پکارا۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا۔ یَا اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔ اے آدم! کہہ کر ندا فرمائی۔ حضرت ذکریا علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا۔ یَا زَكَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ اِسْمُهٗ یَحْیٰی۔ اے ذکریا فرمایا۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا یَا یَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ۔ اے یحیٰی فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا۔ یَا اِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا۔ اے ابراہیم فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تو فرمایا۔ یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا رَبُّكَ۔ اے موسیٰ کہہ کر ندا فرمائی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو پکارا۔ تو فرمایا۔ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ۔ اے عیسےٰ فرمایا۔ الغرض ہر نبی و رسول کو جب بھی خدا نے پکارا۔ تو اس کا ذاتی نام لے کر پکارا۔ مگر قربان جائیے شانِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے۔ کہ خدا تعالیٰ نے جب بھی اپنے محبوب کو پکارا۔ تو کبھی حضور کا ذاتی نام لے کر "یا محمد" یا "یا احمد" کہہ کر نہیں پکارا۔ بلکہ محبوب کی اداؤں کو ملحوظ فرما کر کہیں تو فرمایا۔ یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ اے جھرمٹ مارنے والے محبوبا! کہیں فرمایا۔ یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ اے کملی اوڑھنے والے پیارے! کہیں فرمایا! یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ۔ اے غیب کی خبریں دینے والے محبوب! کہیں فرمایا۔ یٰسٓ۔ اے سردار! اور کہیں فرمایا طٰهٰ۔ اے چودھویں کے چاند۔

دیکھا آپ نے! سردارِ انبیاء صلے اللہ علیہ و سلم کی برتری و فضیلت کو۔ کہ خود خداوندِ کریم بھی اپنے محبوب کو بلاتا ہے۔ تو پیاری اداؤں کو ملحوظ فرما کر نام لے کر نہیں بلاتا۔ ہے

یا آدم است با پدرِ انبیاء خطاب ؎ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ خطابِ محمد است

اوُرسُنیئے

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے فرماتا ہے:۔
مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (پ ۲۳ ع ۱)
"جب اُن کے پاس کوئی رسول آتا ہے تو اس سے ٹھٹھا ہی کرتے ہیں"
یعنے ان کافروں کا یہ حال ہے۔ کہ جب بھی کوئی اللہ کا رسول ان میں تشریف لایا یہ بجائے ایمان لانے کے اس پر ٹھٹھا کرتے رہے۔ اس آیت سے کوئی یہ نہ سمجھ لے۔ کہ پھر تو مرزا قادیانی بھی رسول ہوا۔ اس لئے

مرزا قادیانی

کہ لوگ اس پر بھی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ آیت میں اس بات کا ذکر ہے۔ کہ اللہ کے رسول پر کافر ٹھٹھا کرتے رہے۔ یہ بات نہیں کہ لوگ جس پر بھی ٹھٹھا کریں۔ وہ اللہ کا رسول ہے، اس طرح تو پھر ہر پاگل و دیوانہ کو بھی رسول ماننا پڑے گا۔ کہ ان پر بھی لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ دیکھئے! ہر انسان زمین پر چلنے والا ہے۔ مگر یہ بات نہیں۔ کہ ہر زمین پر چلنے والا انسان ہو۔ اس لئے کہ زمین پر چلنے والا تو گدھا۔ گھوڑا۔ اور کتا بلا بھی ہے۔ تو اسی طرح ہر رسول پر کافر ٹھٹھا کرتے رہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر یہ بات نہیں۔ کہ جس شخص پر بھی لوگ ٹھٹھا کریں۔ وہ رسول ہے۔ جو پاگل ہو اور پاگلانہ حرکتیں کرے۔ لوگ اس پر بھی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو نبوت کا دعوےٰ کرے گا۔ وہ یقیناً پاگل ہے۔

دوُ پاگلوں کا قصّہ

چنانچہ ایک مولوی صاحب نے لاہور کے پاگل خانہ کا قصہ سنایا۔ کہ میں ایک مرتبہ لاہور کا پاگل خانہ دیکھنے کے لئے گیا۔ تو دو کمروں میں جو بالکل متصل تھے۔ دو پاگل بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان میں سے ایک پاگل بولا۔ دیکھئے مولوی صاحب! مجھے خواہ مخواہ، ان لوگوں نے پاگل سمجھ لیا۔ حالانکہ میں بالکل پاگل نہیں ہوں صرف اتنی بات کہتا ہوں۔ کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔ بس اسی بات پر یہ مجھے پاگل خانہ میں لے آئے ہیں۔ اتنے میں ساتھ والا دوسرا پاگل بولا، دیکھئے مولوی صاحب! کہیں اس کی باتوں میں نہ آجانا۔ یہ جھوٹ بولتا

ہے۔ کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔ میں نے تو اسے بھیجا ہی نہیں"!
گویا یہ دوسرا پاگل خدا بن بیٹھا۔ استغفر اللہ! مولوی صاحب کہتے ہیں میں نے اُن دونوں سے کہا۔ بھئی! تم دونوں اسی جگہ کے قابل ہو۔ تو میرے بھائیو! حضور کے بعد جو نبوت کا دعوےٰ کرے گا۔ وہ یقیناً پاگل ہے۔ اور یا پھر بھوکا ہے۔ بعض اوقات بھوک بھی آدمی کو گمراہ کر دیتی ہے۔

لطیفہ چنانچہ ایک بھوکے شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو وقت کے بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا۔ کہ یہ شخص غالباً بھوکا ہے اسی لئے ایک نیا ڈھونگ رچا کر پیٹ پوجا کا سامان مہیا کرنا چاہتا ہے۔ تم جاؤ اور اس شخص کو شاہی باورچی خانہ میں لے آؤ۔ اور پانچ چھ روز تک اسے خوب کھلاؤ پلاؤ۔ جب اسے کھانے پینے کو ہر چیز ملے گی۔ تو غالباً دعویٰ نبوت بھول جائے گا۔ چنانچہ سپاہی اسے پکڑ کر شاہی باورچی خانہ میں لے آئے۔ اور کچھ روز اسے خوب کھلایا پلایا۔ ایک دن بادشاہ خود اس کے پاس آیا۔ اور پوچھا۔ کیوں صاحب! کیا اب بھی کوئی الہام وغیرہ ہوتا ہے؟ وہ شخص بولا۔ ہاں صاحب! ابھی ابھی فرشتہ آیا تھا اور یہ کہہ گیا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ! —— باورچی خانے ہیں رہیو۔

تو میرے بھائیو! خوب یاد رکھو۔ حضور کے بعد یہ نبوت کے دعوے سب پیٹ بھرنے کے ڈھونگ اور باورچی خانے کی رونق کے سامان ہیں چنانچہ متنبی پنجاب کی طرف سے کسی شاعر نے لکھا ہے ؎

اے پیٹ تیرے واسطے ہم کیا سے کیا بنے
مہدی بنے مسیح بنے مقتدا بنے
بے شرم تو بھرا نہیں گو ہم خیال ہیں
نانک بنے کرشن بنے اور خدا بنے

میرے دوستو! ؎

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے ۔۔ خصوصاً آج کل کے انبیاء سے

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ کافروں میں جب بھی کوئی اللہ کا رسول آیا، تو وہ ان اللہ کے پیغمبروں (علیہم السلام) پر ٹھٹھا ہی کرتے رہے۔ چنانچہ ان کافروں کی گستاخیوں اور استہزار کا دوسری آیات میں ذکر موجود ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ جب بھی کسی رسول کی بارگاہ میں گستاخی کی گئی تو اس گستاخی کا جواب خود پیغمبر ہی دیتے رہے۔ یعنے یہ نہیں ہوا۔ کہ کسی رسول کی بارگاہ میں گستاخی کی گئی ہو۔ اور اس کافر کے جواب میں خدا بولا ہو۔ نہیں بلکہ وہ پیغمبر خود ہی ان گستاخوں کی گستاخیوں کا جواب

نوح علیہ السلام

دیتے رہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں کافروں نے یوں گستاخی کی۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ـــــ (پ۸ ع ۱۵)

ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں ؎

کافروں نے معاذ اللہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف " ضلالت " کی نسبت کی۔ اس گستاخی کا جواب حضرت نوح علیہ السلام نے خود دیا اور فرمایا

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پ۸ع۱۵)

اے میری قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں۔ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں ؎

ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام بھی اللہ کے ایک برگزیدہ رسول ہیں قوم نے ان لفظوں سے آپ کی بارگاہ میں گستاخی کی۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ (پ۸ع۱۶)

ہم تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اور بیشک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں ؎

کافروں نے ہود علیہ السلام کو (معاذ اللہ) بیوقوف اور جھوٹا کہا۔ اس گستاخی کا جواب حضرت ہود علیہ السلام نے خود دیا۔ اور فرمایا:-

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ (پ۸ع۱۶)

اے میری قوم مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ آپ کی شان میں گستاخی کی گئی۔ اور اس گستاخی کا جواب موسےٰ علیہ السلام نے آپ ہی دیا۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرعون نے کہا :-

اِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا - (پ۱۵ ع ۱۲) "اے موسیٰ میرے خیال میں تو تم پر جادو ہوا ہے"

بے ایمان فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مسحور کہہ دیا۔ یعنی تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گستاخی کا جواب خود ہی دیا۔ اور فرمایا :-

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (پ۱۵ ع ۱۲) "اور میرے گمان میں تو اے فرعون تو ضرور ہلاک ہونے والا ہے"

یعنی یہ تیری میرے حق میں گستاخیاں تجھے ہلاک کرکے رکھ دینگی۔

بزرگوں کی بے ادبی مہلک ہے

میرے بزرگو! خدا کے مقربین کی شان میں بکواس کرنے سے انسان اس دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین کرکے ذلیل و ہلاک ہوا۔ اور جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ وہی کچھ ہو کر رہا۔ فرعون کی مانند آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو خدا کے مقربین کی شان میں بکواس کرتے رہتے، اور ذلیل ہوتے ہیں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد ؛ میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

یعنی خدا کسی کو ذلیل و رسوا کرنا چاہے۔ تو اس بے دین کا رجحان پاک لوگوں کی شان میں گستاخی کی طرف کر دیتا ہے۔ اور وہ اُن اللہ والوں کا گستاخ بن کر اس جہان اور اُس جہان میں بھی ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

حضرات! یہ واقعہ ہے کہ خدا نے جب بھی کسی کافر کو ہلاک کیا۔ اس وقت ہی کیا۔ جبکہ اس کافر نے خدا کے کسی مقبول بندے کو ستانا شروع کر دیا۔ اور جب تک اس نے خدا کے کسی مقبول کو نہیں ستایا۔ اس وقت تک خدا

نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ اگرچہ وہ کفر میں بہت بڑھ بھی گیا ہو۔ مثلاً یہی فرعون ساری عمر اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا رہا۔ خدا بنتا رہا۔ کفر کرتا رہا۔ مگر مشہور ہے۔ کہ اُسے کبھی سردرد بھی نہیں ہوئی۔ مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستانا شروع کیا۔ اور آپ کی شان میں گستاخی کی۔ تو اللہ نے اُسے ہلاک کر دیا۔

نمرود جب تک کفر کرتا رہا۔ خدا نے اس دنیا میں اُسے کچھ نہیں کہا۔ مگر جب اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نے ستایا تو مارا گیا۔ گویا خداوند کریم کی غیرت کا یہ تقاضا ہے۔ کہ اس کے محبوبوں کو کوئی ستائے۔ تو وہ انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔

ایک مجذوب کا قصہ

چنانچہ ایک مجذوب کا قصہ ہے۔ جو اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ مجذوب دانا اور عارف ہوتے ہیں ــــ برخلاف آجکل کے غلط خیال کے کہ ہر وہ شخص جو دیوانہ ہو جائے ننگا رہنے لگے۔ گالیاں دینے لگے۔ وہ لوگوں کی نظروں میں بڑا پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ بھائیو! مجذوب اگرچہ لوگوں کی نظروں میں دیوانہ سا بھی ہو۔ مگر وہ دراصل بڑا فرزانہ و دانا ہوتا ہے۔ استاذی المعظم شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب الوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجذوب کی پیٹھ پیچھے اگر درود شریف پڑھا جائے۔ تو وہ فوراً پیٹھ موڑ لیتا ہے۔ گویا وہ سب کچھ جانتا ہے۔ اور لوگوں سے چھپنے کے لئے وہ اپنے آپ کو دیوانہ سا بنا رکھتا ہے۔ جس طرح بعض سی۔آئی۔ڈی کے بڑے بڑے افسر دیوانے بن بن کر پھرتے ہیں۔ مگر دراصل دیوانے نہیں بلکہ بڑے فرزانے اور ہشیار ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ بھی بڑے دانا و ہشیار ہوتے ہیں۔

بہلول دانا

حضرت ہارون رشید کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑ گیا۔ لوگ پریشان نظر آنے لگے۔ بادشاہ خود بھی بڑا پریشان رہنے لگا ایکبار اسی پریشانی کے عالم میں بادشاہ قبرستان سے گزرا۔ اور دیکھا۔ کہ قبرستان میں حضرت بہلول دانا مجذوب بدستور اطمینان و سرور سے بیٹھے

ہوتے ہیں۔ حضرت بہلول قبرستان میں ہی رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا۔ کہ

آپ آبادی میں کیوں آتے نہیں؟ تو بولے سب آبادی آتی ہے یہیں یعنے مجھے شہر میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ شہر والے ہر روز ایک ایک کرکے یہیں آرہے ہیں۔ یہی بہلول دانا جب بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے بادشاہ نے دیکھے۔ تو پوچھا۔ لوگ قحط سالی سے پریشان ہورہے ہیں اور آپ بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں گویا آپ کو کوئی فکر ہی نہیں حضرت! یہ کیا بات ہے؟ کیا آپ کو قحط سالی کا علم نہیں؟ حضرت بہلول دانا نے جواب دیا۔ ہارون رشید! خدا نے ہمارے ذمہ "یاد حق" رکھی ہے۔ اور رزق دینے کا ذمہ اس نے خود لیا ہے۔ تو ہمیں فکر یاد حق کی کرنی چاہیئے روٹی کی فکر ہم کیوں کریں۔ یہ جس نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ وہ خود اس کا انتظام فرمائے گا۔

دیکھا آپ نے یہ لوگ کیسے مطمئن اور لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی زندہ تفسیر ہیں۔ آج ہم لوگ دن رات بے اطمینانی میں بسر کرتے ہیں اور اس نعمت سے محروم ہیں۔ مگر اللہ والے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کے مطابق اس نعمت سے سرفراز کیا ہے۔

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

آج دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ۔ وزیر اور گورنر اگرچہ دنیا کی عیش و آرام کے جملہ سامان رکھتے ہیں۔ مگر اطمینانِ قلب کی نعمت سے محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل عموماً ہارٹ فیل ہونے لگے ہیں۔ جس دل میں یاد حق نہ ہو وہ دل فیل نہ ہوگا۔ تو کیا ہوگا؟ اگرچہ ایسا شخص بظاہر زندہ بھی کیوں نہ ہو۔ مگر وہ مردہ ہی ہے۔ کہ اس کا دل مردہ ہے۔ اور زندگی تو زندہ دلی کا نام ہے۔ اور زندہ دلی یاد حق سے ملتی ہے۔ افسوس کہ اس دور میں برائے نام زندگی زیادہ ہے۔ دل عموماً مردہ ہیں۔ اِلَّا ماشاء اللہ!

ہاں تو میں ایک مجذوب کا قصہ بیان کرنے لگا تھا۔ ایک مجذوب

فقیر ایک شہر کے با رونق بازار سے گزر رہے تھے۔ اس بازار میں ایک فاحشہ عورت اپنے ایک آشنا کے ساتھ بیٹھی تھی۔ بارش ہو جانے کے باعث سڑک پر کیچڑ بہت تھا۔ اتفاقاً اس فقیر کے ٹوٹے ہوئے جوتے سے کیچڑ کا ایک چھینٹا اس فاحشہ کے منہ پر جا پڑا۔ فاحشہ کے آشنا کو یہ بات ناگوار گزری۔ اور اٹھ کر اس فقیر کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا۔ فقیر نے کچھ نہیں کہا۔ اور چل دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس فقیر سے کسی نے آ کر کہا۔ سائیں بابا! سُنا آپ نے بھی؟ وہ فاحشہ کا آشنا جس نے آپ کو تھپڑ مارا تھا۔ خود مارا گیا۔ فقیر نے پوچھا۔ وہ کیسے؟ اس نے بتایا۔ کہ وہ آئینہ لانے کے لئے کوٹھے پر چڑھا۔ تاکہ فاحشہ آئینہ میں اپنا منہ صاف کر لے۔ اتفاقاً اس کا پاؤں اوپر کی سیڑھی سے پھسلا اور دھڑام سے نیچے آ گرا۔ سر پھٹ گیا۔ اور اسی وقت مر گیا۔ فقیر سن کر مسکرایا اور کہا بھئی! یہ تو یاروں کی آپس میں لڑائی ہے۔ فاحشہ کے یار کو غصہ آیا اس نے مجھے مارا۔ میرے یار کو غصہ آیا۔ تو اس نے اسے مار دیا۔

تو دوستو! خدا کی مار ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کے محبوبوں کو ستاتے ہیں۔ اسی طرح فرعون نے بھی موسےٰ علیہ السّلام کو ستا کر اپنی ہلاکت کا سامان تیار کر لیا۔ اور حضرت موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یَا فِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا۔ یعنی اے فرعون میں دیکھتا ہوں۔ اب تو نہیں بچیگا۔ اور ہلاک ہو جائیگا۔ چنانچہ فرعون جیسا متکبر و مغرور شخص جو اپنی وسیع سلطنت اور بڑے بڑے ساز و سامان کے پیشِ نظر اپنے آپ کو خدا کہلاتا تھا۔ پانی میں غرق ہو کر ہلاک ہو گیا۔

فرعونی ایمان

قرآن پاک میں فرعون کے غرق ہونے کا قصہ موجود ہے۔ اور قرآن فرماتا ہے۔ کہ جب فرعون غرق ہونے لگا۔ تو اس وقت پکار اٹھا۔ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ (پ۱۱ ع ۱۴) یعنی میں خدا پر ایمان لایا۔ اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

لیکن میرے بھائیو! کیا اس کا یہ ایمان اور اپنے آپ کو مسلمان کہنا مفید

(معتبر ہُوا؟ ہرگز نہیں۔ وہ کافر بے ایمان ہی رہا۔ آخر کیوں؟ جب کہ وہ ایمان لے آیا۔ اور اپنے آپ کو اس نے مسلمان بھی کہا۔ پھر اس کا ایمان و اسلام کیوں معتبر نہ ہُوا؟ سنئے! اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ:-

قِیْلَ اِنَّمَا لَمْ یَنْفَعْهُ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْاِیْمَانَ عِنْدَ رُؤْیَةِ الْعَذَابِ لَایُفِیْدُ وَقِیْلَ لِاَنَّهٗ لَمْ یُقِرَّ بِنُبُوَّةِ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ

(نزہۃ المجالس ص۱۷۵ ج۲) — یعنی اس کا یہ ایمان اس لئے معتبر نہ ہُوا کہ عذاب دیکھ لینے پر جو ایمان لایا جائے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ چونکہ وہ صرف اللہ پر ہی ایمان لایا۔ اور رسول وقت حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر ایمان نہ لایا۔ اور ان کی نبوت کا اقرار نہ کیا۔ اس لئے اس کا صرف خدا پر ایمان لانا مفید نہ ہُوا"

میرے بزرگو! دیکھ لو۔ فرعون کا صرف خدا کو مان لینا اس کے کسی کام نہ آ سکا۔ اگر وہ توحید کے ساتھ ساتھ رسالت کا بھی اقرار کر لیتا۔ تو یقیناً مومن بن جاتا اور مسلمان ہو جاتا۔ مگر صرف توحید توحید ہی پکارتا مرا۔ تو کافر کا کافر ہی رہا۔ اسی طرح آج کل بھی بعض لوگ ایسے ہی فرعونی ایمان کے مدعی ہیں توحید توحید تو پکارتے ہیں۔ مگر رسالت کا نام لینا شرک قرار دیتے ہیں۔ تو ایسے لوگ لاکھ اپنے آپ کو "مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" کہیں۔ وہ ہرگز مسلمان نہیں مسلمان وہی ہے۔ جو درِ رسالت پر بھی جھک جائے۔ ؎

خدا کے سب ہیں بندے پر خدا ملتا نہیں ان کو
خدا ملتا ہے ان کو جو بنے بندے محمدؐ کے

حضرات! میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جب بھی کسی پیغمبر کی شان میں گستاخی کی گئی۔ تو وہ پیغمبر اس گستاخی کا جواب خود ہی دیتے رہے۔ چنانچہ حضرت نوح، حضرت ہود، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثالیں میں نے قرآنِ پاک سے بیان کی ہیں۔ جو آپ سن چکے۔

سردارِ انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم

اب آئیے۔ آپ اپنے پیغمبر حضور سرورِ انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان دیکھئے

کافروں نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی شان میں بھی گستاخیاں کیں۔ مگر حضور کی شان نرالی ہے۔ پہلے انبیاء کرام کی شان میں گستاخیاں کی گئیں۔ تو ان گستاخیوں کے جواب میں خدا نہیں بولا۔ بلکہ وہ پیغمبر خود ہی جواب دیتے رہے۔ مگر جب اپنے حبیب کی باری آئی۔ اور کافروں نے گستاخیاں کیں۔ تو خداوند کریم خود بولا۔ اور فرمایا :-

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ۔ (پ ۲۹ ع ۱۳) اور مجھ پر چھوڑو - ان جھٹلانے والوں کو "

یعنی اے محبوب! اب تم خاموش رہو۔ ان بے دینوں کی گستاخیوں کا میں خود جواب دوں گا۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے اور کیا مرتبہ ہے۔ کہ محبوب کی باری آئی تو ان کافروں کا جواب دینے کو خدا خود تیار ہو گیا۔ چنانچہ دیکھئے۔ کافروں نے گستاخی کی اور یوں کہا۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ۔ (پ ۱۴ ع ۱)

" اے وہ جن پر قرآن اترا - بیشک تم مجنوں ہو "

کافروں نے تمسخر کے ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے یوں کہا۔ کہ تم تو مجنون ہو۔ اب اس کے جواب میں دیکھئے۔ کیا حضور خود بولے یا خدا بولا؟ قرآن پاک شاہد ہے کہ ذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ کے مطابق اس کا جواب خدا نے خود دیا۔ اور فرمایا :-

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۔ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔ (پ ۲۹ ع ۳)

"قلم اور ان کے لکھے کی قسم۔ تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں"

دیکھئے! اللہ تعالیٰ قسم فرما کر فرما رہا ہے۔ کہ پیارے تم مجنون نہیں۔ یہ بے ایمان جھوٹ بولتے ہیں۔ اور پھر آگے فرمایا :-

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ۔ (پ ۲۹ ع ۳) عنقریب تم بھی دیکھ لوگے۔ اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون مجنون تھا "

گویا یہ بے ایمان خود ہی مجنون ہیں۔ جو آپ کو مجنون کہہ رہے ہیں میرے عزیز و! حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو ایک حق نما آئینہ ہیں۔ اس میں ہر شخص کو اپنی ہی سیرت و صورت نظر آتی ہے۔ مجنونوں نے حضور کو مجنون کہہ دیا۔ اور جو خود بدبخت جاہل ہیں۔ وہ حضور کے علم کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ جو گستاخوں نے براہین قاطعہ میں لکھ دیا ہے۔ کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا علم نہ تھا۔ یہ دراصل ان جاہلوں کی اپنی تصویر ہے۔ ورنہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو خدا نے ذرہ ذرہ عیاں فرما دیا ہے۔ ؎

سرِ عرش پر ہے تری گزر! 　　　 دِل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے 　　　 نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

حضرات! اسی طرح کافروں نے جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یوں گستاخی کی۔ اور یہ کہا کہ:۔

لَسْتَ مُرْسَلًا۔ (پ۱۳ ع ۱۲)۔ " تم رسول نہیں "

تو اس کے جواب میں بھی حضور نہیں بولے۔ بلکہ خدا نے خود جواب دیا ہے:۔

یٰسٓ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ (پ۲۲ ع ۱۸)

اے سردار! حکمت والے قرآن کی قسم۔ بیشک تم رسولوں میں سے ہو"

اور سنئے! کافروں نے ایک مرتبہ یہ بات اڑا دی کہ:۔

اِنَّ مُحَمَّدًا وَدَّعَہٗ رَبُّہٗ وَ قَلَاہُ۔ (روح البیان ص۶۶۱ ج ۴)

تحقیق محمد کو اس کے رب نے چھوڑ دیا۔ اور دشمن بنا لیا "

اس بکواس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی (پ۳۰ ع ۱۸)

چاشت کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈالے۔ کہ تم کو تمہارے رب نے نہ چھوڑا۔ اور نہ دشمن بنایا "

دیکھ لیجئے۔ ہر مقام پر محبوب کی طرف سے خود خدا ہی بول رہا ہے، اور محبوب کی عزت و شان بڑھانے کو جب بھی کچھ ارشاد فرمایا۔ قسم فرما کر۔ میرے بزرگو! یہ جو " والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ " میں قسم فرمائی۔ ایک تو اس

کا یہ معنے ہے جو آپ سن چکے کہ چاشت کی، اور رات کی قسم، اور مفسرین نے اس کا ایک اور معنے بھی لکھا ہے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان نے

رُخِ انور اور زلفِ معنبر

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے:۔
"اشارت است بروشنی روئے حضرت مصطفےٰ علیہ السلام و کنایتست از سیاہی موئے وے" (روح البیان ج ۴ ص ۶۶۳)

مطلب یہ کہ "والضحیٰ" سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور ہے اور "واللیل" سے مراد حضور کی زلفِ معنبر ہے۔ گویا خدا نے یوں فرمایا ہے:۔

(کہ اے محبوب) تیرے اس رُخِ روشن کی قسم اور ان سیاہ زلفوں کی قسم جب کہ وہ بکھر کر چہرۂ انور کو ڈھانپ لیں۔ تمہارے رب نے نہ تجھے چھوڑا۔ اور نہ دشمن بنایا"

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے اسی لئے فرمایا ہے ؎

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحٰے ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

ایک اور شاعر لکھتا ہے ؎

یوں زلف جلوہ گر ہے رخِ پر ضیا کے پاس
واللیل جس طرح ہو لکھی والضحٰے کے پاس

جامع الصفات

میرے بزرگو! اس تقریر سے ثابت ہو گیا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو جملہ انبیاء کرام[1] کا سردار و سلطان بنایا ہے۔ خوب یاد رکھئے۔ ہر نبی کو جو جو کمالات و فضائل انفرادی طور پر عطا ہوئے۔ وہ سب کے سب فضائل و کمالات ہمارے حضور میں جمع فرما دیئے گئے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ؎

وَلِكُلِّ نَبِيٍّ فِي الْاَنَامِ فَضِيلَةٌ ❊ وَجُمْلَتُهَا مَجْمُوعَةٌ لِمُحَمَّدٍ

یعنی ہر نبی کے لئے جو جو فضائل و کمالات حاصل ہیں۔ وہ سب کے سب ذاتِ جامع الصفات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں۔

[1] علیہم السلام

ایک مثال

ایک مثال عرض کروں۔ دیکھئے آپ نے چند رقمیں جمع کرنی ہوں۔ مثلاً ۲۰-۱۸-۱۵-۱۰- یہ رقمیں آپ جمع کرنا چاہتے ہوں۔ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ان رقموں کو حسب ذیل صورت میں اوپر سے نیچے لکھیں گے۔

۲۰
۱۸
۱۵
۱۰

پھر ان کو جمع کرکے جو ٹوٹل بنے گا۔ اس رقم کو آپ ان سب رقموں کے نیچے لکھیں گے۔ یعنی ان سب رقموں کا ٹوٹل "۶۳" ہے۔ اور یہ رقم آپ ان سب رقموں کے نیچے بایں صورت لکھیں گے۔

۲۰
۱۸
۱۵
۱۰
۶۳

اب غور فرمالیجئے۔ کہ ٹوٹل کی رقم "۶۳" بھی ایک رقم ہی ہے اور سب سے آخر لکھی گئی ہے۔ مگر حقیقت میں اوپر کی تمام رقمیں اسی ایک رقم میں موجود ہیں۔ اسی طرح انبیاء سابقہ علیہم السلام اپنے اپنے وقتوں میں تشریف لائے۔ اور علی الانفراد سب نے اللہ سے مختلف اوصاف و کمالات پائے۔ اور پھر خدا نے ان جملہ اوصاف و کمالات کو جس وجود باجود اور ہستی مسعود میں جمع فرمایا۔ اس کا نام "محمد" رکھا۔ اور بکمال آب و تاب اس وجود گرامی سے اہل زمین کو مشرف فرمایا۔ یہ ذاتِ گرامی جملہ اوصاف و کمالات کی جامع بن کر تشریف لائی۔ اور چونکہ جیسے کہ آپ سن چکے۔ ٹوٹل کی رقم سب رقموں کے بعد لکھی جاتی ہے۔ اسی واسطے اس جامع کمالات ذات با برکات کو سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد بھیجا گیا۔ اور دیکھنے میں تو حضور بھی دوسرے انبیاء کی طرح ایک نبی و رسول ہیں۔ مگر حقیقت میں پہلے تمام انبیاء ورسل کے تمام اوصاف و کمالات اسی ایک وجود باجود میں موجود ہیں۔ صفوتِ آدم۔ شوکتِ نوح۔ خلتِ ابراہیم۔ صبرِ ایوب۔ خوفِ یحییٰ۔ شکوہ

سلیمان - حسنِ یوسف - جلالِ موسیٰ - اور تواضع عیسےٰ علیہم السلام کی جامع یہی ذات منبع البرکات ہے۔ میں نے اپنی ایک تضمین میں لکھا ہے:۔ ؎

حسنِ یوسف کا ہوا ایک جہاں میں چرچا
اک نظر جس پہ پڑی اس پہ ہوا غش طاری
حضرت روح نے مردوں کو کیا ہے زندہ!
تم کہا جس کو حیات اس میں ہوئی ہے ساری
اور موسےٰ نے خدا سے یدِ بیضا پایا!
نور کے چشمے ہوتے ہاتھ سے ان کے جاری!
سامنے آئی جو تصویرِ محمد میرے!
خوبیاں اس میں نظر آئیں یہ مجھ کو ساری
ہوش کھو بیٹھا بشیر اس کا نظارہ کر کے
بے خودی میں یہ ہوا شعر زباں پر جاری

حُسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری!
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

تواضع حضرات! آپ نے سن لیا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کس قدر بلند شان ہے - اتنی بلند کہ۔ ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصّہ مختصر

مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس قدر بلند شان ہونے کے باوجود سرکار کی تواضع ملاحظہ فرمائیے۔ کہ کسی قسم کے فخر و غرور کا نام تک نہیں۔ بلکہ جب بھی کبھی اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے مطابق اپنے فضائل بیان فرماتے۔ تو ساتھ ہی وَلَا فَخْرَ فرما دیا۔ اور حضور کی یہ تواضع مبارک بھی ہمارے لئے ایک مشعلِ ہدایت ہے۔ آج کسی کو ذرا سا بھی کوئی عہدہ مل جائے۔ تو اس کا دماغ آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے اور وہ غرور

کو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔

اگر کوئی شخص ڈی۔سی سے بھی مل آئے۔ تو اس کے قدم زمین پر نہیں جمتے۔ اور وہ گویا زمین کا باشندہ ہی نہیں رہتا۔ پھر کسی غریب سے گفتگو کیسے کرے؟ مگر قربان جائیں تواضع مصطفٰی صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ شب کو خدا سے بھی مل آئے۔ مگر دن کو اپنے غلاموں سے اسی شفقت کے ساتھ گفتگو فرمائی جا رہی ہے۔ میرے دوستو! آؤ۔ اور اپنے آقا و مولی صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ سے سبق حاصل کرو۔ اور اپنے اخلاق کو سنوار لو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کا نقشہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں بیان فرمایا ہے۔ اسے سنو۔ اور اپنے دین و دنیا کو اچھا بنا لو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در ہمہ احوال و افعال اے فتا!
قبلۂ خود ساز خلقِ مصطفٰی

کہ تواضع پیشہ بودے ہر زماں — نان خوردے بر زمیں چوں بندگاں
از تواضع آں رسولِ حق پرست — جملہ کارِ خانہ خود کردے بدست

خانہ رفتے گاؤ را دادے علف!
ہر زماں از کبر بودے بر طرف

یعنی اے جوان! ہر وقت اخلاقِ مصطفٰی صلے اللہ علیہ وسلم کو پیشِ نظر رکھ! حضور نے ہر وقت تواضع اختیار فرمائی۔ آپ زمین پر تشریف فرما ہو کر تواضع کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ اور گھر کا سارا کام خود اپنے ہاتھ مبارک سے کر لیتے تھے۔ گھر تشریف لاتے تو گائے کو چارہ بھی خود ہی ڈالتے اور کبر و غرور سے ہر وقت آپ کنارہ کش رہتے تھے۔ آگے فرمایا:۔ ؎

ہر کرا ہمسایۂ بودے چناں!
کہ ازو پرہیز کردندے جہاں!
مُصطفٰی با او بہم خوردے طعام
بود زیں ساں حال آں خیر الانام

یعنی کسی شخص کو اگر ایسی بیماری لگ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے سب لوگ اس سے الگ ہو جاتے تھے۔ تو حضور اس آڑے وقت میں اس بے کس و بے یار بیمار کے ساتھ تشریف فرما ہو کر کھانا تناول فراتے تھے۔

حضرات! دیکھا آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تواضع شریف کو کہ مرتبہ اس قدر بڑا کہ بڑے بڑے رسولوں کے بھی سردار ہیں اور تواضع اس قدر کہ غریب سے غریب تر شخص سے بھی محبت و شفقت فرمائی جاتی ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم بھی اپنے آقا و مولے صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کو پیشِ نظر رکھیں۔ اور مسلمان بن کر جئیں۔ اور مسلمان ہی رہ کر مریں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

چوتھا وعظ

رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ط (پ۱۷ ع۷)

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے"

حضرات! — آج میں آپ کے سامنے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت کے متعلق کچھ بیان کرنے کو حاضر ہُوا ہوں۔ اسی واسطے میں نے قرآن کریم کی ایک ایسی آیت پڑھی ہے۔ جس میں اللہ نے اپنے محبوب پاک کی رحمتِ عامہ کا ذکر فرمایا ہے۔ خدا اپنے محبوب سے خطاب فرما کر فرما رہا ہے کہ پیارے! ہم نے آپ کو "رحمۃ للعالمین" بنا کر بھیجا ہے۔ میرے بھائیو! اس آیت میں اس لفظ "عالمین" کو سامنے رکھئے۔ اور پھر سورۂ فاتحہ کو پڑھئے۔ اس کی پہلی آیت یہ ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ — سب تعریفیں اس اللہ

کے لئے ہیں۔ جو سارے جہانوں کا رب ہے"۔
دیکھ لیجئے! یہاں بھی وہی "عالمین" کا لفظ ہے۔ جو وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ میں ہے۔ گویا خدا فرماتا ہے۔ کہ میں "رب العالمین" ہوں۔ اور میرا محبوب "رحمۃ للعالمین" ہے۔

عَالَمِیْنَ

اب دیکھنا یہ ہے کہ "عالمین" کا معنےٰ کیا ہے؟ تو میرے دوستو۔ عٰلمین جمع عالَم کی ہے۔ اور عالَم کا معنےٰ ہے "مَا یُعْلَمُ بِہِ الشَّیُٔ" ایسی چیز جس سے دوسری چیز کا علم حاصل ہو جائے۔ چونکہ دنیا کی ہر چیز اپنے خالق کا پتہ دے رہی ہے اور بقول شاعر ؎

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید!
وحدہٗ لاشریک مے گوید!

ہر گھانس بھی جو زمین سے اُگتی ہے۔ وہ زبانِ حال سے اس امر کا اعلان کرتی ہے۔ کہ میرا خالق وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس لئے دنیا کو عالم کہتے ہیں۔ اور عالم کا اطلاق خدا کی ذات و صفات کے سوا ہر موجود و مخلوق پر ہوتا ہے۔ اور خدا کی بیشمار مخلوق کے اعتبار سے عالَم کی کئی قسمیں ہیں۔ عالَم مجردات۔ یعنی وہ چیزیں جو جسم عنصری، اور جسم سماوی سے بری ہیں۔ اور ہمیں بسبب لطافت کے نظر نہیں آتیں۔ جیسے کہ روح اور فرشتے۔ اور عالم جسمانیات یعنی ایسی چیزیں جو جسم رکھتی ہیں۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عالم علویات۔ یعنی وہ جن کا تعلق بلندی سے ہے۔ مثلاً آسمان۔ آفتاب۔ چاند۔ ستارے وغیرہ، اور عالم سفلیات یعنی وہ چیزیں جن کا تعلق پستی سے ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ عالم لطیفات یعنی وہ چیزیں کہ جو بسبب لطافت دکھائی نہیں دیتیں جیسے ہوا وغیرہ۔ عالم کثیفات۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عالم مفردات۔ جیسا کہ پانی اور خاک۔ عالم مرکبات۔ پھر اس کی چار قسمیں ہیں۔ عالم کائنات جو۔ یعنی وہ چیزیں جو زمین سے اوپر ادپر ہیں۔ جیسا کہ ابر۔ اولے۔ قوس و قزح وغیرہ۔ دوم عالم جمادات یعنی پہاڑ اور دیگر معدنیات

چاندی۔ سونا۔ ہیرا۔ بلور وغیرہ۔ سوم عالم نباتات یعنی درخت اور گھانس وجڑی بوٹیاں وغیرہ۔ چہارم عالم حیوانات۔ یعنی انسان۔ گدھا۔ گھوڑا۔ درند۔ چرند۔ جاندار چیزیں۔ دریا کی ہوں یا خشکی کی۔ اس عالم حیوانات میں سب سے افضل و اشرف انسان ہے ــــ الغرض اللہ کی مخلوق کے بہت سے عالم ہیں۔ جن کا حقیقی علم مَا یَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّکَ اِلَّا ہُوَ کے مطابق اللہ ہی کو ہے۔ تو لفظ "عالمین" جمع ہے عالم کی۔ جس کا معنے ہے سارے عالم۔ تو الحمدللہ ربّ العالمین کا معنے یہ ہوا کہ سب تعریف ہے اس اللہ کے لئے جو سارے عالموں کا پالنے والا ہے۔ کوئی بھی تو اسکی مربوبیت سے محروم نہیں۔ بلکہ ہر ذرہ ہر قطرہ اور ہر پتہ اس کی ربوبیت سے مستفید ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کیا اچھا لکھا ہے وہ کہتا ہے ؎

چکی کی آواز

آسیہ کہتی ہے ہر روز بآواز بلند!!
رزق سے بھرتا ہے رزاق دہن پتھر کا

آسیہ چکی کو کہتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔ جب چکی چلتی ہے۔ تو اس کی آواز ایک حقیقت کا اعلان کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اے سننے والو! خدا کی شانِ ربوبیت و رزاقی کا نظارہ دیکھو۔ کہ میں ایک پتھر ہوں۔ مگر اس کی رزاقی و ربوبیت کا یہ عالم ہے۔ کہ ہر روز وہ مجھ جیسے پتھر کا منہ بھی گندم سے بھرتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا اچھی بات کہی۔ واقعی وہ ربّ العالمین ہے۔ اور عالم کا ذرہ ذرہ اس کا مربوب ہے۔

میرے بزرگو! جب آپ کو اس لفظ "علمین" کی وسعت کا پتہ چل گیا۔ کہ یہ لفظ اس قدر وسیع اور عام ہے۔ کہ مخلوق کا ہر ذرہ اس کے اندر موجود ہے تو اب اس آیت کو جو میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت بیان کرنے کیلئے پڑھی ہے سامنے رکھئے۔ اور دیکھئے کہ خدا تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ط یعنی اے محبوب! ہم نے آپ کو سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

گویا: اے پیارے! میں اگر سارے عالموں کا رب ہوں۔ تو تو سارے عالموں کے لئے رحمت ہے ؎

حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے تو!
سارے عالم کیلئے رحمت ہے تو

حضرات! "الحمد للہ رب العالمین" اور "وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین" ان دونوں آیتوں کے پیش نظر ثابت ہوا۔ کہ جس قطرے۔ جس ذرے۔ اور جس پتے کے لئے اللہ رب ہے۔ اس قطرے، اس ذرے اور اس پتے کے لئے حضور رحمت ہیں۔ گویا جس شے کو خدا کی ربوبیت درکار ہے۔ اسے مصطفےٰ کی رحمت کی بھی احتیاج ہے۔ اور جو شخص یوں کہے۔ کہ میں رحمت مصطفےٰ کا محتاج نہیں ہوں۔ اس کو چاہیئے۔ کہ وہ یوں بھی کہہ دے۔ کہ میں ربوبیت خدا کا بھی محتاج نہیں۔

تمہیدی کلمات

حضرات! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کے متعلق کچھ بیان کرنے سے قبل چند تمہیدی کلمات سن لیجئے۔ ماں باپ بچے کی پرورش کرنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کو بچے کا رب فرمایا ہے۔ کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا۔ یہ آیت اس امر پر شاھد ہے۔ رب کہتے ہیں۔ پالنے والے کو۔ تو چونکہ ماں باپ بچے کو پالتے ہیں۔ اس لئے انہیں رب فرمایا گیا ہے۔ اب آپ سوچئے کہ ماں جو بچے کو پالتی ہے۔ تو کس قدر محنت و شفقت کے ساتھ۔ اور اپنی تکلیف کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے بچے کی پرورش کا خیال رکھتی ہے۔ اپنا چین۔ سُکھ آرام۔ نیند۔ بھوک۔ پیاس سب کچھ بچے پر قربان کر دیتی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ کہ ماں میں یہ جذبہ کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں بچے کے لئے رحمت پیدا فرما دی ہے۔ یہ اُس رحمت مادر کا کرشمہ ہے۔ کہ ماں ہر تکلیف کو برداشت کرتی ہے۔ مگر بچے کی پرورش میں کوتاہی نہیں کرتی۔ گویا ماں کی "ربوبیت" کا اظہار اسی "رحمت" سے ہوتا ہے۔ اگر ماں کے دل میں اس بچے کے لئے رحمت نہ ہوتی۔ تو ماں

کبھی بچے کی پرورش نہ کرتی۔ ماں چونکہ اپنے دل میں اپنے بچے کے لئے بے پناہ پیار و رحمت پاتی ہے۔ اس لئے اس کی پرورش کرتی ہے۔ ماں کا دل بچے کے لئے مخزنِ رحمت ہے۔ اور ماں کا دل بچے کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا۔

ماں کا دل

چنانچہ "رحمتِ قلبِ مادر" کی تشریح کے لئے ایک قصہ ہے۔ کہ ایک "اپ ٹوڈیٹ" لڑکی کا ایک "اپ ٹوڈیٹ" لڑکے کے ساتھ بیاہ ہو گیا۔ لڑکے کی صرف ایک بوڑھی ماں موجود تھی۔ اور کوئی اس کا عزیز و رشتہ دار نہ تھا۔ اور آجکل رشتے میں دیکھا بھی اسی بات کو جاتا ہے۔ کہ لڑکی وہاں دی جائے۔ جہاں لڑکے کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو۔ نہ اس کی ماں ہو۔ نہ کوئی بہن، نہ بھائی۔ نہ کوئی اور عزیز۔ گویا لڑکا سب کو کھا پی چکا ہو۔ اور اکیلا گھر ہو۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔ کہ جب تم رشتہ کرنے لگو۔ تو کوئی حسن و جمال دیکھتا ہے۔ اور کوئی جاہ و جلال۔ مگر فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ۔ تم سب سے پہلے دین کو دیکھو کہ لڑکی اور لڑکے میں دین بھی ہے یا نہیں؟ یہ تو ہے ارشاد ہمارے آقا و مولے صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ مگر رواج یہ کہتا ہے۔ کہ پہلے یہ دیکھو کہ لڑکا جنٹلمین ہے یا نہیں؟ داڑھی مونچھ کا دشمن ہے یا نہیں؟ کھڑے ہو کر موتتا ہے یا نہیں۔ لڑکی سرخی و پوڈر کی دلدادہ ہے یا نہیں؟ ٹیڑھی مانگ کی شوقین ہے یا نہیں؟ ڈانس اور گانے میں طاق ہے۔ یا نہیں۔ بزرگو! اب وہ زمانہ کہاں؟ جب کہ لڑکی کا باحیا ہونا اور قرآن خوان و نمازی ہونا دیکھا جاتا تھا۔ اب تو امیر گھرانوں میں لڑکیوں کو باقاعدہ ناچنے اور گانے کی تعلیم دی جاتی ہے اور جو لڑکی ناچنے گانے میں ماہر ہو۔ اسے معیاری قرار دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ان گمراہیوں سے محفوظ رکھے۔ ذرا سوچئے تو۔ جو لڑکی ناچنی آ بھی گی وہ سسرال والوں کو آ کر کیوں نہ نچائے گی۔ آہ! اس زمانہ نے ترقی کے نام سے کیا کیا گمراہیاں پیدا کر دیں۔ خوب یاد رکھئے۔ ؎

چار چیزیں چاہئیں از بہر زن!
چکی، چولھا اور چادر، پیرہن

مگر اب یہ باتیں کہاں؟ اب تو " ناچنا۔ گانا و عریانیٔ تن " کا تماشا نظر آتا ہے۔ہاں تو ایک ایسے ہی اَپ ٹو ڈیٹ لڑکے سے ایک اَپ ٹو ڈیٹ لڑکی کا بیاہ ہو گیا۔ لڑکے کی صرف ایک ماں ہی تھی۔ اور کوئی عزیز نہ تھا۔ تازہ شادی تھی۔ اور دونو میاں بیوی فیشن ایبل تھے۔ اور دین سے بے بہرہ۔ لڑکی نے جو سسرال میں قدم رکھا۔ تو بوڑھی ساس کو گھر میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر پریشان ہوئی۔ کہ میں نے تو سنا تھا۔ کہ گھر اکیلا ہے۔ میاں تنہا ہیں۔ مگر یہ بڑھیا کہاں سے آ ٹپکی؟ چنانچہ شب کو پہلی ملاقات میں اپنے شوہر سے کہنے لگی: "دیکھئے اگر واقعی آپ کو مجھ سے محبت ہے۔ جیسے کہ آپ ظاہر کر رہے ہیں تو سنئے۔ میں نے آپ کی خاطر اپنی ایک ماں۔ ایک باپ۔ تین چچا۔ تین پھوپھا۔ دو خالو۔ پانچ بھائی اور چار بہنیں چھوڑیں۔ ان سب عزیزوں کو صرف آپ کی خاطر چھوڑا۔ اور آپ کے پاس آ گئی۔ اب آپ کو بھی اگر مجھ سے پیار ہے۔ تو میری خاطر آپ صرف ایک عدد اپنی اس بڑھیا ماں کو چھوڑ دیجئے۔ اور اسے گھر سے نکال دیجئے۔ میاں نے یہ سنا تو اس کی محبت میں اندھا ہو کر کہنے لگا۔ واہ! یہ بھی کوئی بڑی بات ہے صبح ہی لو۔ میں بڑھیا کو گھر سے نکال دونگا۔ چنانچہ صبح اس نے واقعی اپنی بوڑھی ماں سے کہا کہ اماں اس دوسرے محلہ میں ہمارا جو مکان ہے۔ آج سے تم وہاں رہا کرو۔ تمہیں وہیں روٹی بھجوا دیا کروں گا۔ بوڑھی ماں سمجھ گئی۔ کہ میرا بیٹا اپنی بی بی کے سِکھے چڑھ گیا ہے۔ بولی اچھا بیٹا! جہاں کہو رہنے کو تیار ہوں۔ اور بہر حال تمہارے لئے میری تو یہی دعا رہے گی۔ کہ خدا تجھے کوئی تکلیف نہ دکھائے۔

اسی دن ماں کو دوسرے مکان میں بھیج دیا گیا۔ آٹھ دن گزرے۔ تو ایک شب پھر وہ خونخوار عورت اپنے شوہر سے کہنے لگی۔ میں نے سنا ہے۔ آپ اپنی بڑھیا ماں سے ملنے جاتے اور اسے بہت کچھ کھلاتے پلاتے

ہیں۔ دیکھئے اگر واقعی آپ میرے عشق میں سچے ہیں۔ تو اندھیری رات ہے کسی کو کیا علم۔ یہ لیجئے خنجر! اور میری خاطر اپنی ماں کو قتل کر آیئے ـــ میاں اس قدر بے دین نکلا۔ کہ بولا۔ جان من! تیری خاطر مجھے یہ بھی منظور ہے۔ دیکھو سونا مت۔ میں ابھی ماں کو قتل کرکے آیا۔ بیوی نے کہا۔ مگر میرے اطمینان کے لئے کہ واقعی آپ ماں کو قتل کر آئے ہیں۔ قتل کرنے کے بعد اس کا دل میرے پاس لے آنا۔ میاں نے کہا۔ بہت اچھا۔ یہ کہا اور خنجر لے کر ماں کے مکان میں گیا۔ بڑھیا بچاری بے خبر سو رہی تھی۔ نالائق بیٹے نے اپنی ماں کو سوتے میں خنجر گھونپ دیا۔ بڑھیا سوتی کی سوتی رہ گئی۔ اس بے دین نے پھر ماں کا دل نکالا۔ تاکہ اسے اپنی بیوی کے پاس دکھانے کو لے جائے۔ اور اسے خوش کر سکے۔ رات اندھیری تھی۔ راستے میں ایک جگہ ٹھوکر لگی۔ تو وہ نالائق بیٹا منہ کے بل گر پڑا۔ ماں کے دل سے آواز آئی۔

"بیٹا چوٹ زیادہ تو نہیں آئی؟"

اس آواز کو سن کر اب اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور اسکی آنکھیں کھلیں۔ کہ میں نے یہ کیا ظلم کیا کہ اس قدر رحمدل اور مہربان ماں کو قتل کر دیا۔ جس کے دل سے قتل ہو جانے کے بعد بھی میری محبت نہیں نکلی۔ میرے بھائیو! دیکھا آپ نے ماں کی محبت کو ـــ!

ماں سے بھی زیادہ شفیق

اور یاد رکھئے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ ماں سے بھی زیادہ شفقت و محبت ہے۔ چنانچہ قبر میں جب ماں باپ بھی تنہا چھوڑ جاتے ہیں۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ اور اپنے غلاموں کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ ؎

ماں جب اکلوتے کو چھوڑے ٭ آ آ کہہ کے بلاتے یہ ہیں!!
باپ جہاں بیٹے سے بھاگے ٭ لطف وہاں فرماتے یہ ہیں
مرقد میں بندوں کو تھپک کر ٭ میٹھی نیند سلاتے یہ ہیں

لاکھوں بلائیں کروڑوں دشمن
کون بچاتے بچاتے یہ ہیں

کہو لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ

ایک پنجابی شاعر نے بھی اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے ؎

تنیوں کلیاں گھر بیٹھ کڈن گے اتے وچہ زمین دے گڈن گے وچہ جنگل جا کے چھڈن گے
کہو لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ ہیں محمد پیارے رسول اللہ

ایتھے ڈاہڈی جان اج پھاتی آ ایتھے کوئی نہ سنگی ساتھی آ ایتھے کسے نہ پانیں جھاتی آ
کہو لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ ہیں محمد پیارے رسول اللہ

پر اوہ کملی والا آوے گا وچہ کملی آن چھپاوے گا ہر دکھ تھیں آن بچاویگا
کہو لَآ اِلٰہ اِلَّا اللہ ہیں محمد پیارے رسول اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت قبر میں بھی ہمارے کام آئے گی اور کل قیامت کے دن بھی جبکہ ماں باپ اپنے بیٹے کو بھول جائینگے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی رحمت ہماری بگڑی کو بنائے گی۔ سب نفسی نفسی کہہ رہے ہونگے۔ مگر حضور اُمتی اُمتی فرماتے ہوں گے۔ خدا کی قسم اگر حضور کی رحمت نہ ہو۔ تو ہم میں سے کوئی بھی عذاب الٰہی سے نہ بچے۔ یہ حضور ہی کی رحمت کا صدقہ ہے۔ کہ ہم مامون و محفوظ ہیں ؎

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا!
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا!
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تجویز
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

رحمتِ عالم

حضرات! تقریر سابق سے معلوم ہُوا کہ ماں کی "ربوبیت" کے اظہار کے لئے پہلے "رحمت" کا ہونا ضروری ہے۔ اگر رحمت نہ ہو تو ربوبیت بھی نہ ہو۔ بلا تشبیہہ خداوند کریم جو رب العالمین ہے۔ سارے جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ اس نے اپنی "ربوبیت" کے اظہار کے لئے سب سے پہلے "رحمۃ للعالمین" کو پیدا فرمایا۔ اگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

پیدا نہ فرمائے جاتے تو خدا کی "ربوبیت" کا کبھی اظہار نہ ہوتا۔ اور اگر خدا کی "ربوبیت" کا اظہار نہ ہوتا۔ تو پھر کچھ بھی نہ ہوتا۔ زمین و آسمان۔ عرش و فرش جملہ کائنات خدا کی مخلوق و مربوب ہے۔ اگر خدا اپنی ربوبیت ظاہر نہ فرماتا۔ تو ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہوتی۔ اور یہ ربوبیت کبھی ظاہر نہ ہوتی۔ اگر پہلے رحمۃ للعالمین نہ ہوتے۔ تو گویا اگر حضور رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے۔ تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

نورِ مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلم

اور یہ بات کہ ساری مخلوق سے پہلے اللہ نے حضور کو پیدا فرمایا۔ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور سے سوال کیا۔ حضور سب سے پہلے اللہ نے کس چیز کو بنایا؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا :-

يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَّلَا قَلَمٌ وَّلَا جَنَّةٌ وَّلَا نَارٌ وَّلَا مَلَكٌ وَّلَا سَمَآءٌ وَّلَا اَرْضٌ وَّلَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ وَّلَا جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ ـــ رحمۃ اللہ علے العالمین ص۲۸

اے جابر! تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے تمہارے نبی (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ۔ نہ کوئی فرشتہ تھا، نہ آسمان اور نہ زمین۔ نہ سورج تھا نہ چاند۔ اور نہ کوئی جن تھا نہ انسان۔"

معلوم ہوا کہ ہر شے سے پہلے حضور ہی کو پیدا فرمایا گیا۔ اور اگر اللہ حضور کو پیدا نہ فرماتا تو رحمت نہ ہوتی۔ اور پھر خدا کی ربوبیت کا اظہار بھی نہ

ہوتا۔ اور خدا کی ربوبیت اگر نہ ہوتی۔ تو پھر دنیا و مافیہا کچھ بھی نہ ہوتا۔ اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے:۔

"لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا ۔ پیارے اگر تم نہ ہوتے۔ تو دنیا بھی میں پیدا نہ کرتا۔" (رواہ ابن عساکر حجۃ اللہ علی العالمین ص۲۹)

تو یہ بات ظاہر و ثابت ہو گئی۔ کہ حضور رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی طفیل یہ سارا عالم ہے۔ اور آپ ہی کے صدقہ میں ہر وجود کو ہر نعمت میسر ہوتی ہے۔ میں نے ایک نظم میں لکھا ہے ؎

تیرے صدقہ میں ملیں ہم کو یہ جانیں اپنی!
جانِ جاں تم پہ ہوں صدقے یہ ہماری جانیں

اسی حقیقت کا اظہار فارسی کے ان اشعار میں بھی ہے ؎

توئی کہ مطلع احسان و مظہر جودی ٭ کہ کن فکاں ز تو دارند نام موجودی
دریں ضیافت ہستی بخوانِ جود و کرم ٭ ہمہ طفیل تواند و توئی مقصودی
ہنوز آدم و عالم نبود نام و نشاں ٭ کہ در سراچہ وحدت جلیس حق بودی

انبیاء کرام علیہم السلام میرے بزرگو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رحمت سے سلسلہ انبیاء بھی جاری ہوا۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں ؎

ترا قد مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے
تجھے بو کر بنا اللہ نے رحمت کی ڈالی ہے

اس شعر میں لفظ "ڈالی" کو اعلیحضرت نے خوب نبھایا ہے۔ پہلے لفظ "ڈالی" سے مراد "شاخ" ہے، اور دوسرے لفظ "ڈالی" سے مراد بناءِ رحمت کا ڈالنا ہے آپ فرماتے ہیں۔ کہ حضور کا وجود باجود رحمت کی ایک شاخ ہے۔ اور نبوت کے سلسلۂ رحمت کی بنا اللہ نے حضور کے وجود باجود سے ہی ڈالی ہے۔ حضور ہی اس سلسلے کے اول ہیں۔ اور میرے بزرگو! اس سلسلہ کے آخر بھی حضور ہی ہیں۔ گویا یہ سلسلہ حضور ہی سے شروع ہوا۔ اور حضور ہی پر آ کر ختم ہو گیا۔ دیکھ لیجئے۔ دائرہ کھینچنے کے وقت جس نقطہ سے دائرہ کی ابتداء جس جگہ سے ہوتی ہے۔ اس دائرہ کی تکمیل بھی اسی جگہ پر آکر ہوتی ہے

تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے یہ دائرہ نبوت شروع کیا گیا۔ اور جب یہ دائرہ اسی وجود باجود تک پہنچا۔ تو وہاں پہنچکر ختم بھی ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کی تکمیل ہو گئی۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ۔
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ آج کے دن تمہارا دین میں نے کامل کر دیا۔
اس حقیقت کے پیش نظر خود ہی غور فرما لیجئے۔ کہ جب دین کامل اور دائرہ نبوت مکمل ہو گیا۔ تو قادیانی متنبی کے لئے اس دائرہ نبوت کے اندر آنے کی جگہ ہی کب باقی رہ گئی ہے۔ جو اُسے بھی نبی تسلیم کر لیا جائے۔ (استغفر اللہ العظیم)

ایک دوسری مثال

حضرات! ماں کی پرورش اور اس کی رحمت کی مثال سے آپ معلوم کر چکے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمت للعالمین ہیں۔ اس لئے آپ ساری مخلوق سے پہلے پیدا کئے گئے۔ اگر آپ کا وجود باجود نہ ہوتا۔ تو خدا کی ربوبیت کا بھی اظہار نہ ہوتا۔ اس حقیقت کو ایک دوسری مثال سے بھی سمجھئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لئے اللہ کی رحمت ہیں۔ اور اللہ کی رحمت کا ہر کوئی محتاج ہے کیوں دوستو! ہے کوئی شخص جو یہ کہہ سکے۔ کہ میں اللہ کی رحمت کا محتاج نہیں ہوں۔ توبہ! توبہ!! کوئی بے ایمان ہی ایسا کہے گا۔ ہمارا تو سب کا ایمان ہے کہ ہم سب اللہ کی رحمت کے محتاج ہیں۔ محتاج بھی ہیں۔ اور اس سے امیدوار بھی ہیں۔ اللہ کی رحمت سے کیا کچھ نہیں مل سکتا۔ سب کچھ ملتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللہِ۔ اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو جاؤ۔ اور اسی واسطے درِ رحمت پہ ہماری یہی صدا ہے کہ ؎

نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں　　لئے ہوئے یہ دلِ بے قرار ہم بھی ہیں
ہمارے دستِ تمنا کی لاج بھی رکھنا　　ترے فقیروں میں اے شہریار ہم بھی ہیں
تمہاری ایک نگاہِ کرم میں سب کچھ ہے　　پڑے ہوئے تو سرِ رہگذار ہم بھی ہیں

جب یہ ثابت ہوا کہ حضور سارے جہان کے لئے رحمت ہیں۔ اور رحمت کا ہر کوئی محتاج ہے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ ہم سب محتاج ہیں۔ اور حضور محتاج الیہ مولانا

رومی فرماتے ہیں ؎

زیں سبب فرمود حق صلوا علیہ ؂ کہ محمد بود محتاج الیہ

یعنی اللہ نے اسی لئے ہمیں فرمایا ہے۔ کہ حضور پر صلوٰۃ و سلام پڑھو۔ کیونکہ ساری دنیا محتاج ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ و سلم محتاجوں کی جائے پناہ۔

میرے بزرگو! اب ذرا دنیا کی دوسری چیزوں کی طرف نظر دوڑاؤ۔ انسان کو پانی کی بھی احتیاج ہے۔ آگ کی بھی۔ اور ہوا کی بھی۔ اور اسی طرح زمین کی بھی احتیاج ہے۔ اور دیکھ لو۔ ہر وہ چیز جس کی انسان کو احتیاج ہے۔ خدا نے انسان سے پہلے ان سب کی تخلیق فرمائی ہے۔ یعنی اس آگ۔ ہوا۔ پانی۔ اور زمین کو انسان سے پہلے پیدا فرما دیا گیا۔ تاکہ انسان دنیا میں آئے۔ تو اس کی ضرورت کی چیزیں پہلے ہی سے اس کے لئے موجود ہوں۔ گویا خداوند کریم نے جو انسان کا ربِّ حقیقی ہے۔ انسان کی ہر محتاجُ الیہ چیز کو انسان سے پہلے پیدا فرما دیا ہے۔ بھائیو! اب اسی قاعدہ کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رحمۃٌ لِلعالمین ہیں۔ آپ کا وجود دنیا کی ہر شے کے لئے رحمت ہے۔ گویا دنیا کی ہر شے زمین ہو یا آسمان۔ پانی ہو یا ہوا۔ کائنات کی کوئی چیز بھی ہو۔ ہر چیز کے لئے حضور رحمت ہیں۔ اور یہ آپ معلوم کر چکے۔ کہ رحمت کا ہر کوئی محتاج ہے۔ تو گویا دنیا کی ہر شے حضور کی محتاج ہوئی۔ اور آپ ہر شے کے لئے محتاجُ الیہ۔ اور یہ بھی آپ معلوم کر چکے۔ کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کی محتاج الیہ چیز کو پہلے پیدا فرما دیتا ہے۔ تو ساری مخلوق کی چونکہ محتاجُ الیہ حضور ہی کی ذات ہے۔ اس لئے ساری مخلوق سے پہلے اللہ نے حضور ہی کو پیدا فرمایا۔

مسئلہ معراج کی شب یہاں ایک اور بات بھی حل ہو گئی۔ فلسفی کہتے ہیں کہ شبِ معراج حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنا مرکز زمین چھوڑ کر اوپر کیسے تشریف لے گئے۔ کرۂ ہوا سے گزر کر بغیر ہوا کے آپ زندہ کیسے رہے (معاذ اللہ) اس قسم کے عقلی ڈھکوسلے آپ ان عقلمند سیلہ وقوفوں سے اکثر سنتے رہتے ہیں۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں۔ اس زمین اور پانی

و ہوا کے ہم تو بیشک محتاج ہیں۔ اور ہم بغیر زمین کے بغیر آب و ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ یہ زمین۔ آب و ہوا ہمارے لئے تو ضروری ہیں۔ اس لئے کہ ہم ان کے محتاج ہیں۔ مگر یہ ہماری محتاجٌ الیہ زمین یا پانی یا ہوا خود حضور کی محتاج ہے۔ اور وہ سب کے لئے محتاج الیہ ہیں۔ تو محتاج تو بیشک محتاجٌ الیہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر محتاجٌ الیہ اگر بغیر محتاج کے رہے تو اُسے کیا پرواہ؟ دیکھئے اگر ہوا نہ ہو تو ہماری موت یقینی۔ اور اگر ہم نہ ہوں۔ تو ہوا کا کیا نقصان؟ اگر پانی نہ ہو تو ہم مرے سمجھو۔ اور اگر ہم نہ ہوں۔ تو پانی کا کیا بگڑتا ہے۔ زمین نہ ہو۔ تو ہمارے لئے مشکل اور اگر ہم نہ ہوں۔ تو زمین کا کیا نقصان؟

اسی طرح اگر حضور نہ ہوتے تو یہ زمین و آب و ہوا اور کائنات کی ہر چیز پردۂ عدم میں ہوتی۔ اور اگر یہ زمین و آب و ہوا وغیرہ نہ ہو۔ تو اس ذاتِ گرامی کا کیا نقصان؟ آخر جب یہ سب کچھ پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ حضور اس وقت بھی تو تھے۔ تو وہی محبوب اگر شبِ معراج ان چیزوں کے سوا وہاں تشریف لے گیا۔ جہاں ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ تو کونسی ناممکن بات ہے۔ مگر ان فلسفیوں کو تو برائے نام فلسفہ نے ڈبا ہے۔ ؎

فلسفی کو رفعتِ سرکار سے انکار ہے!
ایسے بدبختوں کی بےعقلی پہ رب کی مار ہے

مسلمانوں کیلئے رحمت

حضرات! ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے سارے جہان کے لئے رحمت فرمایا ہے اور ظاہر ہے۔ کہ نیک و بد مومن و کافر سبھی اس جہان میں ہیں۔ تو گویا حضور سبھی کے لئے رحمت ہوئے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہم حضور کے غلاموں یعنے مسلمانوں پر تو حضور کی رحمت ہی رحمت ہے۔ حضور نے اپنی امت کو ہر وقت یاد رکھا۔ حتیٰ کہ شبِ معراج وہاں پہنچکر بھی جہاں کوئی نہ پہنچ سکا تھا آپ نے ہمیں فراموش نہیں فرمایا۔ ہمارے لئے حضور نے راتوں کو بیداری فرمائی ہمارے لئے گریہ فرمایا۔ ہمارے لئے دعائیں فرمائیں۔ ہمیں مصائب و آلام

سے نجات دی۔ جہنم سے بچایا۔ جنت عطا فرمائی۔ قبر میں تشریف لاکر ڈھارس بندھائی۔ حشر میں شفاعت فرمائی۔ غرضیکہ حضور ہمارے لئے دونوں جہان میں رحمت ہی رحمت ہیں۔ ؎

رافع نافع دافع شافع کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں
ان کے نام کے صدقے جس سے جیتے ہم ہیں جلاتے یہ ہیں

حضور سے قبل کسی نبی و رسول کی اپنی امت پر وہ رحمت و شفقت ثابت نہیں۔ جو رحمت و شفقت حضور نے اپنی امت پر فرمائی۔ کیا کوئی ایسا نبی و رسول گزرا۔ جس نے امت کے گنہ گاروں کے لئے رات رات بھر بیداری فرمائی ہے۔ مسلمانو! مبارک ہو۔ کہ یہ خاص رحمت حضور ہی میں نظر آتی۔ حضور نے خود شب بیداری فرما کر غلاموں کو چین کی نیند سلایا۔ ؎

چشمِ بے خواب کے صدقے کہیں بیدار نصیب
آپ جاگے تو ہمیں چین کی نیند آئی ہے

پہلی امتوں کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ مگر حضور کی رحمت سے ہمارے لئے یہ مال حلال ہے۔ پہلی امتوں کے لئے نماز بجز مسجد کے دوسری جگہ جائز نہ تھی۔ اور ہمارے لئے ساری زمین پر نماز جائز ہے۔ پہلی امتوں پر توبہ کرنا اعیاناً اور علی الاعلان لازم تھا۔ اور ہمارے لئے یہ رحمت کہ ہم خفیتہً اپنے اللہ کے حضور بصدقِ دل ندامت کے دو آنسو بھی بہا دیں۔ تو توبہ قبول۔ الغرض

ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں!
ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں!
جلتی آگ بجھاتے یہ ہیں روتی آنکھ ہنساتے یہ ہیں!
شافع امت نافع خلقت رافع رتبے بڑھاتے یہ ہیں!
اپنی بنی ہم آپ بگاڑیں کون بنائے! بناتے یہ ہیں!
بندے کرتے ہیں کام غضب کا
مژدہ رضا کا سناتے یہ ہیں

کافروں کیلئے رحمت

مسلمانوں کے علاوہ چونکہ کافر بھی اس جہان میں شامل ہیں۔ اس لئے بمصداق آیت کریمہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کافروں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ مگر فرق یہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے لئے تو دونوں جہان میں یہاں بھی، اور وہاں بھی رحمت ہیں۔ اور کافروں کے لئے صرف اسی جہان میں یعنی دنیا میں ہی رحمت ہیں چنانچہ مفسرین کرام لکھتے ہیں:-

هُوَ رَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ فِي الدَّارَيْنِ وَ لِلْكَافِرِيْنَ فِي الدُّنْيَا بِتَاخِيْرِ الْعُقُوْبَةِ فِيْهِمَا۔ (مدارک التنزیل ص۲۷ حاشیہ خازن) — یعنے حضور مسلمانوں کے لئے دونوں جہان میں رحمت ہیں۔ اور کافروں کے لئے صرف دنیا میں۔ اس لحاظ سے کہ دنیا میں ان سے عذاب ٹل گیا۔"

پہلے نبیوں کی تکذیب کرنے سے کافروں پر عذاب نازل ہوتے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ان کافروں پر بھی اس طرح ہوئی۔ کہ یہ لوگ یہاں کے عذاب سے بچ گئے۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ کافروں نے خود دعا کی۔

کفّار کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (پ۹ ع۱۸)

"اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے۔ تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لا۔"

دیکھئے! کافروں نے خود ہی اللہ سے یہ درخواست کی۔ کہ اے اللہ! اگر قرآن و اسلام سچا ہے۔ اور ہم جھوٹے ہیں۔ تو ہم پر پتھر برسا۔ یا کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ مگر حضور کی رحمت ان کافروں کے بھی آڑے آگئی۔ اور اللہ نے اس کا جواب یہ دیا۔ کہ

خدا کا جواب

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (پ۹ ع۱۸)

اور اللہ کا کام نہیں۔ کہ انہیں عذاب کرے۔ جب تک اے محبوب! تم ان میں تشریف فرما ہو۔"

دیکھا آپ نے۔ کافروں نے خود عذاب کی درخواست کی۔ مگر اللہ فرماتا

ہے۔ کہ ہیں ان کافروں پر بھی عذاب نازل نہ کروں گا۔ اس لئے کہ رحمۃ للعالمین ان میں تشریف فرما ہیں۔

تو میرے بھائیو! ہمارے حضور کی رحمت اس دنیا میں ہر نیک و بد، مومن وکافر کے لئے عام ہے۔ آپ مسلمانوں کے لئے تو رحمت ہی ہیں۔ آپ کافروں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ جبکہ حضور کی رحمت ہمہ گیر رحمت ہے۔ بارش جب ہوتی ہے تو اچھے بُرے ہر مقام کو سیراب کرتی ہے۔ ہمارے رؤف و رحیم آقا کی رحمتوں سے اس دنیا میں سبھی مستفید ہوتے۔ اسی لئے اعلیحضرت نے لکھا ہے ؎

نجدی اس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے
کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی!

نوح علیہ السلام

اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ سنئے۔ آپ کی عمرِ تبلیغ ساڑھے نو سو سال تھی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا۔ (پ۲۰ ع۱۴) بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ اُن میں پچاس سال کم ہزار برس رہا۔"

دیکھا آپ نے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمرِ تبلیغ کتنی طویل تھی۔ اور یہ عرصہ یعنی ساڑھے نو سو سال کا آپ کی تبلیغ فرمانے کا عرصہ تھا۔ ویسے آپ کی عمر شریف اس سے بھی زیادہ تھی۔ مگر میرے بھائیو! یہ دنیا کیا ہے۔ ہزاروں سال جیو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ نوح علیہ السلام کے پاس جب ملک الموت

دنیا کی زندگی

حاضر ہوا۔ اور دریافت کیا۔ کہ حضور! اس قدر طویل عمر پانے کے بعد اب آپ کا تشریف لے چلنے کا وقت آگیا ہے۔ ذرا فرمایئے تو اتنے طویل عرصہ زندگی کو آپ نے کیسا محسوس کیا۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا۔" بس یوں معلوم ہو رہا ہے۔ جیسے ایک حویلی ہو۔ جس کے دو دروازے ہوں۔ اور میں ایک دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اور اب

دوسرے دروازے سے نکل رہا ہوں" یہ جواب حضرت نوح علیہ السلام کا ہم جیسوں کو سمجھانے کے لئے خوب ہے۔ واقعی عمر کا جو حصہ گزر چکا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔ اور اسی طرح جو عمر کا باقی حصہ ہے۔ وہ بھی نہ رہے گا۔ ہاں ایمان و اسلام ایک ایسی چیز ہے۔ جو ہمیشہ ساتھ رہیگی۔

میرے بھائیو! پھر ایسی ناپائیدار دنیا سے دل لگانا اور اپنی عاقبت کی فکر نہ کرنا کس قدر حماقت ہے؟ مگر افسوس آج عاقبت کی فکر نہیں۔ اور حبِ دنیا میں اس قدر فنا ہیں۔ کہ انجام کا کچھ احساس ہی نہیں۔ میرے بھائیو! یہ دنیا یعنی غفلت و ناعاقبت اندیشی کی دنیا بظاہر بڑی دل رُبا ہے۔ اپنی زیب و زینت اور نمائش سے لبھا تو لیتی ہے۔ مگر اپنے شکار کو پھر زندہ نہیں چھوڑتی ـــ اعلیحضرت فرماتے ہیں:- ؎

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کُش!
کس مردار پہ تو للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

یعنے دکھاتی تو یہ شہد ہے۔ مگر قابو پا لینے کے بعد زہر کا پیالہ پلا دیتی ہے۔ یہ حقیقت جاننے والا اس سے چوکنا رہتا ہے۔ مگر جو غافل ہے وہ غفلت میں آکر اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں ؎

سُونا جنگل، سونا پاس ہے، سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

یعنے دیکھو اے غافل! یہ جنگل ہے اور جنگل بھی بھیانک ہے اور سونا جنگل اور اس جنگل میں تیرے پاس سونا (یعنی ایمان) ہے۔ اب اس سُونے جنگل میں جہاں ہر قسم کا خطرہ ہے۔ اور تیرے پاس قیمتی سونا ہے تیرا سو جانا انتہائی حماقت ہے۔ یہاں جاگنا اور بیدار رہنا درکار ہے۔

پس اے بھائی اس دنیا میں بیدار ہو۔ یعنی یادِ حق میں رہو۔ خدا کو بھول جانا یہ سو جانا ہے۔ اور یہی دنیا ہے۔ اور یاد رکھو جو غریب آدمی بھی یادِ حق سے غافل ہے۔ وہ سویا ہوا اور دنیا دار ہے۔ اور جو کروڑ پتی بھی یادِ حق سے غافل نہیں۔ بلکہ احکامِ شریعت کا پابند ہے۔ وہ بیدار ہے۔ اور

دیندار ہے۔ دنیا دار نہیں۔ دنیا نام ہے خدا کو بھول جانے کا ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن!
نے قماشش و نقرہ و فرزند و زن!

اسلام یہ نہیں کہتا۔ کہ تم اچھا نہ کھاؤ۔ اچھا نہ پہنو۔ روپیہ پیسہ نہ کماؤ۔ موٹروں میں نہ پھرو۔ نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ؎

اڑاؤ عیش کرو عشرتیں بہت پھولو
اڑو جہاز میں موٹر کی گود میں جھولو
اڑو بلندی پہ اتنا فلک کو بھی چھولو
خدا کے واسطے لیکن خدا کو مت بھولو

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر شریف عرصہ تبلیغ کی ساڑھے نو سو سال تھی۔ دیکھا آپ نے پہلے لوگوں کی عمریں کتنی طویل ہوتی

ہماری عمریں

تھیں۔ اور آج ہماری عمریں ؟ تیس سال فی کس۔ ہماری عمروں کی اوسط رہ گئی ہے۔ گویا آج سے کچھ عرصہ قبل اگر ایک آدمی سو سال کی عمر پاتا تھا۔ تو اس نئی تہذیب کے دور میں سو سال میں تین جنٹلمین بھگتتے ہیں۔ اور یہ تھوڑی عمر کچھ ایسی عام ہوگئی ہے۔ کہ اپنی عمر کو خواہ مخواہ کم بتانا ایک فیشن ہوگیا ہے۔ چنانچہ آپ نے تجربہ کیا ہوگا۔ کہ ستر سالہ بڈھے سے بھی عمر کا پوچھا جائے۔ تو وہ جواب اس طرح دے گا۔ کہ میری تو ابھی عمر ہی کیا ہے۔۔ یہی کوئی تیس پنتیس سال۔ یہ تو نزلے نے بال سفید کر دیئے ہیں

لطیفہ

اسی طرح ایک لطیفہ بھی مشہور ہے۔ کہ ایک ستر سالہ بوڑھا اپنے پچاس سالہ دوست سے کہہ رہا تھا۔ کہ میری عمر زیادہ سے زیادہ چالیس کی ہوگی۔ اس کے پچاس سالہ دوست نے کہا۔ اور میں زیادہ سے پچیس سال کا ہوں گا۔ پاس ہی چارپائی کے اوپر ایک نوجوان مسخرہ بیٹھا تھا۔ جو واقعی پچیس سال کا تھا۔ وہ ان دونوں کی یہ باتیں غور سے سُن رہا تھا۔ جب وہ اپنی اپنی عمر بیان کر چکے۔ تو یہ نوجوان چارپائی پر سے خود بخود ہی نیچے گر گیا۔ ان بڈھوں نے کہا۔ ارے تو کیوں گرا؟ تو وہ بولا! جناب میری پیدائش کو ابھی

رات ہی کو ہوتی ہے؎

ہاں تو یہ عمروں میں کمی ساری برکت ہے اس نئی تہذیب کی۔ پہلے لوگوں کے عقائد خالص، خوراک خالص، گفتار خالص۔ کردار خالص، اور اب سب کچھ نخالص اور نخالص بھی خاص نخالص۔ شاید اسی لئے ہمارے پنجاب میں عوام دہقانیوں کا طبقہ خالص کو کہتا ہی "نخالص" ہے۔ یعنی مثلاً انہیں گھی لینا ہو۔ اور دوکاندار سے یہ کہنا چاہتے ہوں۔ کہ بھئی خالص گھی دینا۔ تو یوں کہیں گے "بھئی نخالص گھی دینا" گویا خالص کی جگہ نخالص نے لے لی۔ اسی طرح یہ لوگ فضول کو "بے فضول" کہنے کے عادی ہیں۔ اور اسی طرح اب چونکہ انقلاب کا زمانہ ہے ہر چیز میں آپ انقلاب دیکھیں گے۔

انقلاب وہ تو بھلا عام دہقانوں کی بات تھی۔ اس روشن دماغ اپ ٹو ڈیٹ طبقہ نے بھلا کیا کیا گل نہیں کھلائے؟ وہ عورت جو کبھی عورت تھی۔ آج کل مرد بنی پھر رہی ہے۔ اور وہ مرد جو کبھی مرد تھا۔ آج عورت بن بن کر پھر رہا ہے۔ میں نے اپنی "آجکل" کی ایک نظم میں لکھا ہے؎

نئی تہذیب کا نقشہ عیاں ہے میاں بیوی ہے اور بیوی میاں ہے
برابر مرد کے عورت کو سمجھیں زمیں کو کہہ رہے ہیں آسماں ہے

اور پھر اس انقلاب ہی کا کرشمہ ہے ؎

شباب آور ہے سرخی اور پوڈر کہ ستر سال کی بڑھیا جواں ہے

وہ شرم و غیرت جو پہلے مسلمان کی ایک متاعِ عزیز تھی۔ اور جس کے اپنانے والے کو فرض شناس حساس اور مومن کہتے تھے۔ آج وہ قیمتی شے ایک بیکار چیز ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اب شرم و غیرت کھانے والے آدمی کو وحشی، جنگلی، اور رجعت پسند کہتے ہیں۔ پہلے سب سے بڑے عالم دین کو مُلّا کہا جاتا تھا اور پھر ملّا کا سب سے زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔ جیسے حضرت ملّا جیون جو حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے۔ ملّا جامی اور ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی (رحمۃ اللہ علیہم) اور آج یہ لفظ بڑی حقارت کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا ہے۔

مسٹر اور مُلّا

حضرات! اس عظیم الشان لفظ کو تحقیر سے بولنے والے اور مُلّا کو حقیر سمجھنے والے اپنے آپ کو "مسٹر" کہلا کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا انقلاب ہے کہ آج ایک مسلمان "مُلّا" یا "حافظ" کہلانا پسند نہیں کرتا۔ اور مسٹر کہلانا پسند کرتا ہے۔ مولوی و مُلّا کی شکل و صورت پر، جو اسلامی ہے۔ مذاق اڑتا ہے۔ اور ایڈن و چرچل اور سٹالن کی شکل وصورت کو جو کافروں کی ہے۔ اپناتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ اسے دیکھ کر ہر کوئی اسے انگریز سمجھے۔ اور اسے سب "صاحب بہادر" کہیں۔ اور اسی شوق میں وہ اپنی صورت کے علاوہ اپنی آواز کا لہجہ بھی اسی انگریزی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ آنا کو آٹا، جانا کو جاٹا اور کلکتہ کو "کال کاٹا" کہہ کر گویا ثابت کرے گا۔ کہ ہم بھی میڈ اِن انگلینڈ ہیں۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے ؎

طاقِ دل میں چراغ انگریزی　　سر کے اندر دماغ انگریزی
چال انگریزی ڈھال انگریزی　　جسم کا بال بال انگریزی
جسم ہندی میں جان انگریزی　　منہ کے اندر زبان انگریزی

چھل رہا ہے گلا تو چھل جائے!
لہجہ صاحب سے اپنا مل جائے!

لطیفہ

کہتے ہیں ایک اسی قسم کے صاحب بہادر تالاب پر بیٹھے بیٹھے مچھلی کا شکار کھیل رہے تھے۔ اور اٹھ کر کانٹے کو درست جو کرنے لگے۔ تو پتلون کے دھکے سے تالاب میں جا پڑے۔ اب پتلون میں کسے ہوئے تو تھے۔ اور پتلون میں کسا ہوا آدمی؟ اس کا یہ عالم ہوتا ہے۔ جو ایک شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

مجھ کو ذوقِ مے ہے، اور واعظ کو شوقِ چائے ہے!
اپنا اپنا شغل ہے، اور اپنی اپنی رائے ہے!
نقشِ پائے یار کو چوموں تو چوموں کس طرح!
ہو بُرا پتلون کا مجھ سے نہ بیٹھا جائے ہے!

اب وہ صاحب بہادر معہ پتلون کے تالاب میں جو گرے تو پاؤں واؤں

پار نہ سکے۔ اور لگے ڈوبنے۔ اتفاقاً ایک دہقانی کا اس طرف سے گزر ہوا۔ اس نے صاحب بہادر کو ڈوبتے دیکھا۔ تو از راہِ ہمدردی تالاب میں کود کر صاحب بہادر کو باہر نکال دیا۔ صاحب بہادر باہر جو نکلے تو دہقانی سے کہا۔ "تھینک یو" دہقانی نے صاحب بہادر کو پکڑ کر پھر تالاب میں پھینک دیا۔ صاحب چلایا کہ ارے یہ کیا؟ تو یہ دہقانی بولا۔ صاحب! خود ہی تو کہا ہے کہ "پھینک دو"

اب غور کیجئے۔ کہ اس دہقانی سے بھلا انگریزی بولنے کی کیا ضرورت تھی اس بے موقعہ انگریزیت نے غوطے کھلائے۔ باوجود اس کے میں یہ کہتا ہوں۔ کہ بچارہ مسٹر، فیشن کی رو میں بہہ گیا ہے۔ ورنہ دل اس کا بھی معترف ہے۔ کہ کل اسی ملائیت نے کام آنا ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ وہ ان کفار کی اندھی تقلید میں اپنی صورت تک بگاڑ بیٹھا ہے۔ میرے بزرگو! یہ بات میں یونہی نہیں کہہ رہا۔ دیکھ لیجئے ہم ملا ہیں۔ ملا رہیں گے۔ اور ملا ہی مریں گے۔ اور

ہم ملا ہیں

ہماری خدا سے دلی دعا ہے۔ کہ وہ ہمیں ملا ہی اٹھائے اور ملا جیون۔ ملا جامی۔ ملا عبدالحکیم جیسے مقبولوں کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ اب ذرا مسٹر سے بھی پوچھئے۔ کہ کیا تمہارے لئے بھی ایسی دعا کی جائے۔ کہ تم مسٹر ہو، مسٹر بن کے جیو۔ اور مسٹر ہی رہ کر مرو۔ اور خدا تمہیں مسٹر ہی اٹھائے۔ اور مسٹر چرچل۔ مسٹر سٹالن، اور مسٹر ڈاروِن جیسے مردودوں کے ساتھ تمہارا حشر ہو۔ میرا یقین ہے۔ کہ مسٹر ایسی دعا پر کبھی راضی نہ ہوگا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ دل اس کا بھی معترف ہے۔ کہ یہ جو انبیاء کی سیرت وصورت اپنانا ہے۔ یہی قیامت میں کام آنے والی ہے اور جن لوگوں کی شکل وصورت پر یہ مذاق اڑا رہا ہے۔ دراصل یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ اور یہی شکل و صورت کل کام آئے گی۔ تو پھر اے مسٹرانِ کرام! جس چیز کو تمہارا ضمیر اچھا جانتا ہے۔ محض تکمیلِ فیشن کے لئے اُسے بُرا کہہ کر اپنی عاقبت کیوں خراب کرتے ہو۔ اور جس شکل وصورت کے ساتھ، اور جن غیر مسلموں کے ساتھ تم کل اٹھنا نہیں چاہتے۔ آج بھی انکی رفاقت کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟

دعائے نوح علیہ السلام

ہاں تو میں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر شریف کا ذکر کر رہا تھا۔ کہ آپ کی عمر تبلیغ ساڑھے نو سو سال تھی۔ آپ نے اپنی عمر شریف میں دن رات اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی۔ مگر قوم ایمان نہ لائی۔ بلکہ اور بھی مغرور و مفرور ہوئی۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے رب سے عرض کی:-

رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا۔ (پ ۲۹ ع ۹) یعنی اے رب میں نے اپنی قوم کو دن رات تیری طرف بلایا۔ مگر میرے بلانے سے وہ اور بھی دور ہی بھاگی"

حضرت نوح علیہ السلام نے آخر ان بے دینوں کے خلاف یہ دعا فرما دی کہ:-

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا۔ (پ ۲۹ ع ۹) اے رب! ان کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ"

یعنی ان کا بیڑا غرق کر! اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی۔ طوفانِ نوح آیا اور سب غرق ہو گئے۔

دعائے رحمت صلے اللہ علیہ وسلم

اب آیئے! ذرا رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ عامہ کا نظارہ دیکھیے۔ میدانِ احد میں ایک طرف کفار ہیں۔ اور ایک طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم مع اپنے جانثاروں کے (رضی اللہ عنہم) کافروں کی شرارتوں کا یہ عالم ہے کہ ؎

بھرے تھے جھولیوں میں ان کی پتھر سنگباری کو
نشانہ دور سے کرنے لگے محبوب باری کو

اور اس سنگ باری سے حضور کے دندانِ مبارک کو تکلیف پہنچی ہے رخِ انور سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں۔ اُدْعُ عَلَى الْمُشْرِكِیْنَ۔ حضور ان مشرکوں کے خلاف دعا فرمایئے یا رسول اللہ! حضرت نوح علیہ السلام نے بھی تو دشمنوں کے خلاف دعا فرما کر کافروں کا بیڑا غرق کر دیا تھا۔ آپ بھی ان کے خلاف دعا فرمایئے۔ حضور نے فرمایا۔ لو میں دعا کرتا ہوں۔ تم آمین کہو۔ دوستو! ذرا دیکھنا حضرت نوح

علیہ السلام کے ہاتھ اٹھے۔ تو انہوں نے یہ دعا فرمائی۔ کہ اے رب ان کافروں کو مت چھوڑ۔ اور آج رحمتِ عالم کے ہاتھ اٹھے تو یہ دعا ہوتی ہے۔ ؎

کہ اے پروردگار آمرزگار ان کو معافی دے
نہ کر ان کی خطاؤں کا شمار ان کو معافی دے

صحابہ نے عرض کی۔ حضور یہ تو ان کی معافی کی دعا مانگ لی آپ نے۔ ان کی ہلاکت کی دعا فرمائیے تو ؎

یہ سن کر رحمۃ للعالمین نے ہنس کے فرمایا!
کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

مشکوٰۃ شریف ص۵۱۹ میں اس موقعہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَّ اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَۃً ـــــ میں لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اور مسلم شریف میں ہے۔ کہ آپ چہرۂ انور سے خون مبارک پونچھتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے تھے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (مسلم شریف ص۱۰۸ ج۲)

اے رب! میری قوم کو بخش دے۔ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔

سلام

مسلمانو! ذرا پڑھو تو میرے ساتھ مل کر:۔

سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس کو تنگ کرتے تھے!
سلام اس پر وطن والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر جو دشمن پر بھی رحم و فضل فرمائے
سلام اس پر کہ جس نے رحمتوں کے پھول برسائے

ہر چیز کیلئے رحمت

میرے بزرگو! دیکھا آپ نے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دوست دشمن کے لئے کس قدر رحمت ہیں؟ اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور "عٰلمین" میں جو چیز بھی

ہے وہ حضور کی رحمت سے مستفید ہے۔ حضور کے وجود باوجود سے عالم کا ذرہ ذرہ فیضیاب ہوا۔ وہ زحمتیں، جو حضور سے قبل دنیا میں تھیں۔ وہ سب جاتی رہیں۔ حضور کے تشریف لانے سے قبل تمام روئے زمین پر قحط سالی مسلط تھی۔ درخت خشک۔ زمینیں غیر آباد۔ اور جانور لاغر ہو رہے تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی۔ تو قریش جو قحط کی شدت میں تھے۔ آپ کی برکت سے نو نہال ہو گئے۔ زمین پر سبزے کی بہار ہوئی۔ ہر جانب سے خیر و برکت نمودار ہوئی۔ درختوں میں پھل آیا۔ تمام جہان میں ارزانی ہوئی۔ بھیڑ بکریوں۔ گائے بھینسوں میں طاقت آئی۔ ان کا دودھ حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ عرب والوں نے اس سال کا نام ہی سنۃ الفتح والابتھاج رکھا۔ ؎

عجب خیر و برکت کا آیا یہ سال ہوا جس کے آنے سے عالم نہال
تھے اہل عرب قحط سالی سے تنگ اڑا شدتِ غم سے چہرے کا رنگ
نزول اُن پہ اب حق کی رحمت ہوئی عیاں ہر طرف خیر و برکت ہوئی
چھٹے قحط کی سختیوں سے قریش لگے ہونے ہر گھر میں سامانِ عیش
پھلے باغ اور خشک سالی گئی کدورت دلوں سے نکالی گئی
زمیں پر تمام آیا سبزہ نکل درختوں میں خوب آیا کثرت سے پھل
گئے باغ جنت کے دروازے کھل
معطر ہوئے ارض و افلاک کل

دافع البلاء میرے بزرگو! یہ جو دنیا کی ساری زحمتیں دور ہو گئیں۔ اسی رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے، اور خوب یاد رکھئے! کہ رحمت کا کام ہی یہ ہے۔ کہ وہ زحمت کو دور کر دے۔ اور اگر مصیبت ومشکل کے وقت حضور کام نہ آئیں۔ جیسا کہ گستاخوں کا عقیدہ ہے۔ تو پھر وہ رحمت ہی کب ہوئے؟ لہٰذا! مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور یہی حقیقت ہے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لئے رحمت یعنے دافع البلاء بن کر تشریف لائے ہیں۔ آپ رنج ومصیبت کو دور فرماتے، اور اپنی رحمت سے مسرور فرماتے ہیں۔ اور یہ میں ہی نہیں کہتا۔ خود خداوند کریم کا ارشاد ہے :-

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (پ ۹ ع ۹) وہ جو غلامی کریں گے۔ اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دیگا۔ اور برائی سے منع فرمائے گا۔ اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا"

دیکھ لیجئے! اس آیت میں صاف صاف ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ رسول کریم نبی عظیم صلی اللہ علیہ وسلم جس کا ذکر توراۃ اور انجیل میں بھی ہے۔ آمر بھی ہے ناہی بھی ہے۔ شارع بھی ہے۔ اور تکلیفوں کے بوجھ بھی اتارتا ہے۔ اور مصیبتوں کے پھندے بھی کاٹتا ہے۔ گویا دافع البلا ہے۔ تو فرمائیے قرآن سے حضور کا دافع البلاء ہونا ثابت ہوا یا نہیں؟ پھر جو حضور کو دافع البلاء کہنا شرک کہتے ہیں۔ خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔ کہ جھوٹ کہتے ہیں۔ یا نہیں؟ ہمارا تو قرآن کے ارشاد وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ کے مطابق ایمان ہے کہ ؎

شافع امت نافع خلقت　　رافع رتبہ بڑھاتے یہ ہیں
دافع یعنی حافظ و حامی　　دفع بلا فرماتے یہ ہیں
فیض جلیل خلیل سے پوچھو　　آگ میں باغ کھلاتے یہ ہیں

آمر و ناہی اور شارع

میرے بزرگو! یہ جو آیت ابھی ابھی آپ نے سنی۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ علیہ وسلم آمر و ناہی — اور شارع بھی ہیں۔ یعنی آپ پاک چیزوں کو ہمارے لیئے حلال فرماتے ہیں۔ اور ناپاک چیزوں کو حرام فرماتے ہیں۔ گویا آپ ہی کی زبانِ حق ترجمان ہمارے لیئے شریعت ہے۔ آپ جو فرمادیں وہی ہوجاتا ہے

اور امت کے لئے شریعت بن جاتا ہے۔

حج چنانچہ آئیے اس حقیقت کو ایک حدیث میں بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا۔ اور فرمایا:۔

اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَیْکُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَ لَمَا اسْتَطَعْتُمْ ـــ (مشکوٰۃ شریف ص۲۱۳) ـــ "اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے۔ لہذا حج کیا کرو۔ ایک شخص نے پوچھا کیا ہر سال یا رسول اللہ! حضور خاموش رہے۔ اس شخص نے تین بار یہی سوال کیا۔ حضور نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا۔ تو ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا۔ اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے"

حضرات! اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے اگر ہاں نکل جاتی۔ تو ہم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ گویا آپ کا ارشاد ہی امت کے لئے شریعت ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ جب کہ اس زبان سے نکلتی ہی وہ بات ہے۔ جو اللہ کی مرضی کی ہو۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:۔

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ (پ۲۷ ع ۵)۔
اور وہ کوئی بات ہی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے"

معلوم ہوا۔ کہ حضور جس کام روک دیں۔ اس کام پر اللہ بھی ناراض ہے اور جس کام کا حضور ارشاد فرمائیں۔ خدا بھی اسی کام پر خوش ہے ؎

جنابِ مصطفٰے ہوں جس سے ناخوش ٭ نہیں ممکن کہ ہو اس سے خدا خوش
پسندِ حق تعالٰے تیری ہر بات ٭ ترے انداز خوش، تیری ادا خوش

میرے بزرگو! اور دوستو!! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آمر و ناہی۔ اور شارع ہونا ایک واقعہ اور حقیقت ہے۔ مگر اس دور الحاد میں ایک

کافرانہ عقیدہ یہ بھی پھیلایا جا رہا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم (معاذ اللہ) شارع نہیں ہیں۔ آپکے ارشاد سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہے قرآن ہیں ہے۔ اور حدیث کوئی شے نہیں (معاذ اللہ) چنانچہ یہ عقیدہ آج کل کے ملحدین قرآن کا لبادہ اوڑھ کر انکارِ حدیث کے سلسلہ میں پھیلا رہے ہیں اور صاف لکھ رہے ہیں۔ کہ حدیث ایک سحر ہے۔ اور اس کو آگے لانا ملّا کی ایجاد ہے۔ اور ہمارا جھگڑا ملّا سے اسی بات پر ہے۔ کہ وہ حدیث کو آگے کیوں لاتا ہے، چنانچہ اس قسم کا ایک منکرِ حدیث لکھتا ہے:۔

"آج ساری ملتِ اسلامیہ حدیث کی اس ساحری میں گرفتار ہو چکی ہے"

(طلوعی کتابچہ دو اسلام صلہ)۔" ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لا کر بے شمار ظواہر کو جزوِ اسلام بنانا چاہتا ہے" (صلہ)

دیکھا آپ نے! یہ یورپ زدہ طبقہ۔ حیوانوں کی طرح کھڑے ہو کر موتنے والا گروہ حدیثِ رسول اللہ علیہ و سلم کے متعلق کیسے ناپاک خیالات رکھتا ہے۔ ان لوگوں کا مقصد یہ ہے۔ کہ حدیثِ رسول کو برطرف کر کے قرآن میں اپنی من مانی کاروائیاں کی جائیں۔ اور حلال حرام کا امتیاز اڑا کر گویا اس شعر کے مطابق عیش اڑائیں۔ کہ ؎

کہاں کا حلال اور کہاں کا حرام
جو صاحب کھلائے وہ چٹ کیجئے

اور یہی وہ لوگ ہیں جن کا گویا ترانہ یہ ہے کہ ؎

منظور ہے کہ سیم تنوں کا وصال ہو
مذہب وہ چاہیئے کہ زنا بھی حلال ہو

چنانچہ دیکھ لیجئے۔ کہ قرآن پاک میں حلال و حرام کی فہرست بہت مختصر ہے۔ اس کی تفصیل تو بارشادِ قرآن يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔ حضور ہی کی زبان پاک سے معلوم ہوئی۔ اور وہ ساری تفصیل احادیث شریفہ میں ہے۔ اور ان لوگوں نے احادیث کا انکار کر کے گویا

اپنے لئے کھانے پینے میں آزادی حاصل کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ اسی لئے انہوں نے لکھ دیا ہے۔ کہ قرآن میں مردار ۔ خون ۔ سوٗر کا گوشت اور بوقت ذبح غیر خدا کے نام سے پکارا ہوا جانور صرف یہ چار چیزیں حرام بیان کی گئی ہیں۔ اور ـــ" ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں۔ خدا کہتا ہے۔ ہم نے صرف چار

چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ۔ ملّا کی شریعت حرام و حلال کی ایسی ایسی لمبی لمبی فہرستیں پیش کرتی ہے۔ کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔" (طلوع اسلام ماہ جون ۵۳ء)

کچھ سمجھے آپ؟ "ملا کی شریعت" کی آڑ میں "حدیث رسول" پر وار ہو رہا ہے۔ کیونکہ ان چار چیزوں کے علاوہ دوسری ناپاک چیزیں اللہ کے رسول نے حدیث میں حرام قرار دی ہیں۔ اور ملا انہیں کو پیش کرتا ہے۔ مگر چونکہ حدیث رسول پر ایمان نہیں رہا۔ اس لئے ان چار چیزوں کے سوا ان کے لئے سب کچھ حلال ہے گویا کتا ۔ بلا ۔ بندر ۔ گدھا ۔ سانپ ۔ بچھو ۔ گوہ ۔ موت ۔ پیپ وغیرہ اور جملہ خبیث درندے ۔ پرندے اور گندی چیزیں سب کچھ ان کے لئے حلال ، طیّبہ ، طاہر اور شیر مادر ہیں۔ پھر آگے لکھتے ہیں:-

"اللہ نے جو چیزیں حرام قرار نہیں دی ہیں۔ ان میں سے طبیعت کی رغبت اور پسند کے مطابق کھائی جا سکیں۔" (رسالہ مذکور)

گویا کسی منکر حدیث رسول کی طبیعت کتا کھانے پر چاہے تو بیشک کھائے۔ اور دوسرے کی رغبت اگر گوہ تناول فرمانے پر ہو ۔ تو بیشک تناول فرمائے ۔ اس صورت میں منکرین حدیث کا قومی ترانہ یہ موزوں رہے گا کہ ؎

اے پیٹ تیرے واسطے ہم کیا سے کیا بنے
منکر حدیث کے ہوئے اور بے وفا بنے
ملا کی بات چھوڑ طبیعت کا دیکھ رُخ
گوہ ، موت اور کتا و بندر غذا بنے

قدرت کا انتقام

میرے بھائیو! اگر غور کیا جائے ۔ تو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے منہ کی اس دنیا میں بھی یہ

سزا ملی ہے۔ کہ اے گستاخ منہ! تجھ سے جب یہ ناپاک کلمے نکلے ہیں۔ تو لے یہ ناپاک چیزیں کھا۔

تقویۃ الایمان

حضرات! یہ تو ذکر تھا منکرین حدیث چکڑالویوں کا مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے۔ کہ وہابیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضور کا ارشاد شریعت نہیں ہے۔ چنانچہ دیکھئے ان کی مذہبی کتاب تقویۃ الایمان کیا کہتی ہے؟ اس میں صاف یہ لکھا ہے۔ کہ

"یا خود پیغمبر کو یوں سمجھے۔ کہ شرع انہیں کا حکم ہے۔ ان کا جو جی چاہتا تھا۔ اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے۔ اور وہی بات انکی امت پر لازم ہو جاتی تھی۔ سو ایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے (تقویۃ الایمان صفحہ ۲۳)

دیکھ لیجئے! تقویۃ الایمان نے بھی وہی کچھ لکھ دیا۔ جو کچھ منکرین حدیث کا عقیدہ ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے۔ کہ تشریع رسالت کے انکار کی سزا میں اگر منکرین حدیث نے گندی چیزیں کھائی تھیں۔ تو اسی قسم کی سزا ان لوگوں کو بھی ملی۔ چنانچہ ان لوگوں کے قطب ـــــ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے کسی نے سوال کیا۔ کہ گاؤں کی اوجھڑی اور بکرے کے کپورے کھانے درست ہیں یا نہیں؟ تو مولوی صاحب نے جواب دیا۔

الجواب۔ درست ہیں ۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۱۶ ج ۳)

حضرات! عبرتناک نظارہ ہے۔ جس منہ سے گیارہویں شریف کے طیب و طاہر کھانے کے متعلق ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ صادر ہوتا تھا۔ اس منہ میں دیکھئے کیا نظر آ رہا ہے۔

اور سنئے ـــــ! سائل پوچھتا ہے۔ کہ کوا کھانے والے کو عذاب ہوگا یا ثواب؟ گنگوہی صاحب جواب دیتے ہیں:۔

الجواب:۔ ثواب ہوگا۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۴۳ ج ۲)

یہ ہے قدرت کا انتقام! کہ تشریع رسالت کے انکار کی سزا میں کسی کو کتا۔ بلا۔ بندر اور گوہ۔ موت کھانا پڑا۔ اور کسی کو کپورے اور کوے۔ لہذا اے مسلمانو! اپنا ایمان مضبوط رکھو۔ اور اس بات پر یقین رکھو۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم آمر و ناہی اور شارع ہیں۔ آپ جو کچھ بھی ارشاد فرمائیں وہ ہمارے لئے شریعت ہے۔

ہاں! تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں۔ اور رحمت کا کام زحمت کو دور کرنا ہے۔ بنابریں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کی زحمتوں کو دور فرمایا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مصیبت کے وقت حضور ہی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ سنئے:۔

بالکل سفید آنکھوں میں نور پیدا کردیا

حضرت حبیب بن فدیک رضی اللہ عنہ کے والد اسی سال کے تھے اور بالکل نابینا ہوگئے تھے۔ حدیث میں آتا ہے۔

اِنَّ اَبَاہُ خَرَجَ بِہٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ ایک دن حبیب بن فدیک کے والد اپنے بیٹے کے ساتھ حضور علی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نابینا آنکھیں پیش کیں۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ انہیں کیا ہوا۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور! آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں مگر ایک دن ایک سانپ کے انڈے پر میرا پاؤں جا پڑا۔ تو اسی وقت دونوں آنکھیں اندھی ہوگئیں"

فَنَفَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَیْنَیْہِ فَاَبْصَرَ وَ هُوَ یُدْخِلُ الْخَیْطَ فِی الْاِبْرَۃِ۔ (رحمۃ اللہ علی العالمین ص۲۲)"۔
"حضور نے ان کی آنکھوں میں اپنا تھوک مبارک ڈالا۔ تو وہ فوراً دیکھنے لگے۔ اور نظر اس قدر تیز ہوگئی۔ کہ سوئی میں دھاگا ڈال لیتے تھے"

دیکھا مسلمانو! صحابہ کرام مصیبت کے وقت حضور کے پاس ہی پہنچتے تھے اور وہیں سے رحمت پاتے تھے۔ اور پھر یہ بھی دیکھو کہ حضور بھی یہ نہیں فرماتے۔ کہ میرے پاس کیا لینے آتے ہو۔ جو کچھ لینا ہے۔ خدا سے لو۔ نہیں نہیں۔ صحابہ کا تو ایمان ہی یہ تھا۔ اور حضور کی بھی تعلیم یہی تھی کہ سے

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مَفر مقر ! !
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

زخموں کو اچھا کر دیا

اور سنئے ! حضرت حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کو ایک جنگ میں سر اور ٹانگوں میں تلوار کے بڑے بڑے زخم آگئے۔ حدیث کے لفظ ہیں۔ فاحتملوہ فجاؤا بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " صحابہ کرام اسے اٹھا کر حضور کے پاس لے آئے "

دیکھ لیجئے ! اس مصیبت میں صحابہ کرام کہاں پہنچے۔ حدیث میں موجود ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کے پاس۔ پھر کیا ہوا۔ سنیئے !

فَتَفَلَ عَلٰی جُرْحِہٖ فَلَمْ یُؤْذِہٖ ۔ "حضور نے اس کے زخموں پر تھوک مبارک ڈالا۔ تو وہ اچھے ہو گئے " (کتاب مذکور ص۲۲۴)

ٹوٹی ہوئی ٹانگ درست کر دی

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی کوٹھے پر سے گر جانے کے سبب ٹانگ ٹوٹ گئی۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

فَحَدَّثْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ تو میں نے اپنی یہ تکلیف حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کی "

دیکھ لیجئے۔ تکلیف کا بیان ازالہ تکلیف کے لئے کس کے سامنے کیا؟ حضور کے سامنے پھر کیا ہوا؟

فَقَالَ ابْسُطْ رِجْلَکَ فَبَسَطْتُھَا فَمَسَحَھَا فَکَاَنَّھَا لَمْ اَشْتَکِھَا قَطُّ (کتاب مذکور ص۲۲۵) حضور نے فرمایا ٹانگ پھیلاؤ۔ میں نے پھیلائی۔ تو حضور نے اپنا دستِ رحمت اس پر پھیرا۔ تو میری ٹانگ اس طرح ٹھیک ہو گئی۔ جیسے کبھی ٹوٹی ہی نہ تھی "

مسلمانو ! اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ صحابہ کرام مصیبت کے وقت حضور کے پاس پہنچتے تھے۔ آخر کیوں؟ صرف اس لئے کہ یہی بارگاہِ رحمت ہے۔ زحمتوں کا ازالہ اسی درِ رحمت سے ہو سکتا

ہے۔ اسی لئے صاحب قصیدہ بردہ شریف نے بھی لکھا ہے کہ ؎

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِی مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ
سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

"یعنی اے بہترین خلائق صلے اللہ علیہ وسلم، میں مصیبتوں کے وقت آپکے سوا اور کس کی پناہ میں جاؤں۔ یعنی اہل مصائب کی جائے پناہ صرف ایک آپ ہی کی تو ذات ہے۔"

حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کو لاعلاج بیماری سے شفا دیدی

میرے بزرگو! حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ، جو بہت بڑے امام و محدث ہیں اور بخاری شریف کے شارح بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب مبارک مواہب لدنیہ میں اپنی ایک بیماری کا اور اس سے شفا کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سنیئے! امام موصوف فرماتے ہیں۔ کہ "مجھے ایک ایسی بیماری لگ گئی۔ جس کا علاج کر کرکے طبیب تھک گئے۔ اور انہوں نے اس بیماری کو لاعلاج قرار دے دیا۔ فرماتے ہیں۔ کہ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ کی اٹھائیسویں شب کو میں نے مکہ معظمہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔ اور مدد چاہی ـــــ امام موصوف کے الفاظ یہ ہیں:۔

فَاسْتَغَثْتُ بِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ الثَّامِنِ وَالْعِشْرِیْنَ مِنْ جُمَادَی الْاُوْلٰی سنۃ ثلاث وَتِسْعِیْنَ وَثَمَانَ مِائَۃٍ بِمَکَّۃَ زَادَھَا اللّٰہُ شَرَفًا ـــــ میں نے اس بیماری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہی۔ جمادی الاولیٰ ۸۹۳ھ ہجری کی اٹھائیسویں شب کو مکہ معظمہ میں۔"

دیکھیئے! امام موصوف تین سو میل دور مکہ معظمہ میں بیٹھ کر حضور سے مدد مانگ رہے ہیں۔ اور بیماری کے ازالہ کے لئے فریاد کر رہے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو؟ جب کہ مسلمان کا ایمان ہی یہ ہے کہ ؎

فریاد امتی جو کرے حالِ زار کی ٭ ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

امام موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے جب فریاد کی تو:۔

فَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ مَعَهُ قِرْطَاسٌ يُكْتَبُ فِيهِ هٰذَا دَوَاءُ دَاءِ أَحْمَدَ بْنِ الْقَسْطَلَانِيِّ مِنَ الْحَضْرَةِ الشَّرِيْفَةِ بَعْدَ الْإِذْنِ الشَّرِيْفِ

میں سو رہا تھا۔ کہ ایک شخص آیا۔ جس کے پاس کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا۔ جس پر یہ لکھا تھا " یہ احمد بن قسطلانی کے مرض کی دوا ہے بارگاہِ شریف سے اذنِ شریف کے بعد "

امام موصوف فرماتے ہیں :-

ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ فَلَمْ أَجِدْ بِي وَاللّٰهِ شَيْئًا مِمَّا كُنْتُ أَجِدُهُ وَحَصَلَ الشِّفَاءُ بِبَرَكَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ——— پھر میں جاگا تو اللہ کی قسم مجھے جو بیماری تھی۔ وہ بالکل نہ رہی اور حضور کی برکت سے مجھے شفا ہو گئی " (مواہب لدنیہ ص۳۹۲ ج۲)

حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کو مرضِ فالج سے شفا دیدی

میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو!!! یہ ۱۹۲۱ء کی بات ہے۔ اور ایک دنیا جانتی ہے کہ والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر مرض فالج کا حملہ ہوا۔ اور آپ سخت بیمار ہو گئے۔ ان دنوں سیالکوٹ چھاؤنی میں ایک بنگالی ڈاکٹر تھا۔ جو بڑا قابل تھا۔ اُسے لایا گیا۔ اس نے حالت دیکھ کر مایوسی کا اظہار کیا۔ اور بتایا کہ فالج پیر بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ تاہم علاج کرتا ہوں۔ اس نے علاج شروع کیا۔ مگر بد دلی کے ساتھ۔ حضرت والد ماجد کی حالت یہ تھی۔ کہ دونوں ٹانگیں بالکل بے جان ہو چکی تھیں۔ کھڑے ہونا تو درکنار، بیٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ ہم سب بڑے پریشان تھے کہ والد ماجد علیہ الرحمۃ کا عشقِ رسول رنگ لایا۔ اور ایک عجیب کرشمہ کا ظہور ہوا۔ جسے اس بنگالی ڈاکٹر نے۔ کوٹلی والوں نے۔ ہندو اور مسلمانوں نے سیالکوٹ کے کئی باشندوں نے اپنے اور بیگانوں نے۔ الغرض سب نے دیکھا۔ اور میں نے اخبار الفقیہ امرت سر ۷ ستمبر ۱۹۲۱ء میں اس پیارے واقعہ کو شائع کردیا۔

حضرات! بات یہ ہوئی کہ ایک رات جبکہ والد ماجد سو رہے تھے اور

میں پاس بیٹھا پنکھا ہلا رہا تھا۔ اچانک سوتے میں حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں حیران رہ گیا۔ کہ یہ کیا بات ہے۔ اسی وقت والد ماجد بیدار ہوئے۔ اور مجھ سے پوچھا کہ تم نے کچھ دیکھا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ سوتے ہوئے رو رہے تھے۔ پھر رو کر فرمایا کہ حضور نبیِّ کریم رؤف و رحیم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ اور اپنے دستِ رحمت سے میری بند آنکھوں کو کھول کر فرمایا۔ کہ آنکھیں کھولو۔ اب ہم ایک دوسرے مریض کی جانب جا رہے ہیں۔"

والد ماجد نے پھر فرمایا کہ حضور میری آنکھیں کھول کر مجھے اچھا فرما گئے ہیں۔ مجھے اٹھاؤ۔ میں اب اچھا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت ہم نے انہیں کھڑا کیا تو یہ دیکھ کر فرطِ مسرت سے آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ کہ ٹانگوں میں طاقت آ گئی۔ اور بوجھ سہارنے لگی ہیں۔ ہم نے پھر لٹا دیا۔ اور صبح ہی والد ماجد نے چلنا شروع کر دیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس اعجازِ رحمت کا قصبہ بھر میں چرچا ہو گیا۔ اور لوگ بڑی خوشیوں کے ساتھ زیارت کو آنے لگے۔ بنگالی ڈاکٹر بھی یہ واقعہ سن کر حیران رہ گیا۔ دو ہی دن میں حضرت والد ماجد کو صحت ہو گئی۔ پھر اس خاص کرمِ رحمت کی خوشی میں ایک محفلِ میلاد کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں اکثر علمائے کرام و نعت خوانانِ عظام شریک ہوئے۔ سیالکوٹ اور مضافات کے اکثر احباب اس محفل میں شریک ہوئے۔ کوٹلی کے ہر فرد۔ زن و مرد نے اس میں شرکت کی۔ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی آئے۔ علماء کرام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دافع البلاء ہونے پر تقریریں کیں نعت خوانوں نے اسی موضوع پر نعتیں سنائیں۔ اور سب سے بعد حضرت والد ماجد نے خود روتے ہوئے اس خواب کا ذکر فرمایا۔ اور فرمایا۔ کہ اس واقعہ کے بعد کون کہہ سکتا ہے۔ کہ حضور رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم دافع البلاء نہیں ہیں۔ میری طرف دیکھ کر حضور کے دافع البلاء ہونے پر ایمان لاؤ۔ یہ واقعہ کوٹلی کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ سچ فرمایا اعلیحضرت نے ؎

ڈوبی ناؤیں تراتے یہ ہیں ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں

ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں ! چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
جلتی جانیں بجھاتے یہ ہیں ! روتی آنکھ ہنساتے یہ ہیں
ماتم گھر میں ایک نظر میں شادی شادی رچاتے یہ ہیں
لاکھوں بلائیں کروڑوں دشمن کون بچائے بچاتے یہ ہیں

ایک پیاسے قافلے کو سیراب فرما دیا

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں دشتِ عرب کے ایک پیاسے قافلے کا ذکر فرمایا ہے اور بتایا ہے۔کہ ان بیکس لوگوں کی کس طرح حضور رحمتِ عالم نے بر وقت امداد فرمائی۔ فرماتے ہیں۔ عرب کے ایک بیابان میں ایک بہت بڑا قافلہ جس میں چھوٹے بڑے سبھی تھے۔ اور ان کے جانور بھی تھے۔ پانی نہ ملنے کی وجہ سے زندگی سے مایوس ہو گیا۔ بھائیو! عرب کا بیابان اور پانی ؟ خطۂ عرب میں پانی کی بڑی قلت ہے۔ قافلے والوں کے پاس پانی ختم ہو گیا۔اور وہ زندگی و موت کی کشمکش میں پھنس گئے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

؎ درمیانِ آں بیاباں ماندۂ ! ؛ کاروانے مرگِ بر خود خواندۂ

"یعنی وہ قافلہ پیاس کے مارے موت کو دعوت دے رہا تھا"

؎ اشتراں شاں را زباں آویختہ ؛ خلق اندر ریگ ہر سو ریختہ

"اور ان کے اونٹوں کی (پیاس کے مارے) زبانیں لٹک رہی تھیں۔ اور ہر طرف مخلوق ریت پر پڑی ہوئی تھی"

؎ ناگہانے آں مغیثِ ہر دو کون ؛ مصطفٰے پیدا شدہ از بہرِ عون

"اچانک ان لوگوں کی مدد کے واسطے دونوں جہانوں کے فریاد رس، اور آقا و مولٰی حضور رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے"

مسلمانو! دیکھ لو! مولانا رومی علیہ الرحمۃ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہانوں کا فریاد رس کہہ رہے ہیں۔ اب اگر کسی کو توحید کا مروڑ اٹھے۔ تو وہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ کو مشرک کہے۔ بھائیو! حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم واقعی دونوں جہان کے فریاد رس ہیں۔ اللہ کی رحمت اگر کام نہ آئے

مصائب و آلام کو دور نہ فرمائے۔ تو وہ رحمت ہی کب ہوئی۔؟ مسلمانو! ہمارے حضور اللہ کی رحمت ہیں۔ اور وہ دو عالم کے لئے فریاد رس ہیں۔ یہی حقیقت ہے اور اسی پر ایمان رکھو۔

ہاں تو وہ قافلہ جو پیاس کے مارے مر رہا تھا۔ اپنی قسمت پر ناز کرنے لگا۔ جب اس نے دیکھا۔ کہ ہماری مدد کو رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے ہیں۔ تو اس کی جان میں جان آئی۔ سے

رحمش آمد گفت ہیں زو تر دوید ❊ چند یارے سوئے آں کثباں روید

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ حالت دیکھ کر رحم آ گیا۔ اور فرمایا۔ چند آدمی اس ٹیلے کی طرف جائیں۔"

سے کہ سیاہے بر شتر مشک آورد ❊ سوئے میر خود بزودی میبرود!

"ٹیلے کے اس پار ایک سیاہ رنگ کا حبشی غلام اونٹ پر رکھ کر پانی کی ایک مشک لا رہا ہے۔ اور اپنے آقا کی طرف جا رہا ہے"

سے آں شتربانِ سیہ را باشتر ❊ سوئے من آرید با فرمانِ مر!

"فرمایا اس حبشی کو اونٹ سمیت میرے پاس لے آؤ۔ اگر خوشی سے آئے تو بہتر۔ ورنہ پکڑ کر لے آؤ"

چنانچہ چند آدمی ٹیلے کے اس پار گئے تو دیکھا۔ واقعی ایک حبشی غلام پانی کی مشک لیئے اونٹ پر سوار جا رہا ہے۔

سے پس بدو گفتند مے خواند ترا! ❊ ایں طرف فخر البشر خیر الورٰے

"انہوں نے اس حبشی سے کہا۔ کہ تجھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں"۔

سے گفت من نشناسم اُو را کیست او ❊ گفت اُو آں ماہ روئے قند خو

"حبشی بولا میں نہیں جانتا وہ کون ہیں۔ وہ بولے کہ وہ حضور چاند کے چہرے والے اور میٹھی عادت والے ہیں"

سے نوعہا تعریف کردندش کہ ہست ❊ گفت مانا اُو مگر او ساحر است

الغرض صحابہ نے اس سے حضور کی طرح طرح کی تعریفیں کیں۔ مگر وہ

بولا۔ شاید وہی جادو گر ہے۔ جس کے چرچے ہو رہے ہیں۔ میں تو اس کے پاس نہیں جاؤں گا۔ صحابہ اسے پکڑ کر زبردستی حضور کی خدمت میں لے آئے۔ حضور علیہ السلام نے اس حبشی کو تسلی دی کہ گھبراؤ مت۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ اور تمہارا پانی بھی بالکل چھینا نہ جائے گا۔ تم ذرا یہ مشک میرے حوالے کرو۔ حبشی سے وہ مشک لے کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ رحمت اُس مشک پر پھیرا۔ اور پھر قافلے والوں سے فرمایا۔ کہ لو سب آ کر پانی پی لو۔ اور اپنی پیاسیں بجھا لو۔ خود بھی پیو۔ جانوروں کو بھی پلاؤ۔ اور اپنے سارے برتن بھی بھر لو۔ تاکہ راستے میں کام آئے۔ ؎

جملہ را از مشک او سیراب کرد ✿ اشتراں و ہر کسے زاں آب خورد

الغرض حضور نے اس مشک کے تھوڑے سے پانی سے ان سب کو سیراب کر دیا۔ اور اونٹوں اور سب لوگوں نے اس میں سے پیٹ بھر کر پانی پیا۔ اور مشک ویسی کی ویسی بدستور بھری ہوئی تھی۔ حبشی یہ معجزہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ اور والہانہ طور پر آگے بڑھا ؎

مصطفےٰ دستِ مبارک بر رخش ✿ آں زماں مالید کرد اُورا درخش

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے چہرے پر اپنا دستِ نور پھیرا۔ تو اس سیاہ رنگ حبشی کا سیاہ رنگ کافور ہو گیا۔ اور وہ نورٌ علیٰ نور ہو گیا۔ اور چمکنے لگا۔ ؎

شد سفید آں زنگی زادۂ حبش ✿ ہمچو بدرو روز روشن شد شبش!

وہ حبشی چودھویں کے چاند کی طرح سفید ہو گیا۔ اور اس کی رات دن بن گئی۔

پھر وہ حبشی مسلمان ہو گیا۔ اور اجازت لے کر اپنے مالک کے گھر پہنچا تو مالک نے پوچھا تو کون ہے۔ غلام بولا۔ میں آپ کا غلام ہوں۔ مالک نے کہا جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ میرا غلام تو کالا سیاہ ہے۔ غلام بولا۔ مگر میں اس کے پاس سے ہو کر آیا ہوں۔ جس نے ساری کائنات کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور فرما دیا ہے۔ پھر غلام نے اپنا سارا قصہ سنایا۔ جسے سن کر وہ

اس کا مالک بھی مسلمان ہو گیا۔

جانوروں کیلئے بھی رحمت

حضرات! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃٌ للعالمین ہیں۔ اور "عٰلمین" میں جانور بھی شامل ہیں۔ اس لئے ہمارے حضور جانوروں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ چنانچہ کتبِ حدیث میں ایک ہرنی کا واقعہ موجود ہے۔

ہرنی کا قِصّہ

طبرانی شریف کی حدیث ہے۔ کہ ایک جنگل کی ہرنی کسی شکاری کے جال میں پھنس گئی۔ اور رحمۃ للعالمین بھی اس جنگل میں آ پہنچے۔ ہرنی نے دیکھا۔ تو حدیث کے یہ لفظ ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا۔ اِذَا مُنَادٍ یُنَادِیْہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! — کوئی پکارنے والا

حضور کو پکار رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔ یا رسول اللہ!

حضور نے توجہ فرمائی۔ تو ہرنی جال میں پھنسی ہوئی نظر آئی۔ اور وہی پکار رہی تھی۔ حضور نے دریافت فرمایا۔ تو نے مجھے کیوں پکارا۔ تو ہرنی بولی۔

اُدْنُ مِنِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! — حضور ذرا میرے پاس تشریف لائیے۔"

حضور آگے بڑھے اور فرمایا:۔

مَا حَاجَتُكِ — تمہاری کیا حاجت ہے؟

گویا حضور حاجت روا ہیں۔ اور نہ صرف انسانوں ہی کے بلکہ جانوروں کے بھی۔ ہرنی نے عرض کیا۔ حضور میرے دو بچے ہیں۔ میں انہیں دودھ پلانے جا رہی تھی۔ کہ اس جال میں پھنس گئی۔ حضور! میرے بچے میری راہ دیکھ رہے ہونگے۔ آپ رحمتِ عالم ہیں اور میں بھی مستحق ہوں۔ مجھ پر رحم فرمائیے اور تھوڑی دیر کے لئے اپنی ضمانت پر مجھے اس جال سے رہا کرا دیجئے۔ تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا آؤں۔ حضور میں دودھ پلا کر پھر واپس آجاؤں گی۔ حضور نے فرمایا اچھا جا! اور بچوں کو دودھ پلا۔ اور دیکھ دودھ پلا کر پھر جلدی واپس آجانا۔ ہرنی نے عرض کیا۔ بہت اچھا حضور! اور چلی گئی۔ حدیث کے لفظ ہیں:۔

فَذَهَبَتْ فَأَرْضَعَتْ خَشْفَيْهَا ثُمَّ رَجَعَتْ — "ہرنی گئی اور

بچوں کو دودھ پلا کر پھر واپس آگئی۔"

دوستو! جانور جال سے چھوٹ کر پھر اس راہ سے بھی کنارا کرتے ہیں۔ مگر اللہ رے سلطنت مصطفےٰ کہ ہرنی کی یہ تاب نہیں۔ کہ وہ حکم سرکار پاکر واپس نہ آئے وہ ہرنی گئی۔ اور پھر واپس آگئی۔ شکاری نے یہ معجزہ دیکھا تو حیران رہ گیا حضور نے پھر اس شکاری سے فرمایا۔ اب تم اس ہرنی کو چھوڑ دو۔ شکاری نے کہا۔ بہت اچھا۔ اور ہرنی کو چھوڑ دیا۔

فَخَرَجَتْ تَعْدُوْا وَہِیَ تَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ — ہرنی دوڑتی ہوئی نکل گئی۔ اور یہ کہتی گئی کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور آپ (یارسول اللہ) اللہ کے رسول ہیں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص۴۶۱)

ہرنی کی مؤدب اولاد

یہ روایت نزہتہ المجالس کے ص۹۴ جلد ۳ پر بھی موجود ہے۔ اور نزہتہ المجالس میں اس روایت کے درج کرنے کے بعد ایک بزرگ کا اور واقعہ بھی لکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کے حضور حاضر تھا۔ کہ مسجد میں ایک ہرنی آگئی۔ اور قبر انور کے سامنے ہو کر اس نے اپنا سر جھکا دیا۔ گویا حضور کو سلام عرض کر رہی تھی۔ سلام عرض کرنے کے بعد پھر پیٹھ کئے بغیر الٹے پاؤں مسجد سے نکل گئی۔ اور اپنی پیٹھ قبر انور کی طرف نہ ہونے دی۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں۔ یہ ہرنی یقیناً اس ہرنی کی اولاد میں سے تھی۔ جسے حضور نے جال سے آزاد کرایا تھا۔

میرے بزرگو! یہ تو ایک جانور کا ادب ہے۔ کہ قبر انور کی طرف پیٹھ نہیں ہونے دی۔ اور ایک برائے نام مسلمان نجدی سپاہی بھی ہم نے دیکھے ہیں۔ جو روضۂ انور کے ساتھ پیٹھ لگا کر دن بھر بیٹھے رہتے ہیں۔ اور قبر انور کی طرف اپنی پیٹھ کئے رہتے ہیں۔

اونٹ کی فریاد

ایک اونٹ کا قصہ بھی سن لیجئے۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے

باغ میں تشریف لے گئے۔ اس باغ میں اونٹ تھا۔ اس اونٹ نے حضور کو دیکھا تو فریادی بن کر حضور کی خدمت میں آیا۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اس اونٹ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور وہ رو رو کر حضور سے کچھ فریاد کرنے لگا۔ حضور نے پوچھا۔ اس اونٹ کا مالک کون ہے ؟ ایک نوجوان نے عرض کیا حضور! یہ اونٹ میرا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ تو اس جانور کے باب میں اللہ سے نہیں ڈرتا ـــــ فَإِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ إِنَّكَ تُجِيْعُهُ ـ (حجۃ اللہ صفحہ ۲۹۵)

"اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو"

چڑیا کی فریاد

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم ایک سفر میں حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے ہمراہ تھے۔ کہ ہم ایک درخت کے پاس سے گزرے۔ اس درخت پر ایک چڑیا کے دو بچے تھے۔ ہم نے وہ پکڑ لیے۔ اُن بچوں کی ماں چڑیا نے دیکھا تو اڑتی ہوئی حضور کے سامنے آگری۔ اور فریاد کرنے لگی۔ حضور نے پوچھا۔ اس کے بچوں کو کس نے پکڑا ہے ؟ ہم نے عرض کیا۔ ہم نے یا رسول اللہ! فرمایا۔ جاؤ ان بچوں کو اپنی جگہ پر رکھ آؤ ـــــ (حجۃ اللہ صفحہ ۲۶۶)

دیکھا میرے بزرگو! جانور بھی اسی بارگاہِ رحمت میں آ کر اپنی فریادیں سناتے حاجتیں پیش کرتے۔ اور مرادیں پاتے ہیں۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں :-

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد	ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی اولاد
اسی در پہ شترانِ ناشاد	گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں
آستینِ رحمتِ عالم الٹے	کمر پاک پہ دامن باندھے
گرنے والوں کو کوچۂ دوزخ سے	صاف الگ کھینچ لیا کرتے ہیں

مدرسۂ دیوبند

میرے بزرگو! اس موقعہ پر یہ بات بھی سن لیجئے کہ احادیث سے ثابت ہے۔ کہ ہرنی، اونٹ اور چڑیاں سب حضور کی بارگاہِ رحمت میں حاضر ہوتے اور اپنی اپنی عرضیں پیش کرتے تھے۔ اور حضور ان کی فریاد رسی فرماتے تھے۔ معلوم ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم ان جانوروں کی زبان بھی جانتے تھے۔ جبھی تو یوں فرمایا۔ کہ اونٹ مجھ سے یہ کہہ رہا ہے

اور ہرنی یہ کہہ رہی ہے۔ تو مسلمانو! اب ذرا انصاف سے کہنا۔ کہ جو لوگ اپنے مدرسہ دیوبند اور دیوبندی مولویوں کی عظمت بیان کرنے کے لئے یہ کہنے لگیں۔ کہ حضور کو زبان اردو ہمارے مدرسہ دیوبند اور ہمارے مولویوں کی وجہ سے آگئی۔ وہ پرلے درجے کے گستاخ اور بیوقوف ہیں یا نہیں؟

میرے سنی بھائیو! دیکھو عبارت یہ ہے:۔

ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا۔ یہ کلام کہاں سے آگئی؟ آپ تو عربی ہیں۔ فرمایا جب سے علمائے مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا۔ ہم کو یہ زبان آ گئی۔ (براہین قاطعہ ص۲۶)

دیکھا آپ نے؟ ان دیوبندیوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عالم ما کان و مایکون ہیں۔ اور اولین و آخرین کے علوم کے منبع و مخزن ہیں اور جو جانوروں تک کی زبان کے جاننے والے ہیں۔ انہیں زبانِ اُردو سے ناواقف بتا کر پھر اپنے مدرسہ دیوبند اور اپنے دیوبندی مولویوں کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے یہ خواب گھڑ لیا کہ حضور نے (معاذ اللہ) فرمایا۔ کہ مجھے یہ زبان ان دیوبندی مولویوں اور مدرسہ دیوبند کی وجہ سے آگئی ہے۔ توبہ! توبہ!!

سے

قادیانی کی طرح خواب سناتے نجدی
ذاتِ بے عیب کو یہ عیب لگائے نجدی
جن کو اللہ نے ہر شے کا بنایا عالم
اپنے مُلّوں سے انہیں اردو پڑھاتے نجدی

تعلیم رحمت

میرے بھائیو! ہمارے حضور علیہ اللہ علیہ وسلم جو رحمتِ عالم بنکر تشریف لائے ہیں۔ آپ کی تعلیم بھی تعلیم رحمت ہے۔ آپ نے اللہ کی مخلوق پر رحم فرمانے کی تاکید فرمائی۔ اور فرمایا:۔

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ — (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۳)

"جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ اس پر رحم نہ کرے گا۔"

اسی حدیث کا ترجمہ یہ شعر ہے سے

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

مسلمانو! حضور علیہ السلام کی اس تعلیم رحمت میں ہزارہا خوبیاں ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر بزرگان دین جو حضور کے صحیح معنوں میں متبع تھے۔ ان رحمت و شفقت علی الخلق کامل طور پر نظر آتی ہے۔ اُن نفوس قدسیہ نے حتی الامکان اللہ کی مخلوق پر رحم ہی فرمایا۔ اور خود تکلیف اٹھا کر بھی رحم علی الخلق کا دامن نہیں چھوڑا۔ حضور کی اس تعلیم رحمت نے بڑے بڑے جلالی مزاج والوں میں رحم و عفو کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جن کی جلالت و سطوت اور جن کا رعب و دبدبہ شہرۂ آفاق ہے۔ آپ ایک مرتبہ نماز تہجد ادا

فاروق اعظم کی ایک حکایت

کرنے کو مسجد میں آرہے تھے۔ کہ اندھیرے کے باعث ایک شخص کے پاؤں پر حضرت کا پاؤں آگیا۔ شاعر لکھتا ہے:۔

روایت ہے اک شخص کے پاؤں پر ؛ پڑا سہو سے پائے حضرت عمر!
کہا اس نے اندھا ہے لے بیخبر ؛ لگے معذرت کرنے حضرت عمر!
کہ اندھا نہیں میں خطاوار ہوں ؛ خطا بخشنے کا طلب گار ہوں

بزرگوں کے الطاف کو دیکھئے!
کہ کیا کیا کرم عاجزوں پر کئے

دیکھا آپ نے؟ آج ایک معمولی سپاہی کو بھی اس کی غلطی پر بھی ٹوکا جائے تو لینے کے دینے پڑجاتے ہیں۔ مگر فاروق اعظم! وہ فاروق اعظم جنکے نام سے قیصر و کسریٰ بھی کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جن کی سطوت و جلالت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ اپنی ایک لغزش پر ایک عامی سے معافی کے طلبگار ہوجاتے ہیں۔ اور اس کے اندھا کہہ دینے پر کوئی غصہ نہیں فرماتے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ اور ایک کتے کی حکایت

مسلمانو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم

رحمت سے بزرگانِ دین نے نہ صرف انسانوں ہی پر بلکہ جانوروں پر بھی رحم و شفقت فرما کر دکھایا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ نے ایک بار ایک کتے کا بچہ کیچڑ میں پڑا دیکھا۔ سردی سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ ایک حمام قریب تھا۔ وہاں لے جا کر اس کو غسل کرایا۔ اور پھر اُسے گرم جگہ رکھا۔

اور ایک مرتبہ یہی صاحب کہیں جا رہے تھے۔ کہ ایک چھوٹا راستہ جسے پگڈنڈی کہتے ہیں۔ اور جس پر بمشکل ایک آدمی ہی چل سکتا ہے۔ اس پر آپ چل رہے تھے۔ کہ اتفاقاً سامنے سے ایک کتا آ گیا۔ پگ ڈنڈی کی دونوں جانب کیچڑ اور نجاست تھی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اے کتے تو نیچے اتر۔ تاکہ میں نکل جاؤں۔ کتے نے جواب دیا۔ تعجب ہے کہ آجکل کے درویشوں میں تکبر پایا جانے لگا ہے۔ آپ نے اس وقت اپنے آپ کو اچھا سمجھا ہے اور مجھے حقیر۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ یہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے۔ کہ میں مکلف ہوں۔ تو مکلف نہیں۔ اگر میں نجاست میں آلودہ ہو گیا تو بے دھوئے نماز نہ پڑھ سکوں گا۔ اور دھونے سے مشقت میں پڑوں گا۔ اور اگر تو نجاست میں آلودہ ہو گیا۔ تو تیرا کوئی حرج نہیں۔ سوکھ کر پھر ویسا ہی ہو جائیگا۔ کتے نے جواب دیا۔ حضرت! یہ سچ ہے۔ مگر یہ یاد رکھئے۔ اگر آپ اتر گئے اور نجاست میں آلودہ ہو گئے۔ تو یہ نجاست ایک لوٹے سے دُھل جائے گی اور اگر میں نیچے اتر گیا۔ اور آپ پاک صاف نکل گئے۔ تو یاد رکھنا۔ کہ آپ کے دل میں تکبر و غرور پیدا ہو گا۔ اور وہ سات سمندر سے بھی نہ دُھل سکے گا۔ اب آپ کو اختیار ہے۔ اس بات سے حضرت شاہ صاحب پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور نیچے اتر گئے۔ اور کتا نکل گیا۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے ان بزرگوں نے کتوں تک پر رحم و شفقت فرمائی اور اس بات پر کوئی یورپ زدہ شخص اعتراض نہ کرے۔ کہ کتے نے کلام کیسے کر لیا بھائیو! آج اگر تمہارے گراموفون ریکارڈ تمہارے سامنے بول سکتے ہیں تو اللہ والوں سے جانور کیوں بات نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ والوں کی باتیں ہیں۔

اور ان کی کرامات حق ہیں۔

دوستو! یہ ہیں ہمارے اسلاف جن کے حالات آپ نے سنے اور ایک ہم بھی ہیں۔ جن کے حالات یہ ہیں ؎

شنیدم کہ مردانِ راہ خدا! دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ!
ترا کے میسّر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

آجکل کی قومی ہمدردی

بھائیو! آج کل اس ترقی یافتہ زمانہ میں بڑے بڑے لوگ ہمدردی کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ اور ہمدردِ قوم ہونے کے مدعی بنتے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ قوم سے ان کو نہ مناسبت ہے۔ نہ محبت۔ بنگلوں میں آبادی سے باہر رہتے ہیں۔ اور دنیا بھر کی غذائیں چائے، بسکٹ، ڈبل روٹیاں، پیسٹریاں۔ کیک۔ انڈے۔ پھل فروٹ وغیرہ سب کچھ رگڑ جاتے ہیں۔ اور ان کے غریب بھائی شہر میں ننگے۔ بھوکے پھرتے ہیں۔ اور ان کو خبر تک بھی نہیں۔ اگر کسی کے لئے کچھ خیر خواہی وغیرہ بھی کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے ہی جیسے امیروں کے لئے۔ تو اس کا نام قومی ہمدردی نہیں ہے۔ اس لئے کہ قوم نام ہے مجموعہ افراد کا۔ اور مجموعہ میں اعتبار اکثریت کا ہوتا ہے۔ اور اکثر افرادِ قوم میں یہی غریب لوگ ہیں۔ امیر تو بہت تھوڑے ہیں تو اس اعتبار سے قوم گویا غریبوں کا نام ہوا۔ تو قومی ہمدردی کے معنے یہ ہونگے غریبوں کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔ مگر وہ لوگ غریبوں سے ہمدردی کیا کرینگے جن کے خیال میں غریبی خود جرائم کی فہرست میں درج ہو۔ ہاں قومی ہمدردی رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَکٰی عَیْنُہٗ اِشْتَکٰی کُلُّہٗ وَ اِنِ اشْتَکٰی رَأْسَہٗ اِشْتَکٰی کُلُّہٗ ـــ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲۲) سارے مسلمان ایک آدمی کی طرح ہیں۔ جس کی آنکھ دکھے۔ تو سارا جسم ہی اس کا دکھنے لگتا ہے۔ اور اگر سر دکھے۔ تو سارا جسم اس کا دکھنے لگتا ہے"

اس حدیث کا ترجمہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے یہ اشعار ہیں:-

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ٭ کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بہ زد آورد روزگار ٭ دگر عضو ہا را نماند قرار

تو اے میرے بھائیو! قومی ہمدردی یہ ہے کہ قوم کا ایک فرد بھی پریشان ہو۔ تو ساری قوم پریشان نظر آنے لگے۔ مگر یہاں اس قسم کی ہمدردی؟ یہاں تو نفسی نفسی کا عالم ہے۔ خوب یاد رکھئے۔ آج جس قدر بھی مشکلات ہیں۔ ان سب کی وجہ یہی ہے۔ کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ آؤ! اور پھر مضبوطی سے اسی دامنِ رحمت کو پکڑ لو۔ اور اس مادر پدر آزادی کو چھوڑ کر زلفِ نبی کے گرفتار بن جاؤ پھر دیکھو کہ ؎

ہو سلسلہ الفت کا جسے زلفِ نبی سے!
الجھے نہ کوئی کام نہ پابندِ بلا ہو!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پانچواں وعظ

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ؕ

اَمَّا بَعۡدُ

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ؕ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ (پ ۳۰ ع ۲۳)

اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو۔ اور قربانی کرو۔ بیشک جو تمہارا دشمن ہے۔ وہی ہر خیر سے محروم ہے ؕ

حضرات! آج میں نے آپ کے سامنے قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورت پڑھی ہے۔ یہ سورت اگرچہ بظاہر چھوٹی سی ہے۔ مگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا ایک سمندر اس میں موجزن ہے۔ قرآن پاک ایک ایسی جامع کتاب ہے۔ کہ اس کی چھوٹی سی عبارت میں بھی دین و دنیا کے مسائل

سمو دیئے گئے ہیں۔ اور یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے۔

بسم اللہ کی "ب" کا نقطہ

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ روح البیان میں لکھتے ہیں۔ کہ سارے علوم قرآن پاک میں ہیں۔ اور قرآن پاک کے سارے علوم سورۃ فاتحہ میں ہیں۔ اور سورۃ فاتحہ کے سارے علوم "بسم اللہ" میں ہیں۔ اور "بسم اللہ" کے سارے علوم بسم اللہ کی "ب" میں ہیں۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ جو باب مدینۃ العلم ہیں وہ فرماتے ہیں۔ اَنَا النُّقْطَۃُ تَحْتَ الْبَاءِ "ب" کے نیچے کا نقطہ میں ہوں۔ (روح البیان ج۱ ص۳) گویا بسم اللہ کی ب کا نقطہ بھی اسرار و علوم کا ایک منبع و مخزن ہے۔ اور اس ایک نقطہ میں بھی کئی علوم مضمر ہیں۔

ریلوے ٹائم ٹیبل کا نقطہ

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ ایک مرتبہ راولپنڈی کے ایک جلسہ میں میں نے یہی روایت بیان کی۔ تو ایک جنٹلمین نے تقریر کے بعد مجھ سے سوال کیا۔ کہ مولانا یہ روایت کچھ عجیب سی ہے۔ کہ ایک نقطہ میں سب کچھ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میرے پاس ریلوے ٹائم ٹیبل تھا۔ میں نے اس میں سے ریلوے لائن کے نقشے کا صفحہ اس کے سامنے رکھ کر پوچھا۔ فرمایئے۔ اس میں لاہور کہاں ہے؟ اس نے ایک جگہ انگلی رکھ کر بتایا۔ کہ لاہور یہ ہے۔ میں نے کہا یہ کہاں؟ تو بولا۔ یہ میری انگلی کے نیچے۔ میں نے کہا۔ ہوش سے بات کیجئے۔ اتنا بڑا لاہور۔ آپ کی انگلی کے نیچے کیسے آگیا۔ تو بولا یہ جو نقطہ سا ہے۔ یہی لاہور ہے۔ میں نے کہا۔ تو آپ کے سوال کا جواب ہوگیا۔ یہ جو ٹائم ٹیبل کا نقطہ ہے۔ اس کی حیثیت یہ ہے کہ آپ اسے لاہور کہہ رہے ہیں۔ گویا انارکلی بازار اسی نقطہ میں ہے۔ کشمیری بازار اسی ایک نقطہ کے اندر موجود ہے۔ تو اگر آپ کے ریلوے ٹائم ٹیبل کے ایک نقطے میں اس قدر جامعیت ہے۔ تو ربّ کائنات کی جامع کتاب قرآن پاک کے نقطے کی جامعیت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ اس میرے الزامی جواب پر وہ خاموش ہوگیا۔ بہرحال یہ سورت اس کتاب پاک کی ہے۔ جس میں سب

کچھ ہے۔ یہ الگ بات ہے۔ کہ ہماری ناقص عقلیں قرآن پاک کے جملہ علوم تک نہ پہنچ سکیں۔ مگر قرآن پاک میں دین و دنیا کی جملہ مشکلات کا حل موجود ہے۔

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

ایک بوڑھے باپ کی حکایت

حضرت امام محمد رضی اللہ عنہ جو ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان کے زمانہ میں ایک لاولد بوڑھا آدمی تھا۔ آخری عمر میں اس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ بوڑھا مارے خوشی کے آپے سے باہر ہوگیا اور خوشی میں قسم کھا بیٹھا۔ کہ خدا کی قسم میں اپنی اس بچی کو جہیز میں دنیا بھر کی ساری چیزیں دوں گا۔ اور لڑکی جب بڑی ہو گئی۔ اور اس کی شادی ہونے لگی۔ تو بڈھے کو اس کی قسم یاد دلائی گئی۔ اب وہ حیران ہوا کہ دنیا کی ساری چیزیں تو جہیز میں دینا میرے بس کی بات نہیں۔ اب قسم کیسے پوری کروں؟ حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تم جہیز میں قرآن پاک دیدو۔ قرآن دیا تو گویا دنیا کی سب چیزیں دے دیں۔ دیکھا آپ نے کیسا عجیب فیصلہ ہے۔ واقعی قرآن پاک دین و دنیا کی ساری برکتوں پر حاوی ہے۔

آجکل کا جہیز

مگر یہ تو پرانی باتیں ہیں۔ جب کہ لوگ جہیز میں قرآن پاک دیا کرتے تھے۔ اب تو جہیز میں ویڈیو سیٹ اور گراموفون دیا جاتا ہے۔ کہ لے بیٹی! دن رات گانے ہی سنتی رہنا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آج کل کی لڑکیاں قرآن و حدیث کے علاوہ گھر کا کام کاج بھی نہیں جانتیں۔ ہاں گانے بجانے کی باتوں میں ماہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ میں نے "آجکل" کی ایک نظم میں لکھا ہے: ؎

ڈیجرس ہی ڈیجرس ہیں عضو سب ٭ سرخ تلوے سرخ ناخن سرخ لب
ہو نہ ہو سینے پرونے کی تمیز ٭ ناچنے گانے کا ہو لڑکی کو ڈھب

لطیفہ

ایک پرانے زمانے کی بڑھیا نے اپنی پوتیوں اور نواسیوں میں

بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات کہی۔ کہ "آجکل" کی لڑکیاں تو "سوئی" کو بھی نہیں جانتیں۔ کہ وہ کس مصرف کے لئے ہے۔" یہ سن کر اس کی ایک پوتی بولی۔ دادی جان۔ جانتیں کیوں نہیں۔ میں بتاتی ہوں۔ سوئی سے ریکارڈ بجایا جاتا ہے۔" دیکھا آپ نے! بڑھیا تو کپڑے سینے کی سوئی کا کہہ رہی تھی۔ مگر پوتی نے گراموفون ریکارڈ کی سوئی سمجھ لیا۔

میرے بزرگو! قرآن کو اپناؤ! اپنی اولاد کو قرآن سکھاؤ۔ اور اپنی بچیوں کو قرآنی زیور و لباس جہیز میں دو۔ یہ جو دنیاوی نمائش کے لئے جہیز دیا جاتا ہے۔ اور نمائش کا لفظ میں نے اس لئے اختیار کیا ہے۔ کہ جہیز میں زیادہ تر نمائش ہی مقصود ہوتی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ بازار سے جب جہیز کا سامان خریدنے کے لئے جاتے ہیں۔ تو دکاندار یہ پوچھتے ہیں۔ کہ یہ سامان استعمال کے لئے چاہیئے۔ یا جہیز میں دینے کیلئے؟ گویا جہیز کا سامان استعمال کے قابل نہیں ہوتا۔ ہاں نمائشی ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جہیز کا سامان عموماً پڑا خراب ہی ہو جاتا ہے۔ استعمال کے وہ لائق ہی نہیں ہوتا۔ نمائش جو اس سے مقصود تھی۔ وہ حاصل ہو گئی۔ اب بجز اس کے کہ پڑا پڑا خراب ہوتا رہے۔ اور کس کام کا؟ ہاں تو آج کل جو نمائشی جہیز دیا جاتا ہے۔ اس کا کیا فائدہ؟ جب کہ اسلامی تہذیب کا کوئی زیور اس جہیز میں نہ ہو۔

خاتونِ جنّت کا جہیز

حضور سلطانِ دارین صلے اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر، حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا جہیز دیکھئے۔ شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ ؎

متاعِ دنیوی جو حصۂ زہرا میں آئی تھی!
کھجوری کمر دے سے بان کی اک چارپائی تھی
مشقت عمر بھر کرنا لکھا تھا جو مقدر میں
ملیں تھیں چکیاں دو تاکہ آٹا پیس لیں گھر میں

باپ کے گھر سے آج کل کی لڑکیاں رنگ رنگ کا لباس پہن کر نکلتی ہیں۔ مگر شہنشاہِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا امتیازی

لباس ملاحظہ فرمائیے ؎

چلی تھی باپ کے گھر سے نبی کی لاڈلی پہنے
حیا کی چادریں عفت کا جامہ صبر کے گہنے

میں نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے ؎

دیکھئے اس قسم کے زیور سے ان کو پیار تھا
صبر کے کانٹے تھے اور تقویٰ گلے کا ہار تھا
تھیں ادھر پہنی ہوئیں صبر و رضا کی چوڑیاں
اور اُدھر پہنی ہوئیں شرم و حیا کی چوڑیاں

حضور علیہ السّلام کی اولاد کرام

حضرات! اس سورت کا شانِ نزول سننے سے قبل یہ بات معلوم کر لیجئے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دو صاحبزادے تھے۔ اور چار صاحبزادیاں۔ صاحبزادیوں کے چار ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں صاحبزادوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام قسطلانی علیہ الرحمۃ نے مواہب لدنیہ شریف میں لکھا ہے کہ متفق طور پر یہ بات ہے۔ کہ حضور کے دو ہی صاحبزادے تھے۔ حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ مگر بعض نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ طیب و طاہر بھی دو صاحبزادے تھے۔ بہرحال حضور کی صاحبزادیوں کے چار ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضور کی ان چار

چار صاحبزادیاں

صاحبزادیوں کے نام تھے۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ حضرت زینب کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص سے ہوئی۔ حضرت رقیہ اور ام کلثوم کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ پہلے حضرت رقیہ کی اور آپ کی وفات کے بعد پھر ام کلثوم کی۔ اسی واسطے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کہلاتے ہیں۔ اور اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے۔ ؎

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا!
ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا "اے عثمان! اگر میری سو لڑکی بھی ہو۔ اور ان کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوتا جائے۔ تو میں یکے بعد دیگرے تمہارے نکاح میں دیتا جاؤں۔ (مواہب لدنیہ ص۱۹۶ جلد ۱)۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی۔ اسی ایک روایت سے حضرت عثمان کی فضیلت ظاہر ہے۔ مگر ع

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے!

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ بلند ہے۔

روایاتِ شیعہ میرے بزرگو! حضور کی صاحبزادیوں کا چار ہونا کچھ ایسا متفقہ مسئلہ ہے۔ کہ اس میں شیعہ روایات بھی مختلف نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کی معتبر کتاب اصول کافی ہے:۔

تَزَوَّجَ خُدَیْجَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وَهُوَ بِضْعٌ وَعِشْرِیْنَ سَنَةٍ فَوَلَدَ مِنْهَا قَبْلَ مَبْعَثِهٖ قَاسِمٌ وَرُقَیَّةُ وَزَیْنَبُ وَاُمِّ کُلْثُوْم وَوَلَدَ بَعْدَ الْمَبْعَثِ الطَّیِّبُ وَالطَّاهِرُ وَالْفَاطِمَةُ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ۔ (اصول کافی ص۲۷۸ ج۱ سطر۳) — یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔ تو بعثت سے پہلے قاسم۔ رقیہ۔ زینب۔ ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اور بعثت کے بعد طیب و طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔

اور سنئے۔ حیات القلوب میں ہے:۔

"بر سند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است۔ کہ از برائے رسولِ خدا از خدیجہ متولد شدند۔ طاہر۔ قاسم۔ فاطمہ۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ زینب" (حیات القلوب ص۷۱۸ ج۲)

یعنی معتبر سند سے حضرت صادق سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے جو اولاد ہوئی۔ وہ یہ ہے۔ طاہر۔ قاسم۔ فاطمہ۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ اور زینب۔

کیوں دوستو! ایسے متفقہ مسئلہ میں آج اگر کوئی شخص اختلاف کرے۔ اور خواہ مخواہ یوں کہے۔ کہ حضور کی ایک ہی صاحبزادی تھی۔ تو وہ غلط گو ہوا یا نہیں؟ یقیناً ہوا۔ اور ایسے لوگ اس حقیقت کو اس لئے جھٹلاتے ہیں۔ تاکہ حضرت عثمان کی فضیلت ثابت نہ ہو جائے۔ مگر ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ بجز اس کے کہ اپنی ہی نادانی ظاہر کرتے ہیں۔ موٹی بات ہے۔ کہ خود خدا نے قرآن میں فرمایا ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ ـــــ (پ۲۲ ع ۵)

اے نبی! اپنی بیبیوں اور بیٹیوں سے فرما دے"

دیکھ لیجئے خدا نے یہاں "بَنٰتِكَ" جمع کے صیغہ سے فرمایا ہے کہ اپنی بیٹیوں سے فرما دے۔ اگر حضور کی ایک ہی بیٹی ہوتی۔ تو اللہ بِنْتِكَ" فرماتا۔ کہ اپنی بیبیوں سے اور بیٹی سے فرما دے۔ مگر اللہ تو جمع کے صیغے سے فرمائے کہ بیٹیوں سے فرما دے اور یہ خواہ مخواہ یہی کہتے چلے جا رہے ہیں۔ کہ حضور کی تو ایک ہی بیٹی تھی۔ میرے بزرگو! یہ لوگ خود تو قرآن کے تابع نہیں ہوتے۔ ہاں قرآن کو اپنے تابع کرنے کے لئے یوں کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ اللہ نے یہاں جمع کا صیغہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تعظیم کی خاطر ارشاد فرمایا ہے اگر یہ بات مان لی جائے۔ تو پھر کل کو کوئی یوں بھی کہہ دے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بھی ایک ہی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور قرآن میں "قُل لِّاَزْوَاجِكَ" جو اللہ نے جمع کے صیغہ سے ارشاد فرمایا ہے۔ وہ حضرت خدیجہ کی تعظیم کے لئے فرمایا ہے۔ تو بھائیو! جس طرح یہ بات غلط ہے۔ اسی طرح وہ بات بھی غلط ہے۔

حضرات! اس سورۂ کوثر کا شان نزول بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دو صاحبزادے تھے۔ ان میں سے مبلغ رجال تک کوئی نہ پہنچا۔ یعنی بالغ کوئی نہ ہوا۔ دونوں قبل بلوغت ہی وصال فرما گئے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے۔ کہ وہ صاحبزادے بالغ ہو کر یا نبی ہوتے یا نبی نہ ہوتے۔ اگر وہ نبی نہ ہوتے تو دشمن

ختم نبوت

اعتراض کرتے کہ دیکھو صاحب! پہلے نبیوں کی اولاد نبی ہوتی رہی۔ مگر ان کی اولاد نبی نہیں ہوئی۔ اور اگر نبی ہوتے تو حضور کی ختم نبوت میں فرق آتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان اعتراضات سے بچانے کے لئے کسی صاحبزادے کو بالغ نہ ہونے دیا۔

مرزائیوں کا فریب

میرے بھائیو! اس موقعہ پر مرزائی عموماً ایک روایت سنایا کرتے ہیں کہ:۔

لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا ط "اگر حضور کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے۔ تو نبی ہوتے"

اس سے وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں۔ کہ حضور کے بعد نبی آنے کا امکان تھا۔ جبھی تو کہا گیا ہے۔ کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ مگر چونکہ وہ زندہ نہ رہے۔ اس لئے نبی نہ ہوئے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ روایت بیشک ابن ماجہ میں موجود ہے۔ مگر یہ تو لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ پڑھنا اور "اَنْتُمْ سُکَارٰی" چھوڑ جانے والا قصہ ہے کہ اپنے مطلب کا جملہ پڑھ لیا۔ اور اگلا حصہ چھوڑ دیا۔ ذرا اس حدیث کے آگے جو دوسری حدیث ہے وہ بھی تو پڑھی ہوتی۔ دیکھئے اس حدیث میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

لَوْ قُضِیَ اَنْ یَّکُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیٌّ لَعَاشَ اِبْنُہٗ وَلٰکِنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ (ابن ماجہ ص۱۱۰) یعنی "اگر یہ بات مقدر ہوتی۔ کہ حضور کے بعد بھی کوئی نبی ہو سکتا ہے۔ تو حضور کے صاحبزادے زندہ رہتے۔ لیکن حضور کے بعد تو کوئی نبی نہیں"۔

میرے بھائیو! سنا آپ نے یہ ہے اصل حقیقت۔ مگر اس حدیث کو مرزائی نہ پڑھتے ہیں نہ سناتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری شریف میں بھی ہے۔ چنانچہ دیکھئے بخاری شریف ص۹۱۴ ج۲ باب من تسمی باسماء الانبیاء۔ اور ابن ماجہ میں اسی حدیث کے حاشیے پر لکھا ہے کہ:۔

اَلَّذِیْ اَخْرَجَہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ بَابِ مَنْ تَسَمّٰی بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِیَاءِ صَحِیْحٌ لَا شَکَّ فِیْ صِحَّتِہٖ (ابن ماجہ ص۱۱۰) یعنی جس حدیث کا

بخاری نے اخراج کیا ہے وہ بلا شک صحیح ہے "
اور جو حدیث مرزائی پیش کرتے ہیں یعنی لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا ——— اس کے متعلق جملہ محدثین نے لکھا ہے۔ کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

وَفِیْ سَنَدِهٖ اَبُوْ شَیْبَۃَ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ عثمان الواسطی وَهُوَ ضَعِیْفٌ
(مرقاۃ ص۲۹۵) وکذا فی مواہب لدنیہ ص۲۱ ج ۱) ——— یعنی اس کی سند میں ابو شیبہ راوی ہے۔ جو ضعیف ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔
" بصحت نرسیدہ و اعتبارے ندارد" (مدارج النبوۃ ص۲۶۷ ج۲)

تو میرے بھائیو! مرزائیوں کا یہ ایک فریب ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے بعد اگر کوئی نبی ہونا ممکن ہوتا۔ تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے اور نبی ہوتے۔ تو اس سورۃ کوثر کا شانِ نزول یہ ہے۔ کہ حضور کے صاحبزادوں کا انتقال ہو گیا۔ تو کافروں نے کہنا شروع کر دیا۔ کہ بس اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل باقی نہ رہے گی۔ اور آپ ابتر ہو گئے ہیں۔ (معاذ اللہ) ابتر؟ سے کہتے ہیں۔ جس کی نسل باقی نہ رہے۔ کافروں نے اپنے زعم باطل میں یہ سمجھ لیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نہ اب نسل باقی رہے گی۔ اور نہ ہی آپ کا ذکر و نام باقی رہے گا۔ کفار کی اس بکواس سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رنج و ملال ہوا۔ تو اللہ نے اپنے محبوب کی تسکین خاطر کے لیے یہ سورت نازل فرمائی اور فرمایا :-

شانِ نزول

" اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ "

یعنی اے محبوب! ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ یعنی آپ پر ہم نے بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں۔ ہر نعمت کثرت کے ساتھ آپ کو عطا فرمائی ہے۔ گویا یہ بے ایمان جو بکتے ہیں۔ کہ آپ ابتر ہو گئے ہیں۔ پیارے

یہ ان کی بکواس ہے۔ ہم نے ہر خیر و خوبی میں آپ کو کثرت عطا فرمائی ہے۔ پیارے تو نماز پڑھ اور دیکھ یہ جس قدر نمازی تیری اقتداء میں ہیں۔ یہ سب تیرے ہی نام لیوا، اور تیری ہی روحانی اولاد ہے۔ قربانی کے دنوں یعنے ایام حج میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے کھنچے چلے آنے والے سب تیرے ہی غلام ہیں۔ پیارے تیرا ذکر، تیرا نام تو ہمیشہ رہے گا۔ تیری نسل، تیری امت تیرے نام لیوا قیامت تک باقی رہیں گے۔ ہاں جو تیرا دشمن ہے۔ وہی نامراد مریگا۔ بے نام و نشان ہو جائے گا۔ اور کوئی اس کا نام تک لینے والا نہ رہے گا۔ گویا اے محبوب! جو تیرا دشمن ہے۔ اصل میں وہی ابتر ہے۔ ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!

ذکر مصطفےٰ

چنانچہ میرے دوستو! یہ حقیقت ہے۔ دیکھ لو۔ جس قدر چرچا اور جس قدر نام ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس قدر چرچا آج تک نہ کسی کا ہوا نہ ہوگا۔ عرش پر ہے تو حضور کا چرچا۔ فرش پر ہے تو حضور ہی کا چرچا۔ ؎

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

مسجدوں میں مدرسوں میں، اور خانقاہوں میں حضور ہی کا ذکر۔ گھروں میں شاہراہوں میں انہیں کا تذکرہ۔ کلمہ طیبہ میں۔ نمازوں میں دعاؤں اور اذانوں میں الغرض زمینوں اور آسمانوں میں انہیں کا ڈنکا بج رہا ہے ؎

وہ جن کا ذکر ہوتا ہے زمینوں آسمانوں میں
نمازی کی دعاؤں میں، مؤذن کی اذانوں میں

انبیاء کرام کی مقدس زبانوں پر۔ صحابہ کرام کی مجلسوں میں۔ اولیاء کرام اور اماماِن دین کے ارشادات میں۔ علماء کرام کے مواعظ اور نعت خوانوں کی نعت خوانیوں میں اسی محبوب کا ذکر ہوتا نظر آ رہا ہے۔ یہی ایک تو ہیں جو ہمہ گیر محبوبیت پا کر تشریف لائے۔ سب انہی کے فدائی ہیں۔ اور سب

انہیں کے ذکر کے شیدائی۔ ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے!
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

پھر ایسے محبوب پاک کا ذکر مٹ جائے؟ اور ان کا نام لیوا کوئی نہ رہے؟ توبہ! توبہ!! یہ بات بھلا کب ممکن ہے۔ اجی جس محبوب کا خدا خود مدّاح و ذاکر ہو۔ اس کے ذکر کو کون مٹا سکتا ہے۔ اور جب کہ خدا خود اپنے محبوب کے لئے فرماتے۔ کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اے محبوب ہم نے تمہارا ذکر تمہارے لئے بلند کر دیا" تو جس کے ذکر کو بلند کرنے والا خدا ہو۔ اس ذکر کو کوئی مٹائے

ع این خیال است ومحال است وجنوں

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ خدا نے حضور سے وعدہ فرمایا ہے کہ ؎

رونقت را روز روز افزوں کنم نام تو بر نقرہ و بر زر زنم
منبر و محراب سازم بہر تو از محبت قہر من در قہرِ تو
چاکرانت ملک ہا گیرند وجاہ دین تو باقی زماھی تا بماہ
تا قیامت باقیش داریم ما!
تو مترس از نسخ دیں اے مصطفٰے

یعنے اے محبوب میں تیری عزت و رونق کو دن بدن دو بالا کروں گا۔ اور سونے و چاندی پر تیرا نام منقش کروں گا۔ تیرے لئے منبر و محراب بناؤنگا۔ تیری محبت کے پیشِ نظر میں تیرے غصے میں اپنا غصہ ظاہر کروں گا۔ تیرے غلام بڑے بڑے ملکوں پر قابض ہو کر عزت پائیں گے۔ اور تیرا دین زمین سے آسمان تک باقی رہے گا۔ اور تیرے دین کو ہم خود قیامت تک باقی رکھیں گے۔ پیارے تو نسخ دین سے مت ڈر!

حضرت عبد المطلب کا خواب

حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے ایام شباب میں ایک خواب دیکھا۔ کہ ایک درخت زمین سے نکلا ہے۔ جڑیں اس کی زمین میں اور چوٹی آسمان سے جا لگی ہے۔ اور درخت کی ایک ٹہنی مشرق کے کنارے اور دوسری ٹہنی مغرب کے کنارے

جا لگی ہے۔ ملک عرب کے کچھ لوگ اس درخت کی ٹہنیوں کو پکڑے ہوئے ہیں۔ ایک جماعت اس درخت کو کاٹنے کے لئے آئی۔ تو ناگہاں ایک خوبصورت نوجوان اس درخت کی جڑ سے نمودار ہوا۔ جس نے اس کاٹنے والی جماعت کو مار بھگایا۔ حضرت عبدالمطلب نے صبح ایک معبر سے اس کی تعبیر پوچھی۔ تو اس نے بتایا کہ:۔

لَيَخْرُجَنَّ مِنْ صُلْبِكَ رَجُلٌ يَمْلِكُ الْمَشْرِقَ وَالْمَغْرِبَ ۔۔

(خصائص کبریٰ ص۳۹ ج۱) ۔ آپ کی پشت سے ایک ایسا مبارک وجود پیدا ہوگا۔ جو مشرق و مغرب کا مالک ہوگا"

پنجابی شاعر نے اس خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے اسکا ترجمہ کیا ہے ؎

پشت تری تھیں بچہ ہوسی رب دیاں سمجھ عطائیں
مالک ہوسی کل دنیا دا مشرق مغرب تائیں

ہاں تو بھائیو! ایسے محبوب کا بھی ذکر مٹ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! تو کافروں کی یہ بکواس کہ حضور ابتر ہو گئے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور اب انکا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا۔ محض بکواس ہی ہے۔

کوثر کا معنٰے

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنے محبوب کو انا اعطیناک الکوثر فرمایا ہے۔ کہ اے محبوب ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کوثر کا معنٰے کیا ہے؟ تو بھائیو! آپ نے ابتدا ہی اس کا ترجمہ سنا۔ یعنی "اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔" یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت نے کیا ہے۔ اور یہی ترجمہ انسب و اولیٰ ہے۔ اور مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے بھی یہی لکھا ہے۔ چنانچہ علامہ حقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اَلتَّعْدَادُ الْكَثِيرُ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ فِي الْقَامُوسِ اَلْكَوْثَرُ الْكَثِيرُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ (روح البیان ص۵۰۹ ج۴) یعنی بہت سی خوبیاں اور ہر شے کی کثرت

اور صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمۃ اس آیت پر لکھتے ہیں:۔

"اور فضائل کثیر عنایت کرکے تمام خلق پر افضل کیا حسن ظاہر بھی دیا

حسنِ باطن بھی۔ نسب عالی بھی وحی نبوت بھی۔ کتاب بھی حکمت
بھی علم بھی شفاعت بھی۔ حوض کوثر بھی۔ مقام محمود بھی۔
کثرتِ امت بھی اعدائے دین پر غلبہ بھی۔ کثرتِ فتوح بھی۔
اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں (کنز الایمان)
معلوم ہوا کہ انا اعطیناک الکوثر فرما کر خدا نے اس امر کا اعلان فرمایا ہے۔ کہ
ہم نے اپنے محبوب کو ہر قسم کی خوبیاں۔ فضائل و کمالات اور بہت کچھ عطا
فرمایا ہے۔ ؎　　اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرْ
ساری کثرت پاتے یہ ہیں

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے پاس کیا ہے جو نہ ہو۔ خالقِ
کل نے اپنے حبیب کو مالکِ کل بنا دیا ہے ؎

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا!
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

تقویۃ الایمان

مگر کس قدر عداوت ہے نجدیوں کی کتاب تقویۃ الایمان کو
حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و سلم سے کہ وہ اس امر کا
اعلان کرتی ہے کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں "
خدا تو فرماتے کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا اور یہ کہے
کہ وہ کسی چیز کے مالک ہی نہیں۔

میرے دوستو! مسلمان کا تو یہ ایمان ہے کہ خدا نے مصطفےٰ کو سب
کچھ دیا۔ اور مصطفےٰ نے خدائی کو سب کچھ دیا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی
علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ گویا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے کہ:۔
اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الکوثر فَاَعْطِ اَنْتَ اَلْكَثِیْرَ۔ (تفسیر کبیر ص۱۲۹ جلد ۸)
یعنی پیارے ہم نے آپ کو بہت کچھ دیا۔ اور آپ بھی لوگوں
کو بہت کچھ دیجئے "

دیکھ لیجئے۔ خدا نے اپنے محبوب کو سب کچھ دے کر خدائی کو اس در
پر لا ڈالا۔ اور اسی لئے محبوب کو یہ حکم فرمایا کہ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔

محبوب! مانگنے والے کو جھڑکنا نہیں۔ یعنی یہ لوگ تیرے پاس سائل بن کر آئیں۔ تو انہیں جھڑک مت دینا۔ اگر تم نے ہی جھڑک دیا تو یہ بیچارے پھر کہاں جائیں گے۔ ؎

بے ٹھکانوں کا ٹھکانا ہے یہی! اب کہاں جائیں تمہارے در سے ہم
دیکھ لینا سب مرادیں مل گئیں جب لپٹ کر رو دیئے انکے در سے ہم

سب کو صدقہ عطا ہوا تیرا

یہاں مجھے حضرت مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ کے بھی چند اشعار یاد آ گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ زمین والے ہوں، یا آسمان والے۔ ہر کسی کو حضور ہی کا صدقہ عطا ہوا چنانچہ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

اے جناں میرے گل کے صدقے ہیں تختہ تختہ بسا ہوا تیرا!
لے فلک مہر حق کے باڑے سے کاسہ کاسہ بھرا ہوا تیرا
لے چمن بھیک ہے تبسم کی غنچہ غنچہ کھلا ہوا تیرا
ہوں زمیں والے یا فلک والے سب کو صدقہ عطا ہوا تیرا
ایسی شوکت کے تاجدار کہاں تخت تختِ خدا ہوا تیرا
اس وجاہت کے بادشاہ کہاں حکم حکمِ خدا ہوا تیرا
اس جلالت کے شہریار کہاں ملک ملکِ خدا ہوا تیرا
جسے تو نے دیا خدا نے دیا دین رب کی دیا ہوا تیرا
حوصلے کیوں گھٹیں غریبوں کے ہے ارادہ بڑھا ہوا تیرا

بگڑی باتوں کی فکر کر نہ حسن
کام سب ہے بنا ہوا تیرا

چور

دوستو! اگر ایک حویلی میں دعوتِ عام ہو اور یہ اعلان عام ہو۔ کہ جسے کچھ لینا یا کھانا ہو۔ وہ اس حویلی میں آ کر کھا لے اور لے جائے تو ہر شریف آدمی اس حویلی میں حویلی کے دروازے سے اندر جائیگا۔ مگر چور اور اچکا دروازے سے نہیں۔ دیواریں پھاند کر اندر جانے کی کوشش کریگا اور پھر پکڑا بھی جائیگا۔ تو بھائیو! اس دنیا میں خداوندی نعمتوں کے حصول کے

لئے درِ مصطفےٰ ہی ایک ایسا دروازہ ہے۔ جس سے سب کچھ مل سکتا ہے لہٰذا شریف بن کر اسی دروازہ کو لو۔ اور چور اچکے بن کر اس دروازہ کو چھوڑ کر دیواریں پھاندنے کی کوشش مت کرو۔

وسیلۂ مصطفےٰ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے ایک جگہ لکھا ہے:۔

بے ان کے واسطے سے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ وہ اسی وسیلۂ مصطفےٰ سے عطا فرماتا ہے۔ اور ان کے وسیلہ کے بغیر کچھ مل جائے؟ یہ ناممکن ہے۔ اور اگر کچھ ملے بھی۔ تو پھر میرے دوستو! وہ چیز حلال نہیں رہتی۔ چنانچہ دیکھئے ایک مثال عرض کروں۔

"تاجر اور چور" فرمائیے! ایک تاجر کو روٹی دینے والا کون ہے؟ سب یہی کہینگے کہ اللہ تعالیٰ! اور یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور یہ بھی فرمائیے۔ کہ چور کو روٹی دینے والا کون ہے؟ اس کا جواب بھی یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ! دیکھئے۔ جب گھر کا مالک سوتا ہے۔ تو یہ کہہ کر سوتا ہے۔ یا اللہ تیرا ہی آسرا۔ اور جب چور چوری کے لئے نکلتا ہے۔ تو وہ بھی یہی کہتا ہے۔ کہ یا اللہ تیرا ہی آسرا۔ اور چونکہ اللہ سب کا رازق ہے۔ اس لئے ہر نیک و بد اسی کا آسرا ڈھونڈتا ہے۔ اور وہ سب کو رزق دیتا ہے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ یہاں مجھے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آگیا۔ یہ ایک صحابی رسول ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں انکا ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ وہ قافلہ سے بچھڑ کر کسی جنگل میں نکل گئے۔ جنگل میں ایک بڑا زبردست شیر رہتا تھا۔ اس نے حضرت سفینہ کو دیکھا۔ تو حملہ کرنے کے لئے منہ پھاڑ کر حضرت سفینہ کی طرف دوڑا۔ حضرت سفینہ خطرے میں گھر گئے۔ مگر قربان جائیں ان لوگوں کے عزم و استقلال کے۔ کہ مطلق گھبرائے نہیں۔ اور ڈرے نہیں۔ ایک آج ہم بھی ہیں۔ کہ چوہے سے بھی ڈر جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر نے اسی قسم کی بہادری کا نقشہ اس شعر میں کھینچا ہے کہ ؎

بفضلِ خدا میں ہوں ایسا دلیر!
سمجھتا ہوں بلّی کو مانند شیر!

مگر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ڈرے نہیں۔ بلکہ ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اور شیر کو مخاطب فرما کر فرمانے لگے :۔

یَا اَبَا الْحَارِثِ اَنَا مَوْلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہ ۔۔۔ او شیر! خبردار! میں رسول اللہ کا غلام ہوں" (مشکوٰۃ شریف ص۵۴۷)

ابوالحارث شیر کی کنیت ہے۔ حضرت سفینہ نے شیر کو مخاطب فرما کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لیا اور فرمایا۔ خبردار! اس بات کا خیال رکھنا۔ میں غلام کس ذاتِ پاک کا ہوں؟ مجھے اذیت نہ پہنچانا کہ میں رحمتِ عالم کا غلام ہوں۔ اتنا کہنا تھا۔ کہ وہ شیر کتے کی طرح خوشامد کرتے ہوئے اپنی دم ہلانے لگا۔ اور سفینہ کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ سفینہ کے ساتھ ساتھ چل کر حضرت سفینہ کو قافلہ میں ملا کر واپس ہُوا۔ ایک پنجابی شاعر نے اس موقعہ پر لکھا ہے کہ شیر نے گویا زبانِ حال سے کہا ؂

شیر کہیا سفینے تائیں سن راہی راہ جاندے!
جو غلام رسول اللہ دے اسیں غلام انہاندے!

میرے بھائیو! سوچو کہ جنگل میں شیر حملہ کر کے آجائے۔ اور آدمی تنہا، اور نہتا ہو تو کیا یہ موت کا سامنا نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے! تو فرمایئے اس قدر مشکل کے وقت ایک صحابی رسول کو مناسب تو یہ تھا۔ کہ اللہ کا نام لیتے اور یوں کہتے۔ او شیر! خبردار۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مگر حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ انہوں نے یوں کہا :۔

اَنَا مَوْلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہ ۔۔۔ میں رسول اللہ کا غلام ہوں"

میرے بھائیو! گویا مصیبت کے وقت ایک صحابی رسول نے خدا کا نہیں۔ بلکہ رسول خدا کا نام لیا۔ آپ جانتے ہیں۔ ایسا کیوں کیا؟ سنئے! اس لئے کہ صحابی رسول نے سوچا کہ اگر اللہ کا نام لیا۔ تو اللہ جس طرح میرا رب ہے۔ اسی طرح شیر کا بھی رب ہے۔ وہ اللہ اگر میرا حافظ ہے۔ تو اس

شیر کا رازق بھی وہی ہے۔ تو کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھی کو اس شیر کا لقمہ بنا دے۔ اس لئے میں اس وقت رحمۃ للعالمین کا نام لیتا ہوں۔ تاکہ ان کی رحمت کی بدولت میں اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ رحمتِ عالم کی بدولت اللہ کی حفاظت میں آ گئے ؎

نہ کیونکر نام لوں ہر دم تمہارا یا رسول اللہ!
ہوئیں حل مشکلیں جب دم پکارا یا رسول اللہ!

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا۔ کہ تاجر کو بھی روٹی دینے والا اللہ، اور چور کو بھی روٹی دینے والا اللہ۔ وہ بھی اللہ سے لیتا ہے۔ اور یہ بھی اللہ ہی سے لیتا ہے۔ پھر ذرا سوچئے۔ کہ تاجر کی روٹی حلال کیوں؟ اور چور کی روٹی حرام کیوں؟ جب دونوں ہی اللہ سے لیتے ہیں۔ تو پھر ایک کی حلال کس لئے؟ اور ایک کی حرام کس لئے؟ — تو سنئے صاحب! اس کا جواب یہ ہے۔ کہ تاجر اپنی روٹی اللہ سے لیتا ہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے اپنی جائز محنت اور تجارت کر کے لیتا ہے۔ گویا وسیلۂ مصطفےٰ سے اور درِ مصطفےٰ پر پہنچکر اللہ سے لیتا ہے۔ اور چور درِ مصطفےٰ کو چھوڑ کر اور وسیلۂ مصطفےٰ سے منہ موڑ کر براہِ راست اللہ سے لیتا ہے۔ تو جس نے حضور کے وسیلے سے اللہ کی روٹی لی۔ اس کی روٹی حلال، اور جس نے یہ وسیلہ چھوڑ کر براہِ راست اللہ سے روٹی لی۔ اسکی روٹی حرام!

منکوحہ عورت اور فاحشہ

ایک مثال اور سن لیجئے۔ ایک منکوحہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک بچہ کسی فاحشہ رنڈی کے ہاں بھی پیدا ہوتا ہے۔ فرمایئے! منکوحہ عورت کو وہ بچہ کس نے دیا؟ خدا نے ہی تو دیا۔ اور اسی طرح اس رنڈی کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا۔ وہ کس نے دیا؟ وہ بھی اللہ ہی نے دیا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ رنڈی کا بچہ حرامی اور منکوحہ کا بچہ حلالی۔ حالانکہ دونوں بچے اللہ ہی نے دیئے ہیں۔ اور انکی ماؤں نے اللہ ہی سے لئے ہیں۔ اگر حلالی بچہ روتا ہوا آیا ہے۔ تو حرامی بھی اسی طرح روتا ہوا آیا ہے۔ حلالی کی بھی دو ٹانگیں، دو ہاتھ، دو

آنکھیں۔ اور دو کان ہیں۔ اور حرامی کی بھی دو ٹانگیں، دو ہاتھ۔ دو آنکھیں اور دو کان ہیں۔

ہمسری کے مدعی

میرے بزرگو! یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اگر وہ حرامی بچہ اس ظاہری حالت کی بنا پر اس حلالی بچے سے ہمسری کا مدعی بننے لگے۔ اور یوں کہنا شروع کردے۔ کہ وہ بھی میرے ہی جیسا بشر ہے۔ تو اس حرامزادے کی یہ حرامزدگی ہے یا نہیں؟ وہ حرامزادہ اس حلال زادے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ یہی حالت کافروں کی ہے۔ جنہوں نے انبیار کرام کو اپنے جیسا سمجھا۔ اور ان سے یوں کہا۔ مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا — اسی لئے مولانا رومی نے فرمایا ہے۔ ؎

کافراں را دیدۂ بینا نبود ٭ نیک و بد در دید شاں یکساں نمود
ہمسری با انبیار برداشتند ٭ اولیار را ہمچو خود پنداشتند

یعنے کافروں کے پاس دیکھنے والی آنکھ نہ تھی۔ اسی لئے ان کی نظر میں نیک و بد برابر تھے۔ اور انہوں نے انبیار سے ہمسری کے دعوے کئے۔ اور اولیار کو اپنے جیسا بشر کہنے لگے۔

آئینۂ حق نما

بھائیو! آج بھی کئی گستاخ ایسے ہیں۔ جو حضور سید الانبیار صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ حالانکہ کہاں وہ ذاتِ نورٌ علی نور اور کہاں یہ لوگ سرتا پا فتور۔ ؏

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

بات اصل میں یہ ہے۔ جو حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے لکھی ہے۔

؎ دید احمد را ابوجہل و بگفت
زشت روئے کز بنی ہاشم شگفت

ایک مرتبہ ابوجہل نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ بنی ہاشم میں تم ایک بدصورت پیدا ہوئے ہو۔ (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ)

دید صدیقش بگفت اے آفتاب
نے ز شرقی نے ز غربی خوش بتاب

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا۔ اے آفتابِ حسن! مشرق و مغرب میں تجھ جیسا کوئی خوبصورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا۔ کہ تم دونوں ہی سچ کہہ رہے ہو ؎

حاضرین گفتند اے صدر الورے
راست گو گفتی دو ضد گورا چرا؟

حاضرین نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟ کہ صدیق اکبر نے آپ کو خوبصورت کہا۔ تو آپ نے انہیں فرمایا کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔ اور اس بے ایمان ابوجہل نے بدصورت کہا تو آپ نے اسے بھی فرما دیا کہ تم بھی سچ کہہ رہے ہو۔ ؎

گفت من آئینہ ام مصقول دست!
ترک و ہند و در من آں بیند کہ ہست

حضور نے فرمایا! میں دستِ قدرت کا صیقل کردہ ایک آئینہ حق نما ہوں اور آئینہ جس کے سامنے ہوگا۔ دیکھنے والا اس میں اپنی برائی و خوبی دیکھے گا۔ جیسا آپ ہوگا ویسا ہی نظر آئیگا۔ گویا صدیق اکبر کا خود اپنا دل نورِ ایمان سے منور تھا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ تو میں اُسے حسن و نور نظر آیا۔ اور ابوجہل کم بخت خود ہی سیاہ دل اور سیاہ رو تھا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ تو اُسے میں اچھا نظر نہ آیا۔ در اصل دونوں نے اپنی اپنی ترجمانی کی ہے۔ اس لئے میں نے دونوں کو ہی سچا کہا ہے۔

تو میرے بھائیو! اس مثال کے پیشِ نظر ہم کہتے ہیں۔ کہ آج بھی جو لوگ سیاہ باطن ہیں۔ ابوجہل کے تابع بن کر وہ حضور کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ اور جن کے دل نورِ ایمان سے منور ہیں۔ وہ حضور کو اللہ کا نور سمجھتے ہیں۔ اور صدیق اکبر کی اتباع میں اعلیحضرت کی طرح یہی نغمہ گاتے ہیں۔ کہ ؎

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

لطیفہ

کہتے ہیں ایک شہر ایسا شہر تھا۔ جس کے باشندوں نے کبھی آئینہ نہیں دیکھا تھا۔ اس شہر کا ایک باشندہ کہیں جا رہا تھا۔ اتفاقاً راستے میں اسے ایک آئینہ مل گیا۔ اس نے اُسے جو اٹھایا تو اس میں اپنی شکل دیکھ کر سمجھا۔ کہ یہ میرے ابا جان کا فوٹو ہے۔ چنانچہ بڑی حفاظت سے اسے گھر لے آیا۔ اور بڑے اہتمام سے ایک الماری میں رکھ دیا۔ اب ہر روز دفتر میں جاتے ہوئے اور وہاں سے آتے ہوئے الماری کھولتا۔ اور بزعم خویش اپنے ابا کے درشن کرتا۔ چند دنوں کے بعد اس کی بیوی کو جو بڑی بدشکل، چیچک زدہ چہرے والی اور کانی بھی تھی۔ شک گزرا۔ کہ یہ الماری میں ہر روز کسے دیکھتے ہیں؟ چنانچہ ایک بار خاوند کے دفتر چلے جانے کے بعد اٹھی۔ اور الماری کو کھول کر جو دیکھا۔ تو آئینہ میں اسے اپنی شکل نظر آئی۔ اب آئینہ اس نے بھی کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے جو اپنی شکل دیکھی۔ تو غصے میں آکر بولی۔ میں تو پہلے ہی جانتی تھی۔ کہ یہ کسی عورت پر فدا ہو گئے ہیں۔ ذرا دیکھو تو۔ ان کا دماغ چل گیا ہے۔ کہ میرے جیسی حور کو چھوڑ کر اس چڑیل پر عاشق ہو گئے ہیں۔ اس حرامزادی کی ذرا شکل تو دیکھو۔ چیچک زدہ منہ۔ آنکھ سے کانی۔ دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

حضرات غور کیجئے۔ کہ یہ عورت جتنے عیوب و نقائص بیان کر رہی تھی۔ کیا وہ اس آئینہ میں تھے یا وہ سب کے سب خود اس کی اپنی ہی ذات میں تھے؟ یقیناً وہ اپنے ہی عیوب کو آئینہ پر تھوپ رہی تھی۔ حالانکہ آئینہ اسے اپنی شکل دکھا رہا تھا۔ کہ دیکھ تو ایسی ہے۔ وہ عورت اپنے خاوند سے بدگمان ہو کر رونے لگی۔ اتنے میں شوہر آ گیا اور اس نے روٹی مانگی۔ تو بولی۔ روٹی مجھ سے کیوں مانگتے ہو۔ اس الماری والی کانی سے مانگو۔ شوہر نے کہا۔ مگر وہ تو میرے ابا ہیں۔ وہ بولی مجھے بہکاتے کیوں ہو۔ وہ تو کوئی بدمعاش بھوتنی ہے۔ اب دونوں میاں بیوی آپس میں جھگڑنے لگے۔ میاں کہتا تھا۔ وہ میرے قابلِ تعظیم ابا جان ہیں اور عورت کہتی تھی۔ نہیں۔ بلکہ وہ ایک بدشکل عورت ہے۔ میرے دوستو! ان کا جھگڑا

بالکل ایسا ہی جھگڑا تھا۔ جیسے دو آدمی بحث کرنے لگیں۔ ایک کہے کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم اللہ کے نور ہیں اور دوسرا کہے نہیں۔ بلکہ وہ تو ہمارے جیسے ایک بشر تھے۔ اب ان میاں بیوی کا جھگڑا بڑھا۔ تو ایک پادری صاحب وہاں سے گزرے۔ اور سارا قصہ سن کر بولے۔ مجھے وہ فوٹو دکھاؤ۔ چنانچہ پادری صاحب کو الماری کھول کر آئینہ دکھایا گیا۔ تو وہ بھی چونکہ اسی شہر کے تھے۔ دیکھ کر بولے۔ یہ تو کسی پیر پادری کا فوٹو ہے۔ یہ کہہ کر آئینہ اٹھا لیا اور گرجے میں لے گئے۔

تو میرے بزرگو! ہمارے حضور ایک آئینہ حق نما ہیں۔ جس نے دیکھا۔ اسے اپنے ہی جذبات کا عکس نظر آیا۔ دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس کانی عورت کی طرح نہ بنائے۔ ہاں تو میں بیان یہ کر رہا تھا۔ کہ منکوحہ عورت کو جو بچہ دیا۔ وہ بھی اللہ نے دیا۔ اور رنڈی کو جو بچہ دیا۔ وہ بھی اللہ ہی نے دیا۔ پھر یہ کیا؟ کہ منکوحہ کا بچہ حلالی۔ اور رنڈی کا حرامی۔ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ منکوحہ عورت نے درِ مصطفیٰ پر پہنچ کر اور سنت رسول پر عمل کر کے یعنی نکاح کر کے حضور کے وسیلے سے اللہ سے بچہ لیا۔ لہذا یہ بچہ حلالی اور رنڈی نے درِ مصطفیٰ کو چھوڑ کر وسیلۂ رسول سے منہ موڑ کر براہِ راست اللہ سے بچہ لیا۔ لہذا اس کا بچہ حرامی!

تو اے میرے بزرگو! معلوم ہوا کہ اللہ کی ہر نعمت حضور ہی کے وسیلہ سے ملتی ہے۔ اور اگر حضور کے وسیلہ کو چھوڑ دیا جائے۔ تو پھر اس کی ہر نعمت نعمت نہیں رہتی۔ بلکہ لعنت بن جاتی ہے۔ لہذا مسلمان کا یہی ایمان ہے جو اعلیحضرت نے بیان فرمایا کہ ؎

لا و ربّ العرش جس کو جو ملا اُن سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی
وہ جہنم میں گیا، جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

کوثر

حضرات! آپ سن چکے کہ اللہ نے اپنے محبوب کو کوثر عطا فرمایا ہے

اور کوثر کا معنے ہے۔ "بیشمار خوبیاں اور بہت کچھ"۔ تو جسے خود معطی حقیقی بہت کچھ دینے کا اعلان فرمائے۔ اس کے پاس کیا کچھ نہ ہوگا؟ میرے بھائیو! یہ ساری دنیا جس میں امریکہ و افریقہ۔ یورپ و ایشیا۔ زمین و آسمان۔ چاند سورج، اور دیگر بے شمار مخلوق سب کچھ ہے۔ یہ زمین کی وسعت اور اس کے وسیع و طویل جنگلات بے پایاں سمندر اور دریا یہ پہاڑوں کا طویل و عریض سلسلہ اور ان کی سر بفلک بلندیاں اور یہ چاند و سورج کی وسعتیں۔ ساتوں زمینوں۔ اور ساتوں آسمانوں کی عظمتیں وغیرہا من المخلوقات یہ ساری کی ساری چیزیں "متاع الدنیا" ہیں۔ اور ان سب کو خدا نے متاع الدنیا قلیل فرمایا ہے۔ یعنی ان سب کی سب اشیاء کو جن کا شمار اور جن کی عظمتیں احاطہ علم انسانی سے باہر ہیں۔ خدا فرماتا ہے: "قلیل" یعنے تھوڑی ہیں تو میرے بزرگو! اللہ کا "تھوڑا" آپ نے دیکھ لیا کہ کس قدر بڑا اور احاطہ علم انسانی سے بھی باہر ہے۔ مگر اللہ رے عظمت شانِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کہ وہی خدا جس نے ساری دنیا کے سارے سامانوں کو "تھوڑا" فرمایا ہے۔ اپنے محبوب کے لئے فرماتا ہے۔ اے محبوب! ہم نے آپ کو کوثر یعنے "بہت زیادہ" عطا فرمایا۔ تو میرے عزیزو! جب خدا کے قلیل ہی کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ تو اسکے کوثر کا اندازہ کون کرسکتا ہے ؎

ہے انتہائے عُلا ابتدائے اوج یہاں!
ورا خیال سے ہے شانِ بارگاہِ رفیع!

خداوند کریم کا ایک چلّو

میرے بزرگو! بڑوں کی ہر بات بڑی۔ خدا سب سے بڑا ہے۔ تو اس کے "کوثر" کی عظمت کو کون بیان کر سکے؟ یہاں مجھے ایک حدیث یاد آگئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمیوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کردے گا۔ حدیث کے لفظ ہیں۔ کہ یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

زِدْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ "یا رسول اللہ اس سے زیادہ کیجئے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر فرمایا۔ اچھا تو اللہ اس طرح اپنے دونوں چلو بھر کے میری امت کو جنت میں داخل کر دے گا۔ صدیق اکبر نے پھر عرض کیا۔

زِدْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ـــ یا رسول اللہ اور زیادہ کیجئے"

اتنے میں حضرت عمر بولے۔ اے ابوبکر! چھوڑ بھی دیجئے اب بس بھی کر۔ اس طرح تو لوگ عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔ صدیق اکبر نے فرمایا:۔

وَمَا عَلَیْکَ اَنْ یُّدْخِلَنَا اللّٰہُ کُلَّنَا الْجَنَّۃَ ـــ یعنی "اے عمر! اگر اللہ ہم سب کو یونہی جنت میں داخل کر دے۔ تو تیرا کیا بگڑتا ہے"

حضرت عمر نے جواب دیا:۔ اِنَّ اللّٰہَ اِنْ شَاءَ اَنْ یُّدْخِلَ خَلْقَہُ الْجَنَّۃَ بِکَفٍّ وَّاحِدٍ فَعَلَ ـــ "اللہ اگر چاہے۔ تو اپنی ساری مخلوق کو اپنے ایک ہی چلو سے جنت میں داخل کر دے"

یعنی اے ابوبکر! اللہ کی عظمت و بڑائی کے پیش نظر اس کے چلوؤں کو بھی تو دیکھو۔ اس کے ایک چلو کی بھی وسعت اس قدر ہے۔ کہ یہ ساری مخلوق اس کے ایک ہی چلو میں آ سکتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی یہ بات سنی۔

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ ـــ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمر نے سچ کہا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۶)

اختیار مصطفیٰ

میرے دوستو! اس حدیث سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اختیار بھی ثابت ہوا۔ ذرا حدیث کی طرف پھر غور کیجئے۔ اور دیکھئے حضور فرماتے ہیں۔ میرے اللہ کا مجھ سے وعدہ ہے۔ کہ ستر ہزار میرے امتی بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دے گا۔ اس پر صدیق اکبر کا عرض کرنا "زِدْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" یا رسول اللہ اور زیادہ کیجئے۔ کیا ہی ایمان افروز اور نجدیت سوز جملہ ہے۔ گویا صدیق کا یہ ایمان ہے کہ اس مقدار میں اضافہ کر دینا یہ حضور کے اختیار میں ہے۔ حضور جو کچھ

یہاں فرما دیں گے۔ وہی کچھ وہاں بھی ہو جائے گا۔ چار لاکھ کا وعدہ اللہ کا ہے۔ مگر اس میں اضافہ کے لئے صدیق اکبر حضور سے فرما رہے ہیں۔ گویا ہم غلاموں کے لئے وعدۂ مصطفٰی وعدۂ خدا ہی ہے۔ یعنے اس لبِ اقدس سے جو ارشاد ہوگا۔ وہی مرضیٔ حق ہوگی۔ اور مَا اَرٰی رَبَّکَ اِلَّا یُسَارِعُ فِی ھَوَاکَ کے مطابق حضور کے وعدے کو اللہ پورا فرما دے گا۔ اسی لئے مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ کہ ؎

دکھائی جائے گی محشر میں شانِ محبوبی
کہ آپ ہی کی خوشی آپ کا کہا ہوگا
خدائے پاک کی چاہیں گے اگلے پچھلے خوشی
خدائے پاک خوشی ان کی چاہتا ہوگا

میرے بزرگو! اس حدیثِ پاک سے میں بتانا آپ کو یہ چاہتا تھا کہ اللہ کا ایک چلّو اس قدر بڑا ہے۔ کہ یہ ساری مخلوق اس میں آ سکتی ہے۔ تو ذرا غور کیجئے۔ اللہ کے کوثر کی عظمت و وسعت کس قدر ہوگی۔ تو اللہ نے جس محبوب کو "کوثر" عطا فرمایا ہو۔ فرمایئے اس کے پاس کیا نہ ہوگا؟ اور یہ زمین و آسمان اور ما فیہا کیوں نہ اس کی ملک و اختیار میں ہوگا۔ ؎

وہی نورِ حق وہی ظلِّ رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

حضور مالک ہیں

میرے دوستو! اللہ نے جب فرما دیا۔ کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو "بہت کچھ دیا" اور اللہ کے اس "بہت کچھ" میں "سب کچھ" ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور کی ملک میں "سب کچھ" ہے۔ اور آپ زمین و آسمان کے بتملیکِ حق مالک ہیں۔ اعلیحضرت علیہ الرحمۃ "نجدی" کو مخاطب فرما کر فرماتے ہیں۔ ؎

ان کو تملیکِ ملیکُ الملک سے
مالکِ عالم کہا، پھر تجھ کو کیا
ان کے نامِ پاک پر دل جان مال

دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ کہ ایک پرندہ دیکھا جس کے منہ میں سبز رنگ کا ایک موتی تھا۔ وہ موتی اس پرندے نے حضور کے آگے پھینک دیا۔ حضور نے اس موتی کو دیکھا۔ تو اس سبز رنگ کے موتی میں ایک سبز رنگ کا کیڑا تھا۔ اس کیڑے پر زرد رنگ سے لکھا ہوا تھا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ — (حجۃ اللہ علی العالمین ص۲۱۲)

میرے بزرگو! اور بھائیو!! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام اس موتی کے کیڑے پر لکھا ہوا حدیث سے ثابت، اور اس کے علاوہ اور بھی کئی واقعات اس نام پاک کے ظہور کے ہیں۔ چنانچہ علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ نے اپنی جامع کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں انہیں درج فرمایا ہے۔ ایک روایت ان سے یہ ہے کہ ایک جزیرہ میں ایسا درخت پایا گیا۔ جس کے پتوں پر لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ ایک دوسری روایت سنئے۔ فرماتے ہیں کہ بلاد ہند میں ایک ایسا درخت دیکھا گیا۔ جس کا پھل اخروٹ کی مانند ہوتا ہے۔ اسے توڑا جائے۔ تو اس میں سے ایک سبز رنگ کا کاغذ سا نکلتا ہے۔ جس پر سرخی سے لکھا ہوتا ہے۔ لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ روایت کتاب مذکور کے ص۲۱۲ پر موجود ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ اور پھر راوی نے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

وَهُمْ يَتَبَرَّكُوْنَ بِتِلْكَ الشَّجَرَةِ وَيَسْتَسْقُوْنَ بِهَا اِذَا مُنِعُوا الْغَيْثَ

اور وہ لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرتے ہیں اور بارش بند ہو جائے تو اس درخت کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں۔ تو بارش ہونے لگتی ہے۔

دیکھا آپ نے میرے بھائیو! یہ فیض و برکت اس درخت میں کیسے آگیا؟ صرف اس نام پاک کی برکت سے۔

اور سنئے! نبہانی علیہ الرحمۃ اس اپنی کتاب میں درج فرماتے ہیں کہ ایک مچھلی ایسی شکار کی گئی۔ جس کے ایک پہلو پر لآ الٰہ الا اللہ اور دوسرے

پہلو پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ ایک اور راوی فرماتے ہیں۔ کہ ۹۷۲ھ میں میرے پاس ایک بکری تھی۔ جس نے ایک بچہ جنا۔ جس کا رنگ سیاہ تھا۔ اور اس پر کچھ سفید گول دائرہ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ "محمد" (صلے اللہ علیہ وسلم)

اور سنئے! فرماتے ہیں افریقہ میں میں نے خود دیکھا ہے۔ کہ ایک شخص کی داہنی آنکھ کی سفیدی میں باریک سرخ خط میں لکھا تھا۔ "محمد رسول اللہ" (صلے اللہ علیہ وسلم) علامہ نبہانی فرماتے ہیں۔ کہ قطب کبیر۔ عالم شہیر، اور صادق خبیر سیدنا و مولانا شیخ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب لواقح الانوار القدسیہ میں فرمایا کہ ایک شخص میرے پاس بکری کا بھنا ہوا سر لایا۔ اور مجھے دکھایا کہ اس کی جبین پر لکھا ہوا تھا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط

دوستو! یہ ایک بہت بڑے قطب وقت کا مشاہدہ ہے۔ اس میں شک کرنے والا دل کا اندھا ہی ہو سکتا ہے۔ اور ہمارا تو ایمان ہے۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کا نام ان اشیاء پر لکھ کر اپنے محبوب کی عظمت اور آپ کی ملک و حکومت کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت ابو عبداللہ محمد بن الفضل مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تحفۃ الاخیار میں فرماتے ہیں۔ میں نے ایک سفر میں ایک محلہ میں ایک ہرنی دیکھی۔ جس کے دونوں کانوں پر "محمد" لکھا ہوا تھا۔ حضرت مقری فرماتے ہیں۔ میں نے ۱۰۲۱ھ میں شہر فاس میں ایک سیاہ رنگ کا ہتھیلی بھر پتھر دیکھا۔ جس پر قلم قدرت سے ایک طرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ اور دوسری طرف محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس پتھر کی مالک ایک عورت تھی۔ میں نے اس پتھر سے دوگنا سونا دے کر اُسے خریدنا چاہا۔ مگر وہ راضی نہ ہوئی۔ مجھے معلوم ہوا۔ کہ عورتیں اس پتھر سے بڑا فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ عسر ولادت کے وقت جو عورت اس مبارک پتھر کو ہاتھ میں پکڑ لے۔ بچہ بڑی آسانی سے پیدا ہو جاتا ہے

اے صلِ علیٰ نام ہے کیا نامِ محمدؐ!
ہر درد سے لیتا ہے بچا نامِ محمدؐ!

میرے دوستو! درود شریف پڑھو۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللهِ!
صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ يَا حَبِيْبَ اللهِ!

اور غور کرو۔ کہ جس کے نام پاک میں یہ فیض و برکت ہے۔ کہ ایک پتھر پر نقش ہو کر اس پتھر کو لا علاج امراض کی دوا بنا دیتا ہے۔ بھلا خود اس نام والے وجود باجود میں کس قدر برکتیں ہوں گی۔ اور پھر وہ اللہ والے جن کے دلوں میں یہ نام پاک نقش ہے۔ ان اللہ والوں کے فیوض و برکات سے انکار کرنا کیوں جہالت نہ ہو گی؟

میرے بزرگو! یہ جس قدر واقعات میں نے سنائے ہیں۔ یہ اور ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک واقعات علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ کی کتاب حجۃ اللہ علی العالمین میں صفہ۲۱۰ سے لے کر صفہ۲۱۶ تک موجود ہیں۔ جس کی طبیعت چاہے دیکھ لے۔

اور سنئے! علم الحیوانات کے ماہر عالم اور اسلامی دنیا کے مایۂ ناز محقق حضرت علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب حیوٰۃ الحیوان میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ہارون فرماتے ہیں۔ کہ میں بحرِ مغرب میں سفر کر رہا تھا۔ کہ ایک ایسے شہر میں پہنچا۔ جس کا نام برطون تھا۔ میرے ساتھ ایک غلام تھا جس کے پاس مچھلی پکڑنے کا جال تھا۔ اس نے جال دریا میں ڈالا تو ایک ایسی مچھلی جال میں آ گئی جو بالشت بھر تھی۔ ہم نے اسے دیکھا۔ تو اس کے داہنے کان کے نیچے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ لکھا تھا۔ اور اوپر سر پر "محمد" اور پھر بائیں طرف نیچے "رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ (حیوٰۃ الحیوان صفہ۲۱۷ ج۲)

میرے بزرگو! ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ کہ دہلی کے رائے سینما کی تعمیر کے وقت ایک سنگِ مرمر ایسا دستیاب ہوا۔ جس میں اسم محمد لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ قلم قدرت سے لکھے ہوئے اس نام کا فوٹو بھی لیا گیا اور

اس مبارک نام کے عکسی قطعے عام ملتے رہے ہیں۔ میں نے خود اس عکسی قطعے کی زیارت کی ہے۔ آپ میں سے بھی کئی حضرات نے یہ مبارک نام دیکھا ہوگا۔

اور کچھ عرصہ ہوا۔ جبل پور کے لوگوں نے اس نام پاک کا اعجاز اس طرح دیکھا تھا۔ کہ ایک رات کو اچانک تیز روشنی ہوئی۔ لوگوں نے اوپر دیکھا تو آسمان پر نوری خط سے لکھا تھا۔"محمد" اور ان حرفوں سے نور نکل رہا تھا۔ اس واقعہ کا تذکرہ حسن نظامی نے بھی اپنے اخبار "منادی" میں کیا تھا اور ہمارے قصبہ کوٹلی کا یہ واقعہ تو کوٹلی کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ کہ ایک عورت روٹی پکا رہی تھی کہ اچانک توے پر پکتے پکتے اس روٹی پر نام محمدؐ لکھا گیا۔ عورت نے اپنے والد کو وہ روٹی دکھائی۔ وہ شخص وہ روٹی حضرت والد ماجد فقیہہ اعظم علیہ الرحمۃ کے پاس لے آیا۔ حضرت نے اسے چوما اور پھر کوٹلی کے ہر مسلمان اور ہندو۔ سکھ افراد نے بھی اسکی زیارت کی۔ اسی واقعہ کو جلال الدین شاعر نے پنجابی نظم میں لکھا ہے۔ جسکا نام قلم قدرت ہے۔ اور جسکا اشتہار آپ ماہ طیبہ میں پڑھتے رہے ہیں۔ اور جو ہزاروں کی تعداد میں نکل چکی ہے اور ہزاروں لوگوں نے اس نورانی واقعہ کو پڑھا ہے۔

حضرات! اب آپ خود ہی سوچ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو حضور کا نام ہر شے پر لکھ دیا۔ آخر کیوں؟ یاد رکھئے صرف اس لئے کہ اللہ کے بندے جان جائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ جو خالق کل ہے۔ اس نے اپنے محبوب کو ہر شے کا مالک بنا دیا ہے ؎

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا!
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

باوجود ان حقائق کے جو شخص یہ کہے کہ جس کا نام محمد ہے۔ وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ تو فرمایئے اُسے کیا کہا جائے۔ بجز اس کے کہ ظالم تو اس نام سے واقف ہی نہیں۔ اور تیری قسمت میں اس نام پاک کا عرفان ہے ہی نہیں۔

ہمارا مالک جنت

حضرات! پہلی حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جنت کی ہر چیز پر بھی لکھا ہے۔ چنانچہ امام قسطلانی شارح بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:۔

وَكُنْيَتُهُ اَبُو الْقَاسِمِ لِاَنَّهُ يُقَسِّمُ الْجَنَّةَ بَيْنَ اَهْلِهَا (مواہب لدنیہ ص ۱۹۵ ج ۱)

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ہے۔ اس لئے کہ آپ مستحقین میں جنت بانٹتے ہیں۔

کیوں بھائیو! اگر حضور جنت کے مالک نہ ہوں۔ تو اسے تقسیم کیسے فرماتیں؟ بہر حال یہ جنت حضور کی ہے۔ اور الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ! کہ جنت بھی حضور کی ہے۔ اور ہم گنہگار امت بھی حضور کی ہیں۔ اور حضور کے فضل و کرم سے امید ہے۔ کہ ہم جنت میں ضرور جائیں گے۔ اس لئے کہ سہ

گنہگاروں کو جنت سے کوئی روکے تو کیوں روکے
جو وہ جنت محمد کی ، تو یہ امت محمد کی

ہاں جو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ملک و تصرف کے قائل نہیں وہ بیشک ہمارے حضور کی جنت سے محروم رہیں گے۔ اسی لئے اعلیٰحضرت نے فرمایا ہے۔ سہ

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے ، جنت رسول اللہ کی

ایک اور حدیث

لیجئے ایک اور حدیث سنئے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جنت کے بھی مالک ہیں اور متصرف و مختار ہیں۔ جسے چاہیں دیں۔ جسے چاہیں نہ دیں۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں خدمت کے لئے رات کو حضور کے پاس سوتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے حضور کو وضو کرایا۔ تو حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا "سَلْ" یعنی کچھ مانگ! میں نے عرض کیا۔ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ "حضور میں آپ سے یہ مانگتا ہوں۔ کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔"

یعنی یا رسول اللہ! جنت بھی دیجئے اور جنت میں اپنی رفاقت بھی عطا فرمائیے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ۔ کچھ اور بھی عرض کیا۔ بس یا رسول اللہ یہی جو عرض کر چکا۔ فرمایا! اچھا نماز کثرت سے پڑھتے رہو۔

مسلمانو! یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کے صہ پر موجود ہے۔ دیکھ لو۔ اول تو خود حضور کا ارشاد کہ مجھ سے کچھ مانگ لو۔ اس امر پر شاہد ہے کہ حضور مالک و معطی ہیں۔ آپ اپنے غلاموں کو دینے والے ہیں۔ بھلا وہ جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ کب یہ کہتا ہے۔ کہ مجھ سے کچھ مانگ لو۔ اور پھر صحابہ کرام کا عقیدہ بھی دیکھئے۔ کہ حضرت ربیعہ نے یہ نہیں عرض کیا۔ کہ حضور! آپ سے مانگ کر کیوں ارتکابِ شرک کروں۔ ہمیں جو مانگنا ہے اللہ سے مانگ لینگے۔ نہیں بلکہ عرض کیا۔ حضور آپ سے جنت اور اس میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ گویا صحابہ کا ایمان تھا۔ کہ حضور جنت کے مالک ہیں۔ جبھی تو جنت مانگی اور پھر حضور نے بھی یہ نہیں فرمایا۔ کہ جنت پر میرا کیا اختیار۔ نہیں! بلکہ فرمایا۔ اچھا نمازیں پڑھتے رہنا۔ گویا ہم نے تمہیں جنت اور اس میں اپنی رفاقت دیدی۔ سبحان اللہ! یہ شان ہے ہمارے حضور کے ملک و اختیار کی۔ سچ ہے۔ ے

کس چیز کی کمی ہے مولا تری گلی میں
دنیا تری گلی میں عقبےٰ تری گلی میں

اب پوچھئے اس نام کی تقویۃ الایمان اور کام کی تفویۃ الایمان سے کہ تیری یہ بیہودگی کہ "جس کا نام محمد ہے۔ وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ تفویۃ الشیطان اور جہنم کا سامان ہے یا نہیں؟ مسلمانو! اپنے عقیدہ پر جمے رہو۔ کہ ہمارے حضور خدائی بھر کے مالک و مختار ہیں۔ اور یہ شان اللہ نے انہیں عطا فرمائی ہے۔ وہ دینے والا ہے۔ اور یہ لینے والے ہیں۔ اور تماشا یہ ہے۔ کہ وہ دیتا ہے یہ لیتے ہیں۔ اور دشمنانِ رسول جلتے ہیں۔ اور کیوں نہ جلیں۔ جبکہ انہیں جلنا ہی ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ ایسے لوگ حاسد اور بخیل ہیں۔ اور انکا عجب حال ہوتا ہے۔ دیتا کوئی ہے اور جلتے یہ ہیں۔ چنانچہ ایک منظوم لطیفہ ہے ے

منظوم لطیفہ

بیوی بولی شوم کی کیوں ہے بدن علیل
کیا گرہ سے کھل پڑا یا کسی کو دیل

یعنی ایک بخیل کی بیوی نے اپنے بخیل خاوند کو دیکھا۔ کہ وہ بڑا پریشان سا نظر آرہا ہے۔ تو پوچھا کیا کچھ گر گیا ہے؟ یا کسی کو کچھ دے بیٹھے ہو؟ جو

پریشان نظر آرہے ہو۔ تو وہ بخیل بولا :- ؎

نہ گرہ سے نکل پڑا نہ کسی کو دیل
دیتے دیکھا اور کو تو ہے بدن علیل

یعنی نہ تو کچھ گرہ سے گرا ہے۔ نہ کسی کو کچھ دیا ہے۔ بلکہ کسی دوسرے آدمی کو سخاوت کرتے دیکھا ہے۔ اس لئے پریشان ہوں۔"

مسلمانو! یہی حال ان دشمنوں کا ہے۔ کہ حضور کا خدا حضور کو دیتا ہے اور یہ اس کی عطا کو دیکھ کر جلتے ہیں اور مرتے ہیں مگر ؎

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا۔
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

عمل ضروری ہے

میرے بزرگو! اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہمیں جنت میں جانے کے لئے عمل بھی کرنا ضروری ہے دیکھئے حضور علیہ السلام نے حضرت ربیعہ سے فرمایا کہ نمازیں پڑھتے رہنا۔ گویا جنت میں تجھے لے تو جاؤں گا۔ مگر تم بھی عبادت میں کوشش کرنا۔ میرے عزیزو! آج کل ہم میں سے بھی ہر ایک جنت کا طالب تو ضرور ہے۔ مگر افسوس کہ نماز روزہ کے معاملہ میں ہم بڑے سست واقع ہوئے ہیں۔ نام کے مسلمان ہیں۔ ایک بار کلمہ پڑھ لیا۔ اور پھر چھٹی۔ نہ نماز نہ روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ، اور نہ کوئی اور نیک عمل۔ اور کہا یہ جاتا ہے۔ کہ صاحب! جس نے کلمہ پڑھ لیا۔ بس وہ جنت کا مالک بن گیا۔ پھر اس نماز روزہ کی کیا حاجت! توبہ! توبہ!! میرے دوستو!

ریلوے ٹکٹ

ریلوے ٹکٹ کی مثال سامنے رکھو۔ دیکھئے آپ مثلاً لاہور سے کراچی تک جانے کے لئے ٹکٹ خریدیں۔ تو اس ٹکٹ پر یہ لکھا ہوا موجود ہوگا۔ "لاہور سے کراچی" مگر یہ ٹکٹ لے کر آپ پھر اپنے گھر جا بیٹھیں۔ اور آرام سے سو جائیں۔ اور اگر کوئی پوچھے کہ آپ کراچی کیوں نہیں گئے۔ تو آپ اس کے سامنے ٹکٹ کر دیں۔ کہ یہ دیکھئے میرے پاس کراچی کا ٹکٹ موجود ہے۔ میں کراچی پہنچ جاؤں گا۔ تو سب آپ کو بیوقوف کہینگے۔

اور جواب یہی دیں گے۔ کہ صاحب! اگرچہ آپ کے پاس یہ ٹکٹ موجود ہے جس پر "لاہور سے کراچی" لکھا ہوا ہے۔ مگر آپ جب تک پلیٹ فارم پر جاکر ٹرین پر سوار نہ ہوں گے۔ اور ۲۴ گھنٹے کی زحمت سفر برداشت نہ فرمائیں گے۔ آپ اس ٹکٹ کے باوجود بھی ہرگز کراچی نہ پہنچ سکیں گے۔ تو اسی طرح میرے بھائیو! ہمارے پاس لآ الٰہ الا اللہ کا ٹکٹ تو بیشک موجود ہے۔ اور بیشک یہ ٹکٹ سیدھا جنت کا ہی ہے۔ مگر خوب یاد رکھیئے کہ یہ ٹکٹ لے کر بھی ہم جب تک عملی پلیٹ فارم پر قدم نہ رکھیں گے اور نماز و روزہ اور دیگر ارکانِ اسلامیہ کی ٹرین پر سوار نہ ہوں گے۔ اس وقت تک ہم اس ٹکٹ کے باوجود بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ مسلمان کو اگر جنت کی خواہش ہے۔ تو احکامِ شریعت پر عمل بھی کرے۔ اور اپنے آپ کو اس شعر کے مطابق بنائے کہ ؎

مصوّر دیکھنا تصویر میری یوں بناتی ہو
ادھر حکمِ الٰہی ہوا اِدھر گردن جھکائی ہو

حوضِ کوثر

حضرات! کوثر کا ترجمہ اور تفسیر آپ سن چکے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو "بہت کچھ" عطا فرمایا۔ مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے کوثر سے مراد حوضِ کوثر بھی بیان کیا ہے۔ مگر جب کوثر کا ترجمہ بیشمار خوبیاں" "خیر کثیر" اور "بہت کچھ" کیا جائے گا۔ تو حوضِ کوثر بھی خود بخود اس میں آجائے گا۔ چنانچہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کوثر کی تفسیر "خیر کثیر" سے فرمائی۔ تو سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ لوگ تو کہتے ہیں۔ کوثر سے مراد حوضِ کوثر ہے۔ تو ابن عباس نے فرمایا۔

ھُوَ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ۔ حوضِ کوثر بھی خیر کثیر میں سے ہی ہے۔ (روح البیان ج ۴ ص ۵۰۹)

تو میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو منجملہ خیر کثیر کے یہ حوضِ کوثر بھی عطا ہوا۔ اور حضور اس حوضِ کوثر کے بھی مالک ہیں۔ یہ حوضِ کوثر کیا ہے؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یہ ایک جنت کی نہر ہے

مَاءُہٗ اَبْیَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِیْحُہٗ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْکِ وَکِیْزَانُہٗ

كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ يَشْرِبُ مِنْهَا فَلَا يَظْمَاءُ اَبَدًا۔ (مشکوۃ شریف ص۴۸۷)

اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید۔ خوشبو اس کی مشک سے زیادہ خوشبودار۔ اور جام اسکے آسمان کے تاروں کے برابر ہیں۔ جو شخص ایک بار اس کا پانی پی لیگا۔ پھر کبھی وہ پیاسا نہ ہوگا۔

میرے بزرگو! یہ ہے وہ حوض کوثر جو منجملہ دیگر خوبیوں کے حضور کو عطا ہوا۔ حضور اس کے مالک ہیں۔ اور اللہ نے حضور کو اس کا مالک بنایا ہے۔

حشر میں حضور کی تلاش ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کل قیامت کے دن اس حوض سے اپنے غلاموں کو پانی پلائینگے اعلیحضرت فرماتے ہیں۔ ؎

ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا میٹھا　　پیتے ہم ہیں پلاتے یہ ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ حضور سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کل میدان حشر میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں۔ آپ کہاں ہوں گے؟ حضور نے فرمایا: سب سے پہلے تو مجھے "پل صراط" پر دیکھنا" حضرت انس نے عرض کیا۔ اور حضور اگر آپ وہاں نہ ہوتے تو؟ تو فرمایا" پھر میزان" کے پاس دیکھنا۔ وہاں ہوں گا" عرض کیا۔ حضور اگر وہاں بھی نہ پا سکوں تو پھر؟ فرمایا:۔

فَاطْلُبْنِيْ عِنْدَ الْحَوْضِ فَاِنِّيْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلٰثَ الْمَوَاطِنَ

پھر مجھے حوض کوثر پر تلاش کرنا۔ میں ان تین جگہوں میں سے ایک نہ ایک جگہ ضرور ہوں گا۔ (مشکوۃ شریف ص۴۸۵)

سبحان اللہ! لاکھوں درود اور کروڑوں سلام غمخوار امت نبی پر جو اپنے غلاموں کی خاطر یا پل صراط پر تشریف فرما ہوگا۔ اور اپنے غلاموں کو اپنی رحمت سے پار گزار رہا ہوگا۔ یا میزان کے پاس تشریف فرما ہوگا۔ اور اپنے گنہگار غلاموں کے نیکیوں کے ہلکے پلے اپنے گراں قدر انعامات و الطاف سے بھاری فرما رہا ہوگا۔ یا حوض کوثر پر تشریف فرما ہوگا۔ اور اپنے پیاسے غلاموں کو جام پلا رہا ہوگا۔ شاعر نے اس حدیث کا ترجمہ کیا ہے اور حضور

کا جواب اس طرح لکھا ہے کہ ؎

یا ہوں گا میں کوثر پہ پلاتا ہُوا پانی — یا ہونگا ترازو کے میں نزدیک ضروری
یا پُل پہ کھڑا ہونگا حفاظت کو تمہاری — گر گرنے لگے کوئی تو میں اسکو بچالوں

شاعر پھر لکھتا ہے :۔

گر حکم جہنم کا مجھے دے گا الٰہی — اور بھیجے پکڑنے کیلئے اس نے سپاہی!
اس وقت میں چلّاؤں گا اور دونگا دہائی — ٹھہرو میں ذرا اپنے محمدؐ کو بلالوں

ؔ

اٹھینگے شہِ والا مدد کرنے اسی دم — فرمائینگے اے امتی نہ کر تو کوئی غم!
میں آیا ہوں بن کر ترا مونس و ہمدم — آمیرے گنہگار میں کملی میں چھپاؤں

اور بھائیو! پھر جسے اس مبارک کملی میں پناہ مل گئی اسے پھر کیا خطرہ ؎

ڈھونڈا ہی کریں صدرِ قیامت کے سپاہی
وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

بزرگو! خدا تعالیٰ نے اِنَّا اعطینٰک الکوثر فرما کر پھر فرمایا۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ تو تم اپنے رب کیلئے نماز پڑھو"

امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ایک بڑی پر لطف بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو تفضلاً کوئی چیز دے۔ یعنی ہبہ کردے تو وہ اپنی دی ہوئی چیز واپس بھی لینا چاہے۔ تو اگرچہ یہ بات مناسب نہیں۔ مگر وہ واپس لے سکتا ہے۔ اور اگر لینے والا بھی اس کے عوض کچھ دیدے۔ چاہے ایک پائی ہی کی چیز کیوں نہ ہو۔ تو پھر اس صورت میں دینے والا اپنا عطیہ واپس نہیں لے سکتا۔ تو بنا بریں حق تعالیٰ نے حضور کو کوثر عطا فرمایا۔ اور شبہ مذکور کو دور فرمانے کے لئے فرما دیا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ (اس کے عوض میں) تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو۔ اور قربانی دو"

تاکہ اس عطا کے بعد آپ کی طرف سے بھی عوض کا ظہور ہو جائے۔

اور کوثر ہمیشہ کے لئے آپ ہی کا رہے۔ (تفسیر کبیر ص۱۲۹ ج۸)

اخلاص عمل

حضرات! فَصَلِّ لِرَبِّكَ میں حرف "ل" قابل غور ہے، خدا فرماتا ہے۔ "اپنے رب کے لئے نماز پڑھو" مفسرین کرام نے یہاں سے اخلاص عمل کا درس مستنبط فرمایا ہے۔ کہ گویا خدا کا ارشاد ہے۔ کہ نماز پڑھو تو خاص اپنے رب کیلئے یعنے ریاکاری کے لئے نہ پڑھو۔ بلکہ بڑے حسن خلوص کے ساتھ اور صرف اللہ کے لئے پڑھو۔ مسلمانو! اخلاص عمل جان عمل ہے۔ اگر یہ اخلاص نہ رہا تو سمجھ لو کہ وہ عمل بیکار ہو گیا حدیث إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے مطابق جیسی نیت ہوگی۔ ویسا ہی اثر مرتب ہوگا۔ چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے :-

ایک عابد کی حکایت

کہ ایک عابد کو جو عرصہ دراز سے عبادت الٰہی میں معروف تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک قوم ہے جو ایک درخت کی پوجا کرتی ہے۔ عابد سن کر بڑا غصے میں آیا۔ اور اسی وقت کلہاڑا لے کر اٹھا۔ اور اس درخت کو کاٹنے کے لئے چل پڑا۔ راستے میں اسے شیطان ایک شیخ کی صورت میں ملا۔ اور پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ عابد نے بتایا کہ وہ درخت جسے لوگ پوجتے ہیں۔ کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا۔ تو ایک درویش آدمی ہے۔ تجھے اس جھگڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ خواہ مخواہ اپنی عبادت کا وقت ضائع کرو گے۔ جاؤ گھر جاکر اللہ اللہ کرو۔ عابد نے کہا۔ تو میری راہ چھوڑ۔ میں اس کام سے باز نہ رہوں گا۔ میرے لئے یہ کام بھی عبادت ہی ہے۔ شیطان نے کہا۔ مگر میں تجھے ہرگز جانے نہ دوں گا۔ عابد نے کہا۔ دیکھوں تو، تو میری راہ کیسے روکتا ہے بس پھر کیا تھا۔ عابد و شیطان دونوں کی لڑائی شروع ہوگئی۔ اور دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد عابد نے شیطان کو نیچے گرا لیا۔ اور اس کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ شیطان نے کہا۔ مجھے چھوڑ دے۔ اگر چھوڑ دے گا۔ تو میں تجھے ایک ایسی بات بتاؤں گا۔ کہ تو خوش ہو جائے گا۔ چنانچہ عابد نے اسے چھوڑ دیا۔ اور شیطان نے اٹھ کر کہا۔

کہ دیکھ تجھے اس درخت سے کیا مطلب۔ لوگ پوجتے ہیں تو پوجنے دو۔ اگر اللہ کو یہ درخت کٹوانا ہی منظور ہوا۔ تو کسی نبی کو بھیج کر کٹوا لے گا۔ تو واپس چلا جا۔ اور اللہ اللہ کر! میری بات مان کر اگر تو واپس چلا گیا۔ تو میں ہر روز صبح تیرے تکیے کے نیچے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔ تو فقیر آدمی ہے اس طرح تو نان و نفقہ سے بے نیاز ہو جائے گا۔ درخت کے قصے کو چھوڑ اور واپس چلا جا۔

عابد نے جب دو دینار ہر روز ملنے کا سنا۔ تو سوچنے لگا۔ کہ بات تو ٹھیک ہے۔ میں کوئی نبی تو ہوں نہیں۔ کہ درخت کا کاٹنا مجھ پر ضروری ہو۔ نہ خدا نے مجھے اس کے کاٹنے کا حکم ہی دیا ہے۔ کہ میں نہ کاٹنے سے گنہ گار ہو جاؤں گا۔ یہ شیخ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ یہی ٹھیک ہے۔ یہ سوچا اور کہا اچھا تو میں واپس جاتا ہوں۔ اب تم بھی اپنا وعدہ پورا کرنا۔

چنانچہ رات کو سویا اور صبح اٹھا۔ تو واقعی اس کے تکیہ کے نیچے دو دینار پڑے ہوئے تھے۔ بڑا خوش ہوا۔ دوسرے دن بھی اٹھا۔ تو دو دینار مل گئے۔ مگر جب تیسرے دن اٹھا۔ تو دینار وینار کچھ بھی نظر نہ آئے۔ اب تو عابد صاحب بڑے غصے میں آئے۔ اور پھر کلہاڑا لیا۔ اور درخت کاٹنے چل پڑے راستے میں پھر شیطان اسی شکل میں ملا۔ اور پوچھا۔ خیر تو ہے؟ آج پھر اسی طرف جا رہے ہو۔ عابد نے کہا۔ آج میں پھر اسی درخت کے کاٹنے کو جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا۔ میں آج بھی نہ جانے دوں گا۔ عابد نے کہا۔ آج تو میں ضرور ہی جاؤں گا۔ اس جھگڑے میں پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور تھوڑی دیر میں پہلے دن کے خلاف شیطان نے عابد کو گرا لیا۔ اور عابد کی چھاتی پر سوار ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ اگر درخت کاٹنے سے باز آ جاتے تو بہتر ورنہ ابھی ذبح کر دوں گا۔ عابد نے محسوس کیا کہ آج مجھ میں اسکے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ کہنے لگا۔ یہ تو بتا دو۔ کہ اُس دن تو میں نے تجھے گرا لیا تھا۔ مگر آج یہ کیا بات ہوئی۔ کہ تو مجھ پر غالب آ گیا ہے شیطان کہنے لگا۔ کہ اس دن تو تو خالص اللہ کے لئے درخت کاٹنے

جارہا تھا۔ اور تیری نیت میں خلوص تھا۔ اور آج تجھے دو دینار کے نہ ملنے کا غصہ ہے۔ اور نیت میں وہ اس دن والا خلوص نہیں
(نزہتہ المجالس ص۳ ج ۱)

دیکھا میرے دوستو! اہل خلوص حضرات پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔ وہ تو پہلے دن ہی خدا کے سامنے شیطان نے اقرار کر لیا تھا۔ کہ

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۔

یعنے تیرے مخلص بندوں پر میرا قابو نہ چلے گا۔ اور سنیئے اس نیت کا بدل جانا کیا کیا گل کھلاتا ہے۔ علامہ دمیری علیہ الرحمۃ حیوٰۃ الحیوان میں لکھتے ہیں۔

ایک بادشاہ اور دہقانی کی حکایت

کہ ایک بادشاہ کو اپنی مملکت کی سیر کرتے ہوئے کسی گاؤں میں ایک دہقانی کے ہاں رات بسر کرنے کا اتفاق ہوا۔ دہقانی کو علم نہ تھا کہ یہ بادشاہ ہے۔ اس نے عام مہمان سمجھ کر بڑی خدمت کی۔ اور رات کو جب دہقانی اپنی گائے کا دودھ دوہنے لگا۔ تو بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ اس ایک گائے نے تین گائے کے دودھ کے برابر دودھ دیا ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت دل میں ارادہ کر لیا۔ کہ واپس جاتے ہی شاہی حکم سے اس گائے کو اپنے قبضے میں کر لوں گا۔ دوسرا دن بھی بادشاہ وہیں رہا۔ اور دوسرے دن اس گائے کا دودھ دوہا گیا۔ تو بادشاہ نے دیکھا۔ کہ دودھ آدھا رہ گیا ہے۔ بادشاہ نے دہقانی سے پوچھا۔ کہ آج گائے نے دودھ کم کیوں دیا؟ اور دہقانی کہنے لگا۔ میرے خیال میں آج ہمارے بادشاہ کی نیت میں کوئی فتور آگیا ہے اور اس نے اپنی رعایا کے کسی فرد پر ظلم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ بس یہ اس کی بدنیتی کی نحوست ہے۔ جو سارے ملک پر اثر انداز ہو گئی ہے اور میری گائے کے دودھ سے بھی برکت اڑ گئی ہے۔ بادشاہ یہ سن کر دل ہی دل میں بڑا شرمندہ ہوا۔ اور اسی وقت اپنا ارادہ بدل ڈالا اور سچے دل سے عہد کر لیا۔ کہ میں ہرگز ایسا ظلم نہ کروں گا۔ تیسرا دن بھی

بادشاہ وہیں رہا۔ اور دیکھا کہ تیسرے دن گائے نے پھر پورا دودھ دیا ہے۔ کم نہیں ہوا۔ دہقانی آیا اور کہنے لگا۔ الحمد للہ! ہمارے بادشاہ کی نیت درست ہو گئی ہے۔ (حیوٰۃ الحیوان ص۱۳۵ ج ۱)

میرے بھائیو! اس حکایت سے اندازہ لگا لو۔ کہ آج دنیا بھر میں جو نحوست ہی نحوست نظر آرہی ہے۔ اور کسی چیز میں برکت نہیں رہی۔ اسکی وجہ دراصل یہی ظلم وستم کا عام ہونا ہے۔ آج اس ظلم و ستم نے ہر شخص کو بدحال و پریشان کر رکھا ہے۔ اور یہ جس قدر بھی مصیبتیں اور تنگیاں ہمارے سامنے آرہی ہیں۔ یہ ہمارے اپنے ہی اعمال و افعال اور بری نیتوں کا پھل ہیں ؎

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ مرا احوال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ایک جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک کافر پر قابو پا لیا۔ اور اسے گرا کر اس پر تلوار چلانے لگے۔ کہ اس کافر نے حضرت کے منہ پر تھوک دیا۔ حضرت علی نے فوراً تلوار میان میں کر لی۔ اور پیچھے ہٹ گئے۔ کافر بڑا حیران ہوا۔ کہ علی نے مجھ پر پورا پورا قابو پا لیا تھا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ کیوں دیا۔ چنانچہ حضرت علی سے اس نے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو فرمایا ؎

گفت من تیغ از پئے حق مے زنم ٭ بندۂ حقم نہ مامور تنم
شیر حقم نیستم شیر ہوا ٭ فعل من بر دین من باشد گواہ

یعنے میں حق کا شیر ہوں۔ خواہش کا غلام نہیں ہوں۔ تلوار میں نے محض رضائے حق کے لئے پکڑی ہے۔ میں حکم خدا کا بندہ ہوں۔ اپنے نفس کا بدلہ لینے کے لئے مامور نہیں ہوں۔ میں خدا کے لئے تجھ سے لڑ رہا تھا۔ اور اسی کے لئے تجھے مارنے والا تھا۔ کہ تو نے مجھ پر تھوک دیا۔ تو مجھے اس پر غصہ آگیا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ اب اس خالص لوجہ اللہ جنگ میں اپنے

نفس کا غصہ بھی شامل ہو گیا ہے۔ اور خلوص جاتا رہا ہے۔ تو میں اس ڈر سے پیچھے ہٹ گیا۔ کہ میرا یہ کام اخلاص سے خالی شمار نہ ہو۔ کافر نے یہ ایمان افروز ارشاد سنا۔ تو قدموں میں گر کر مسلمان ہو گیا۔

سبحان اللہ! کیا لوگ تھے کہ جن کا ہر عمل محض لوجہ اللہ ہوتا تھا اور ریاکاری یا خواہش نفس کا نام تک نہ ہوتا تھا۔

مسلمانو! ہمیں بھی لازم ہے کہ ہم بھی ہر عمل محض خدا کیلئے کریں اور ریاکاری کو کبھی نزدیک تک نہ آنے دیں۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ

حضرات! اس سورت کے آخر میں اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ یہ آپ کو "ابتر" کہنے والے دشمن خود ہی "ابتر" ہیں۔ ان بے ایمانوں کا اپنا ہی نام و نشان مٹ جائے گا۔ اور آپ کا نام پاک ہمیشہ کے لئے قائم و دائم رہے گا۔ چنانچہ دشمنانِ رسول کا دیکھ لیجئے۔ نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اور سرکار کا ذکر و نام دن بدن ترقی و عروج پر ہے۔ اور قیامت تک اسی طرح دن بدن بڑھتا ہی رہے گا۔

دشمنانِ رسول تھے۔ اور مٹ گئے ہیں۔ اور مٹ رہے ہیں۔ ہونگے اور مٹ جائیں گے۔ اور — ذکر رسول تھا اور رہا۔ ہے اور باقی ہے۔ ہوگا اور رہے گا۔ مٹانے والے خود مٹ گئے۔ مٹ رہے ہیں اور مٹ جائیں گے۔ مگر ذکر مصطفٰے نہ مٹا ہے نہ مٹے گا۔ اور نہ مٹ سکتا ہے۔ ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

چھٹا وعظ

نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ (پ ۶)

"بے شک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔ اور روشن کتاب۔"

حضرات! آج میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اور بتانا چاہتا ہوں۔ کہ وہ اللہ جو خود نور ہے، اس نے اس ظلمت کدہ عالم میں اپنے محبوب کو بھی نور ہی بنا کر بھیجا ہے چنانچہ یہ جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو "نور" فرمایا ہے۔ اور جملہ مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے یہاں "نور" سے مراد حضور ہی کی ذات لکھی ہے۔ چنانچہ علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ روح البیان میں لکھتے ہیں:-

وَقِیْلَ الْمُرَادُ بِالْاَوَّلِ ھُوَ الرَّسُوْلُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ

بالشافی القات - (روح البیان ص۵۲۳ ج ۱) یعنی کہا گیا ہے ۔ کہ اول یعنی نور سے مراد حضور صلے اللہ علیہ و سلم ہیں ۔ اور کتاب مبین سے مراد قرآن ہے ۔"

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ نے پھر آگے چل کر لکھا ہے ۔ کہ :-

سَمَّی الرَّسُوْلَ نُوْرًا لِاَنَّ اَوَّلَ شَیْئٍ اَظْهَرَهُ الْحَقُّ بِنُوْرِ قُدْرَتِهٖ مِنْ ظُلْمَةِ الْعَدَمِ کَانَ نُوْرُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَمَا قَالَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ —— یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور رکھا ۔ اس لئے کہ اللہ نے اپنے نورِ قدرت سے جو چیز سب سے پہلے پیدا فرمائی ۔ وہ حضور ہی کا نور ہے ۔ جیسے کہ حضور نے خود فرمایا ۔ کہ سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا ۔ (روح البیان ص۵۴۸ ج ۱)

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے نور بنایا ہے ، اور نور فرمایا ہے ۔ اور ہمارے پاس جو نور آیا ہے ۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔

تاریکی و ظلمت

میرے بھائیو! تاریکی و ظلمت ایک ایسی چیز ہے ۔ جس سے انسان طبعاً خائف رہتا ہے ۔ چنانچہ کسی شخص کو اگر کوئی رات تاریکی میں بسر کرنی پڑے ۔ تو جو حال اس کا ہوتا ہے ۔ سب جانتے ہیں ۔ اسی واسطے انسان نے اس تاریکی و ظلمت کے ازالہ کیلئے مختلف قسم کی بتیاں تیار کرلی ہیں ۔ یہ چراغ ۔ لالٹین ۔ ہیڈیاں ۔ گیس اور بجلی کے ہنڈے سب اسی تاریکی و ظلمت کے ازالہ کے لئے ہیں ۔ تو اسی طرح یاد رکھیئے ۔ کہ ایک روحانی تاریکی و ظلمت بھی ہے ۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے تشریف لانے سے قبل نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اس حالت پر رحم فرمایا ۔ اور اس تاریکی و ظلمت کے ازالہ کے لئے ذاتِ با برکات حضور منبع النور سید الانبیاء جناب احمد مجتبٰے محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا ۔ حضور کی تشریف آوری سے اس جہانِ تیرہ

وناریک میں چاروں طرف نور ہی نور پھیل گیا۔ اور دنیا نے تاریکی وظلمت سے نجات حاصل کرلی ؎

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا!
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا!

نور دافع البلا ہوتا ہے

میرے بزرگو! یہ تاریکی و ظلمت کئی ایک بلاؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔ اور اندھیرے میں انسان کے لئے کئی قسم کے خطرات ہوتے ہیں۔ انسان اگر اندھیرے میں چل رہا ہو۔ تو اُسے کیا خبر کہ راستے میں کوئی سانپ بیٹھا ہے یا کوئی دوسرا موذی جانور راستے میں ہے۔ اور اگر راستے میں کوئی گڑھا ہو۔ اس سے بچنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ الغرض ہزارہا قسم کی مشکلات اور بلاؤں سے بچنے کے لئے مختلف بتیاں تیار کی ہیں۔ دیکھ لیجئے! اندھیرے میں جب لالٹین یا بیٹری روشن ہو جائے۔ تو اندھیرا کافور ہو جاتا ہے۔ اور اندھیرے میں جو جو خطرات اور بلائیں ہوں۔ لالٹین یا بیٹری کا نور ان سے بچا لیتا ہے۔ گویا ہماری اپنی تیار کردہ لالٹین اور بیٹری کا یہ نور بھی خطرات اور بلاؤں کا دور کرنے والا ہوتا ہے۔ تو میرے دوستو! اب آپ خود ہی فیصلہ کرلیں۔ کہ جو اللہ کا نور ہوگا۔ وہ کیوں نہ دافع البلاء ہوگا۔ درود شریف پڑھیئے۔ ؎

دافع ہمّ و کاشفِ ہر غم		صلے اللہ علیہ وسلم
باعثِ عفو و رحمتِ آدم		صلے اللہ علیہ وسلم
عظمتِ کعبہ ماہ مدینہ!		رونقِ عرش و طور سینا
نور و ضیائے ہژدہ عالم		صلے اللہ علیہ وسلم
آنکھ کا تارا، درد کا چارا		سب کا سہارا سب کا ہے پیارا
آقا ہمارا مونس و ہمدم		صلے اللہ علیہ وسلم

یارانِ ظلمت

میرے دوستو! یہ بات بھی سب جانتے ہیں۔ کہ چور ہمیشہ تاریکی پسند اور ظلمت کا طرف دار ہوتا ہے۔ اس کی منشا یہی ہوتی ہے۔ کہ شمع گل ہو۔ اور میرا کام چلے۔ مگر جو سادھ ہے۔ وہ روشنی پسند

اور نور کا طرفدار ہوتا ہے۔ تو بھائیو! اب خود ہی سمجھ لو۔ کہ جو لوگ ہمارے حضور کو نور نہیں تسلیم کرتے۔ اس کی وجہ ہی یہ ہے۔ کہ وہ لوگ ظلمت پسند اور یارانِ ظلمت میں سے ہیں۔ اور ان کی خواہش ہی یہ ہے۔ کہ شمعِ حق بجھے ــــ اور ہمارا کام چلے۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ جب کہ خدا نے خود فرما دیا۔

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ــــ (پ۲۸ ع ۹) ــــ اور چاہتے ہیں۔ کہ اللہ کا نور مونہوں سے بجھا دیں۔ اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا ہے۔ اگرچہ کافر برا منائیں ۔"

تو بھائیو! جس نور کا روشن کرنے والا اور اس کا حافظ خود خدا ہو اسے کون بجھا سکتا ہے۔ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ایک پنجابی شاعر لکھتا ہے ؎

پھوکاں مار بجھایا لوڑن نور محمد والا
نور محمد کدے نہ بجھسی وعدہ حق تعالےٰ

ہر شے سے پہلے نورِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم

مسلمانو! آیت کریمہ میں خدا نے جس نور کا ذکر فرمایا ہے یہ وہ نورِ پاک ہے۔ جسے اللہ نے ہر شے سے پہلے پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ یہ تو فرمایئے! کہ اللہ نے ہر شے سے پہلے کیا پیدا فرمایا۔ تو حضور نے فرمایا۔

یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ کُلِّ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ ــــ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَّلَا قَلَمٌ وَّلَا جَنَّةٌ وَّلَا نَارٌ وَّلَا مَلَكٌ وَّلَا سَمَاءٌ وَّلَا اَرْضٌ وَّلَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ وَّلَا جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ ــــ (حجۃ اللہ علے العلمین ص۲۸)

اے جابر اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو

اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت، نہ دوزخ، نہ آسمان، نہ کوئی فرشتہ، نہ زمین، نہ سورج نہ چاند تھا۔ اور نہ کوئی جن تھا۔ نہ انسان "

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نورِ پاک ہر شے سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔ اور حضور سے پہلے کسی کو پیدا نہیں کیا گیا۔

اللہ کے نور سے

حضرات! حدیث میں جو "من نورہٖ" کا جملہ ہے۔ یعنی حضور کا نور "اللہ کے نور سے" پیدا کیا گیا ہے تو اس پر منکرینِ نور یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس طرح تو پھر اللہ کا نور کم ہو گیا کیونکہ اس میں سے کچھ حصے کا محمدی نور بنا دیا گیا۔ منکرینِ نور کا یہ جاہلانہ اعتراض ان کی عداوتِ نور کا پردہ فاش کرنے والا ہے۔ ان جاہلوں نے اہل سنت پر یہ محض بہتان باندھ رکھا ہے۔ کہ ہم اہل سنت یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ کا نور معاذ اللہ کوئی قابلِ تقسیم چیز ہے۔ جس سے کچھ حصہ الگ کر کے اس کا نور محمد بنا دیا گیا ہے۔ توبہ! توبہ!! ایسا تو کوئی بھی نہیں کہتا۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے۔ کہ خدا کا نور ازلی و ابدی ہے۔ اور یہ تقسیم و تجزی ہرگز ہرگز اس کے لائق نہیں۔ اور حضور کے نور کا اس کے نور سے ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نورِ پاک اللہ کے نور کا پرتو اور اسی کی روشنی ہے۔ دیکھئے ایک مثال عرض کروں۔

گیس کی مثال

ایک روشن گیس ہے۔ اور ایک اس کی روشنی ہے۔ اب فرمائیے۔ کہ اس روشنی کو سب یہی کہتے ہیں یا نہیں؟ کہ یہ روشنی اس "گیس سے" ہے تو گیا اس کا معنے یہ ہوتا ہے۔ کہ گیس کے ٹکڑے کر کے اس میں سے ایک ٹکڑا لے لیا گیا ہے۔ اور اُسے پیس کر سارے کمرے میں پھیلا دیا گیا ہے۔ اور یہ ساری روشنی اسی ٹکڑے کی ہے ـــــ بھائیو! یہ معنی کوئی بھی نہیں لیتا۔ حالانکہ کہتے سب یہی ہیں کہ یہ روشنی اس "گیس سے" ہے۔ تو حضور کا نور "اللہ کے نور سے" ہے۔ اس کا معنی بھی

یہی ہے۔ کہ حضور کا نور اللہ کے نور کی تجلی و روشنی ہے۔ اور اُسی نور کا عکس و پرتو ہے۔

نہ خدا ہیں نہ جدا ہیں

یہاں ایک اور بات بھی حل ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ ہمارا ایمان ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں اور نہ خدا سے جُدا ہیں۔ جو خدا کہے وہ مشرک۔ اور جو جدا کہے وہ بے ایمان۔ آپ کہیں گے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ نہ خدا ہیں اور نہ خدا سے جدا ہیں میں کہتا ہوں۔ کہ یہی گیس اور اس کی روشنی والی مثال لے لو۔ دیکھ لو یہ اسکی روشنی نہ خود گیس ہے۔ اور نہ ہی گیس سے جدا ہے۔ اگر اس روشنی کو کہا جائے۔ کہ یہی گیس ہے تو چاہیئے یہ کہ ہم اس روشنی پر پتھر ماریں۔ تو گیس ٹوٹ جائے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ روشنی عین گیس نہیں اور کیا پھر گیس سے جدا ہے؟ یہ بات بھی نہیں۔ کیونکہ اگر یہ روشنی گیس سے جدا مانی جائے تو ہونا یہ چاہیئے۔ کہ گیس کو اندر لے جایا جائے۔ تو روشنی باہر ہی رہے۔ یا گیس کو باہر لایا جائے۔ تو روشنی اندر ہی رہے۔ حالانکہ یہ بات بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ جہاں گیس ہو وہیں روشنی بھی ہوتی ہے۔ جہاں گیس۔ وہاں روشنی اور جہاں روشنی وہاں گیس۔ تو اسی طرح یاد رکھیئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نہ تو عینِ خدا ہیں اور نہ ہی اُس سے جدا ہیں۔ بلکہ جہاں خدا وہاں مصطفےٰ اور جہاں مصطفےٰ وہاں خدا۔ سہ

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانئے کیا ہو

خدا کی پہچان حضور کے وسیلہ سے

میرے بھائیو! یہیں سے ایک اور بات بھی معلوم ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ روشنی کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہاں گیس موجود ہے۔ دیکھئے یہ دھوپ سورج کی روشنی ہے۔ ہم دھوپ کو دیکھ کر جان جاتے ہیں۔ کہ سورج کا طلوع ہو چکا ہے۔ اگر دھوپ نہیں ہے تو سورج کا طلوع بھی نہیں ہے۔ بلا تشبیہ اسی طرح حضور کو دیکھ کر ہی خدا کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔ اگر حضور ہیں

تو خدا کی بھی پہچان ہے۔ اور اگر حضور نہ ہوتے تو خدا کی پہچان بھی حاصل نہ ہوتی

اے رضا فیض ہے احمد پاک کا
ورنہ تم کیا سمجھتے، خدا کون ہے

حضرات! میرے خیال میں اب آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ حضور کے نور کا "اللہ کے نور سے" ہونے کا کیا مطلب ہے۔ ان معترضین و منکرین نور کا یہ کہنا کہ حضور کا نور" اللہ کے نور سے" مانا جائے تو اللہ کا نور کم ہو جائیگا۔ آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں۔ کہ کس قدر جہالت کی بات ہے۔

لطیفہ یہاں مجھے ایک دہقانی کی بات یاد آگئی۔ یہ سادہ لوح حضرات بھی بعض اوقات بڑی مزے کی بات کر دیتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ ایک مرتبہ میں جہلم گیا۔ تو وہاں کے احباب نے یہ بات سنائی۔ کہ یہاں ایک منکر نور مولوی آیا۔ اور اس نے اپنے وعظ میں لوگوں کو یوں بہکانا شروع کیا۔ کہ مسلمانو! دیکھو روپے کے سولہ آنے ہوتے ہیں۔ اور اگر اس میں سے چار آنہ نکال لئے جائیں۔ تو بتاؤ روپیہ پورا رہا یا کم ہو گیا؟ تو حاضرین نے جواب دیا۔ کم ہو گیا۔ مولوی نے کہا۔ تو مسلمانو! اسی طرح اگر حضور کو اللہ کے نور سے مانا جائے۔ تو پھر اللہ بھی پورا نہیں رہتا۔ بلکہ کم ہو جاتا ہے۔ (معاذ اللہ) لوگوں نے بتایا۔ کہ مجمع میں سے ایک دہقانی اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ مولوی گپیں نہ ہانک! دیکھ میرا ایک کنواں ہے۔ جو تیس سال سے برابر دن رات چل رہا ہے۔ اور سینکڑوں کنال زمین اور سینکڑوں کھیتیاں اس نے سیراب کی ہیں۔ مگر اتنے طویل عرصہ میں میرے کنوئیں کا پانی تو چلو بھر بھی کم نہیں ہوا۔ تو کیا خدا کا نور تم نے میرے کنوئیں سے بھی کم سمجھ رکھا ہے۔ جو ایک محمد کے بن جانے سے کم ہو گیا۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

لوگوں نے بتایا۔ کہ اس بات سے وہ مولوی چپ ہو گیا۔ اور اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ بھائیو! اس دہقانی نے یہ بات اپنی سمجھ کے مطابق خوب کہی۔ مگر اصل بات وہی ہے۔ جو میں کہہ چکا۔ کہ ہم جو حضور کو "اللہ کے نور" سے مانتے ہیں۔ اس کا مطلب وہ نہیں۔ جو یہ لوگ بیان کرتے

ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ کے نور کی حضور تجلی ہیں۔

سراج منیر

حضرات! خداوند کریم نے ایک دوسرے مقام پر حضور علیہ اللہ علیہ و سلم کو سراج منیر یعنے چمکتا ہوا چراغ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ (پ۲۲ ع۳) اے پیارے نبی! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا۔"

مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کو جو سراج منیر فرمایا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ:۔

اِنَّ السِّرَاجَ الْوَاحِدَ یُوْقَدُ مِنْهُ اَلْفُ سِرَاجٍ وَّلَا یَنْقُصُ مِنْ نُّوْرِهٖ شَیْئٌ وَقَدِ اتَّفَقَ اَهْلُ الظَّاهِرِ وَالشُّهُوْدِ عَلٰی اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ جَمِیْعَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ نُّوْرِ مُحَمَّدٍ وَّ لَمْ یَنْقُصْ مِنْ نُّوْرِهٖ شَیْئٌ۔ (روح البیان ص۱۲۹ ج ۳) ایک چراغ سے ہزار چراغ بھی روشن کرلئے جائیں۔ تو پہلے چراغ میں نور کی کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اور تمام اہل ظاہر و شہود اس بات پر متفق ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کیا ہے۔ اور حضور کے نور میں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔"

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ اس موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں:۔ ؎

گفت طوبیٰ من رآنی مصطفےٰ
وَالَّذِیْ یُبْصِرُ لِمَنْ وَّجْهِیْ رَاٰی

یعنی حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے۔ کہ خوشخبری ہو اُسے جس نے مجھے دیکھا اور اُسے بھی جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔

چوں چراغے نور شمع راکشید!

ہرکہ دید آں را یقیں آں شمع دید

جس طرح ایک چراغ دوسری شمع سے روشن کرنے پر اس شمع کے نور سے مستفید ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس چراغ کو دیکھے گا۔ وہ یقیناً اس شمع ہی کو دیکھے گا۔ ؎

ہمچنیں تا صد چراغ از نقل شد

دیدن آخر لقائے اصل شد

اسی طرح یکے بعد دیگرے سو چراغ روشن کردیئے جائیں۔ تو آخری چراغ کا نور بھی اسی شمع کا نور ہے۔

مسلمانو! حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے۔ کہ تمام انبیاء کرام، اور اولیاء عظام اسی شمع محمدی سے مستفید ہیں۔ اور یہی وہ نور پاک ہے۔ جس سے تمام چراغ روشن ہوئے۔ پڑھئے درود شریف!

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمْ يَا حَبِيْبَ اللّٰه

اندھے

میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نورٌ علےٰ نور ہیں۔ مگر جو لوگ حضور کو محض اپنے ہی جیسا سمجھتے ہیں۔ وہ اندھے ہیں۔ انہوں نے حضور کو محض سطحی نظروں سے دیکھا ہے ان نظروں سے جن نظروں سے ابوجہل نے دیکھا تھا۔ اور یہ دیکھنا نہ دیکھنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے:۔

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔ (پ ۹ ع ۱۴)

اور آپ انہیں دیکھتے ہیں۔ کہ وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں مگر انہیں کچھ نہیں دکھتا۔

محمود غزنوی کی حکایت

مفسرین کرام نے سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ کی ایک حکایت لکھی ہے۔ کہ وہ ایک روز حضرت ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو وہاں حضرت بایزید

بسطامی علیہ الرحمۃ کا ذکر ہو رہا تھا۔ سلطان محمود نے پوچھا۔ حضور! بایزید کس شان کے بزرگ تھے؟ حضرت ابوالحسن نے فرمایا:-

هُوَ رَجُلٌ مَنْ رَاٰهُ اِهْتَدٰى —— وہ ایسا وجود ہے۔ کہ جس نے انہیں دیکھا۔ ہدایت پا گیا۔

سلطان محمود نے عرض کیا۔ لیکن حضور! ابوجہل نے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کو کئی بار دیکھا۔ مگر وہ ہدایت نہ پا سکا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی نے جواب دیا۔

اِنَّهٗ مَا رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَا رَاٰى مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَتِيْمِ اَبِىْ طَالِب (روح البیان صفحہ ۱۲۹ ج ۳) —— ابوجہل نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کو نہیں دیکھا۔ اس نے محمد بن عبد اللہ یتیم ابی طالب کو دیکھا تھا"

یعنی اس بے ایمان نے سطحی نظروں سے دیکھا۔ اور محض محمد بن عبداللہ کو دیکھا۔ اور اپنے جیسا ایک بشر دیکھا۔ اگر وہ بے دین واقعی دیکھتا۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کو دیکھتا۔ تو نور نظر آتا۔ اور اسکا دِل نورِ ایمان سے منور ہو جاتا۔ لیکن سہ

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے!
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

جبریل کی عمر

حضرات! آپ سن چکے کہ ہمارے حضور کے نور کو اللہ نے ہر چیز سے پہلے پیدا فرمایا۔ اور اس وقت ساری مخلوق میں سے کوئی چیز بھی پیدا نہ ہوئی تھی۔ نہ یہ زمین تھی نہ آسمان، نہ لوح و قلم، نہ عرش و کرسی، نہ جن و انس اور نہ کوئی فرشتہ۔ اسی واسطے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ جبریل سے دریافت فرمایا۔ اے جبریل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ تو جبریل نے عرض کیا۔ حضور مجھے کچھ خبر نہیں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ

اِنَّ فِى الْحِجَابِ الرَّابِعِ نَجْمًا يَطْلَعُ فِىْ كُلِّ سَبْعِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ

مَرَّةً رَأَيْتُهُ اِثْنَيْنِ وَ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَرَّةٍ ــ چوتھے حجاب میں ایک تارہ ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا۔ میں نے اُسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا ہے۔

حضور علیہ السلام نے یہ سن کر جبریل کو جواب دیا:۔

وَعِزَّةِ رَبِّيْ اَنَا ذٰلِكَ الْكَوْكَبُ ــ مجھے میرے رب کی عزت کی قسم! میں ہی وہ تارا ہوں" (روح البیان صفحہ ۹۷۴ ج ۱)

دیکھا آپ نے! جبریل نے اپنے گمان میں اپنی بڑی لمبی عمر بیان کی تھی، مگر یہ جواب سن کر اُسے بھی معلوم ہو گیا۔ کہ حضور تو مجھ سے بھی پہلے کے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا مشاہدہ

حضرت آدم علیہ السلام جو سارے انسانوں کے باپ ہیں۔ اور جو بظاہر آدمی سے پہلے پیدا فرمائے گئے۔ ان کے متعلق حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرما کر فرمایا۔ کہ اے آدم اپنا سر اٹھاؤ۔ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَرَاٰى نُوْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سُرَادِقِ الْعَرْشِ فَقَالَ يَا رَبِّ مَا هٰذَا النُّوْرُ۔ قَالَ هٰذَا نُوْرُ نَبِيٍّ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ اِسْمُهٗ فِي السَّمَاءِ اَحْمَدُ وَفِي الْاَرْضِ مُحَمَّدٌ۔ لَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ وَلَا خَلَقْتُ سَمَاءً وَّ لَا اَرْضًا ــ (مواہب لدنیہ صفحہ ۹ ج ۱) آدم علیہ السلام نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پردوں میں ایک نور دیکھا۔ عرض کی اے رب یہ نور کیا ہے؟ فرمایا۔ یہ نور ایک نبی کا ہے۔ جو تمہاری اولاد میں سے ہونگے۔ ان کا نام آسمان میں احمد ہے۔ اور زمین میں محمد اگر وہ نہ ہوتے۔ تو میں نہ تمہیں پیدا کرتا۔ اور نہ زمین و آسمان کو"

دوستو! پھر اسی نور سے حضرت آدم علیہ السلام مشرف فرمائے گئے۔ اور یہ نورِ پاک آدم علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ معالم التنزیل میں ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی پیشانی کے خطوط سے ایک باریک آواز سننے لگے۔

اور آپ نے خدا سے پوچھا۔ کہ الٰہی! یہ کیسی آواز ہے۔ تو خدا نے جواب دیا۔
هٰذَا تَسْبِیْحُ مُحَمَّدٍ وَلَدِكَ — یہ تمہارے فرزند محمد کی آواز ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)
میرے بزرگو! سب جانتے ہیں۔ کہ آدم علیہ السلام کو سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اور آپ سارے فرشتوں کے مسجود بن گئے۔ یاد رکھئے اسی نور پاک کی برکت سے حضرت آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ بن گئے۔ اور شیطان لعین بھی اسی لئے مردود ہوا۔ کہ اس بے ایمان کو آدم علیہ السلام محض مٹی کا جسم نظر آئے۔ اور اسے نور محمد نظر نہ آیا۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ سہ

گر دوید ابلیس گفت ایں فرع طیں!
چوں فزاید بر من آتش جبیں
یعنی ابلیس کو مٹی نظر آئی۔ اور اس نے کہا۔ کہ میں تو آگ ہوں
پھر یہ مٹی کیسے بڑھ سکتی ہے؟

مردود کو مٹی نظر آئی اور "بشریت" تک ہی اس کی نگہ رک گئی۔ اور نور کو وہ دیکھ نہ سکا۔ اس لئے مردود ہو گیا۔ حضرات! آج بھی بے ادب اور گستاخ لوگ حضور منبع النور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا ایک بشر ہی خیال کرتے ہیں۔ اور نور مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ انہیں گستاخوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ سہ

گر نہ فرزندِ بلیسی اے عنید! پس بتو میراث آں سگ کے رسید
یعنے اے گستاخ رسول اگر تو ابلیس کا فرزند نہیں تو پھر تجھے
یہ ابلیس کی وراثت (یعنے انبیاء کو اپنی مثل بشر سمجھنا) کیسے
مل گئی؟

لطیفہ دوستو! گستاخان رسالت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ اور حضور کو نور تسلیم نہیں کرتے۔ اس موقعہ پہ مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ایک سنی اسی قسم کے ایک گستاخ سے حضور کے نور ہونے پہ بحث کر رہا تھا۔ سنی کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور

اللہ کے نور ہیں۔ اور گستاخ کہہ رہا تھا۔ نہیں وہ تو ہمارے ہی جیسے ایک بشر تھے۔ دو ہاتھ ان کے تھے۔ دو ہمارے۔ دو آنکھیں ان کی تھیں۔ دو ہماری دو کان ان کے تھے۔ دو ہمارے۔ پھر فرق کیا رہا۔ اتنے ہی وہاں ایک خوش پوش بھنگی آگیا۔ وہ یہ بحث سن کر گستاخ سے کہنے لگا۔ کہ اس مسئلہ پر مجھ سے گفتگو کر لو۔ گستاخ نے کہا۔ اچھا تم ہی گفتگو کر لو۔ وہ بھنگی کہنے لگا۔ کہ کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ اور ہوٹل وہ سامنے ہی ہے۔ چلئے پہلے کھانا کھا لیں۔ پھر گفتگو کریں گے۔ گستاخ نے کہا۔ اچھی بات ہے یہ کہہ کر دونوں ہوٹل میں گئے۔ گستاخ کو علم نہ تھا۔ کہ یہ بھنگی ہے۔ اس بھنگی نے کھانا منگوایا اور دونوں مل کر کھانے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بھنگی بولا۔ قبلہ آپ جو میرے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے ہیں۔ آپ کو یہ معلوم ہو جانا چاہیئے۔ کہ میں بھنگی ہوں۔ گستاخ یہ بات سنتے ہی بولا۔ "لاحول ولا قوۃ"! اور ایک دم اٹھ بیٹھا۔ بھنگی بولا۔ قبلہ! یہ کیا؟ گستاخ بولا! کم بخت تو نے پہلے کیوں نہ بتایا۔ کہ تو بھنگی ہے۔ بھنگی نے جواب دیا۔ مگر جناب! کچھ بھی سہی! آخر میں بھی تو تمہاری مثل ایک بشر ہی ہوں۔ دو ہاتھ تمہارے دو میرے۔ دو کان تمہارے دو میرے۔ دو آنکھیں تمہاری دو میری۔ پھر فرق کیا رہا۔ گستاخ نے کہا۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر تو بھنگی ہے اور میں مسلمان۔ بھنگی نے کہا اور اسی طرح محمد نور اور تو سور۔ وہ گستاخ یہ جواب سن کر بڑا شرمندہ ہوا۔

میرے بھائیو! اپنا ایمان رکھو کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم نور ہیں۔ اور انہیں اپنی مثل کہنا بڑی گستاخی ہے۔ دیکھو تو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بھی نور فرمایا۔ اور خود حضور نے بھی اپنے نور ہونے کا اعلان فرمایا اور یہ بھی آپ نے سن لیا۔ کہ ہر شے سے پہلے اسی نور کو پیدا کیا گیا تو پھر کیوں نہ کہا جائے۔ کہ حضور نور ہیں۔ اور سارے عالم کے لئے موجب ظہور ہیں۔ اسی نور کے فیض سے سب کچھ بنا اور اسی نور کے واسطے سب کچھ بنا۔ ؎

وہی نورِ حق وہی ظلِ رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

ظہورِ نور

مسلمانو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بھی دیکھئے۔ سراپا نور ہی نور ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نورِ پاک ابھی حضور کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پشت انور ہی میں ہے۔ اور آپ کی پیشانی اس نور کی تنویر سے چمک رہی ہے۔ کہ ایک دفعہ مکے کی ایک جاننے بوجھنے والی عورت نے آپ کو دیکھا۔ تو آپ سے کہنے لگی۔ کہ آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ میں والدین کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ پھر اس کے بعد جب حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہو گیا۔ اور یہ نور پاک حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ انور میں منتقل ہو گیا۔ تو کچھ دنوں کے بعد آپ اسی راستے سے گزرے۔ تو اس عورت نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور منہ پھیر لیا۔ حضرت عبداللہ نے اس سے منہ پھیر لینے کی وجہ پوچھی۔ تو وہ بولی :-

لَقَدْ رَاَیْتُ بَیْنَ عَیْنَیْکَ نُوْرًا مَا اَرَاہُ الْآنَ (خصائص کبریٰ ص۴۲ ج۱)

"میں نے آپکی پیشانی میں جو نور دیکھا تھا۔ وہ اب مجھے نظر نہیں آتا"

سہ

وہ جس کے نور سے تیری چمکتی تھی یہ پیشانی!
اسی کی تھی میں طالب اور اسی کی تھی میں دیوانی!
مگر میں رہ گئی محروم قسمت میری پھوٹی ہے!
سنا ہے کہ وہ نعمت آمنہ نے تجھ سے لوٹی ہے!

یہ نور پاک ابھی بطن مادر ہی میں ہے کہ والد محترم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضور کے دادا جان حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کے انتقال کے بعد یہ معمول بنا لیا۔ کہ رات کو اٹھتے اور خانۂ کعبہ کا طواف کرتے اور رو کر یہ دعا کرتے سہ

دعا یہ تھی کہ یارب نعمتِ موعود مل جائے!
بنی ہاشم کا مرجھایا ہوا گلزار کھل جائے!

حضرت آمنہ فرماتی ہیں۔ کہ ولادت کی شب میں نے ایک نورانی گروہ آسمان سے اترتے دیکھا۔ جن کے پاس تین نورانی جھنڈے تھے۔ انہوں نے ایک جھنڈا تو کعبے پر گاڑ دیا۔ اور ایک بیت المقدس پر ایک میرے مکان کی چھت پر گاڑ دیا پھر میں نے دیکھا۔ کہ آسمان کے ستارے بھی میرے مکان کی طرف جھکے پڑتے ہیں۔ وَاسْتَلَأَتِ الدُّنْيَا نُوْرًا۔ (نزہتہ المجالس ص۸۳ ج ۲)

اور ساری دنیا نور کے ساتھ بھر گئی۔

حضرت عبدالمطلب حسبِ معمول طوافِ کعبہ میں مشغول تھے۔ اور دعا مانگ رہے تھے ؎

اچانک صبح کی پہلی کرن ہنستی ہوئی آئی!
مبارکباد کہہ کر یہ خبر دادا کو پہنچائی!
ملا ہے آمنہ کو فضلِ باری سے یتیم ایسا
نہیں ہے بحرِ ہستی میں کوئی دُرِّ یتیم ایسا

آپ نے یہ بشارت سنی تو آپ دوڑ کر گھر آئے۔ اور مقدس پوتے کو گود میں اٹھا لیا۔ ؎

زمین پر عرش بالا کے نشاں معلوم ہوتے تھے
کہ ان کی گود میں دونوں جہاں معلوم ہوتے تھے
مئے روحانیت کے جام سے مخمور بیٹھا تھا
چھپا کر آج پہلو میں خدا کا نور بیٹھا تھا
کہا دادا نے اے بیٹی میرا پوتا محمد ہے
جو دنیا بھر کے انسانوں سے اعلیٰ اور امجد ہے

مسلمانو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب اس عالم میں تشریف لائے ہیں۔ تو حضور کی والدۂ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسا نور دیکھا جس کی روشنی میں حضرت آمنہ کو ملک شام کے محلات نظر آنے لگے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ کہ جب میں پیدا ہوا۔ تو:-

قَدْ خَرَجَ لَهَا نُوْرًا اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۰۵)

میری والدہ کے لئے ایک ایسا نور ظاہر ہوا۔ جس سے ان کے سامنے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔

اور حضور کی والدہ محترمہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں :-

انہ خرج منی نور اضاءت لہ قصور الشام (خصائص کبری صلکہ ج۱)

بوقت ولادت شریفہ میرے لئے ایک ایسا نور ظاہر ہوا۔ جس سے میرے لئے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(صاحب اکرام محمدی کا اس موقعہ پر لکھنا ہے :-

وقت تولد صبح دے اندر آیا نبی سوہرا!
چانن نور نبی دے کولوں نکل گیا چمکارا!
شام ملک سب نظری آیا حضرت آمنہ تائیں
ہر ہر شہر جو شام زمین ہر دستی ہر جائیں

دیکھا آپ نے کہ ولادتِ طیبہ سرتا پا نور ہی نور ہے۔

جیسا دیس ویسا بھیس

میرے بزرگو! ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور یقیناً نور ہیں۔ اور اس عالم میں جو آپ لباس بشریت میں تشریف لائے۔ تو یہ محض لباس ہے۔ اور لباس کے بدل جانے سے حقیقت نہیں بدلا کرتی۔ دیکھئے! زید نے یورپ میں جاکر کوٹ پتلون پہنی۔ اور پاکستان میں آکر شیروانی و شلوار پہن لی۔ پنجاب میں آکر سر پر عمامہ باندھا۔ اور یو۔پی میں جاکر ہلکی پھلکی ٹوپی پہن لی اور بنگال پہنچ کر ننگے سر ہی پھرنے لگے۔ تو ان سب صورتوں میں جیسا دیس ویسا بھیس کے مطابق لباس بدلتا رہے گا۔ مگر زید وہی زید کا زید ہی رہیگا۔ تو اسی طرح بلا تشبیہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ آپ کا نور ساری مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا گیا۔ اور جب آپ اس عالم میں تشریف لائے۔ تو آپ نے اس عالم کا لباس۔ لباس بشریت زیب تن فرمایا۔ تو اس لباس بشریت کے زیب تن فرمانے سے حضور کے نور ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا۔ بلکہ آپ پہلے بھی نور تھے اور اب بھی نور ہی ہیں۔

نُورانی بشریّت

میرے بزرگو اور عزیزو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ نور ہیں۔ اس لئے آپ کا لباس بھی نورانی لباس ہے، اور آپ کی بشریت بھی نورانی بشریت ہے۔ حضور کی بشریت ما و شما کی سی بشریت نہیں۔ بلکہ وہ ایک بے مثل و بے نظیر اور نورانی بشریت ہے رُخِ انور مظہرِ نورِ حق ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَق۔ جسمِ انور مشک و عنبر کی خوشبوؤں کا معدن ہے۔ چنانچہ دور و نزدیک کے شیدائی و فدائی اسی خوشبوئے دلآویز کے پتہ و نشان سے اور کسی سے پوچھے بغیر خوشبو کی راہنمائی میں ہی حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ اور دولتِ دیدار سے مشرف ہو جایا کرتے تھے ؎

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذی شان گیا
ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلمدان گیا

اور اب تک مدینہ منورہ کے در و دیوار کو ایک خوشبوئے خاص حاصل ہے۔ جو مشک و عنبر میں بھی نہیں ہے۔ کسی شاعر نے کیا اچھا لکھا ہے کہ

؎ زلفِ نبی کی خوشبو لے جائے گر صبا واں
شرمندہ مشک ہو کر ملکِ ختن سے نکلے

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جس طرح سامنے دکھائی دیتا تھا۔ اسی طرح پیچھے سے بھی دکھائی دیتا تھا۔ اہل لطائف نے لکھا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک شمع ہدایت ہیں اور شمع ؟ ؎

نور عالم میں کہاں اس کا نہیں بتلاؤ ؟
پشت و رُو شمع کا ہوتا ہے کہیں بتلاؤ ؟

چشمِ انور بظاہر خواب میں ہوتی مگر دل مشاہدۂ انوار و اسرار میں بیدار ہوتا۔ چنانچہ فرمایا یَنَامُ عَیْنِیْ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ — یعنی میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا! ؎

بادشاہِ شہرِ یٰسین آپ ہیں ٭ گوہرِ دریائے طٰسین آپ ہیں
ہے اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ آب و ناں ٭ لَا یَنَامُ قَلْبِیْ ہے خوابِ گراں

جسمِ انور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ اس لئے کہ آپ نور ہیں اور آپ کی

ذات کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا۔ مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

سایہ ندیدند بر زمیں ہیچ کس — نور بود سایۂ خورشید و بس
جانش ز آلائش تن پاک بود — سایہ بہ بند اختند بریں خاک دود
عکس جمال تو نمود آفتاب — سایہ ز نور آمدہ زاں در حجاب

ان اشعار کا اردو ترجمہ یہ ہے :-

تھا نہ سایہ اس کا یہ مشہور ہے — سایۂ خورشید کیا ہے نور ہے
جان تھے آلائش تن سے وہ پاک — اس لئے سایہ نہ تھا بالائے خاک
نورِ خور اس نور سے مغلوب تھا — سایہ اس کا اس لئے محجوب تھا

حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہر شخص سے اونچے معلوم ہوتے تھے اگرچہ وہ کتنا ہی بلند قامت ہوتا۔ ؎

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں!
اس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

حضور کے بدن پر کبھی نہ بیٹھتی تھی۔ آپ کا سایہ نہ تھا۔ حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

وَكَانَ عَرَقُهُ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ۔ (رواہ ابونعیم) وَاِذَا امْشٰى مَعَ الطَّوِيْلِ طَالَهُ (رواہ البیہقی)۔ وَلَمْ يَقَعْ لَهُ ظِلٌّ عَلَى الْاَرْضِ وَلَا رُئِىَ لَهُ ظِلٌّ فِىْ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ ××× وَلَا يَقَعُ عَلٰى ثِيَابِهِ ذُبَابٌ قَطُّ وَلَا يَمُصُّ دَمَهُ الْبَعُوْضُ وَمَا اٰذَاهُ الْقَمْلُ۔ (مواہب لدنیہ ص ۲۹۸ ج ۱)

حضور کا پسینہ مشک سے بھی زیادہ خوشبودار تھا۔ اور حضور جب کسی لمبے آدمی کے ساتھ چلتے۔ تو حضور ہی اس سے لمبے نظر آتے۔ اور حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور نہ آپ کا سایہ چاند اور سورج کی روشنی میں نظر آتا تھا۔ اور آپ کے کپڑوں پر مکھیاں نہ بیٹھتی تھیں۔ اور مچھر بھی آپ کو نہیں کاٹتا تھا۔ اور جوئیں بھی اذیت نہیں دیتی تھیں۔"

الغرض حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بشریت مقدسہ ایک بے مثل بشریت ہے

؎ ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

ارشادِ رومیؒ

آج کل کے بے ادب اور گستاخ یہ کہتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ کہ ہم بھی کھاتے ہیں۔ حضور بھی کھاتے تھے۔ ہم بھی پیتے ہیں۔ حضور بھی پیتے تھے۔ پھر وہ ہمارے جیسے بشر نہ ہوئے تو کیا ہوئے؟ — میرے دوستو! اس کا جواب مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک شعر میں یہی دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا ٭ واں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

یعنی یہ جو کچھ کھاتے پیتے ہیں۔ دیکھ لو اس کی نجاست بن جاتی ہے روٹی کھائیں۔ تو اس کا پاخانہ بن جائے۔ پانی پئیں۔ تو اس کا پیشاب بن جائے۔ مگر وہ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ تناول فرماتے ہیں۔ اس کا نورِ خدا بن جاتا ہے۔ پھر یہ کس منہ سے ان کی ہمسری کا دعوے کرتے ہیں!

حضور کا بول مبارک

میرے بھائیو! ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت پیاس معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے ایک برتن میں پڑا ہوا پانی پی لیا۔ صبح پتہ چلا۔ کہ وہ جسے امّ ایمن نے پانی سمجھ کر پی لیا تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک تھا۔ جو حضور نے اس رات ایک جانب خانہ میں کسی برتن میں فرمایا تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ معلوم کرکے امّ ایمن سے فرمایا:۔

اَمَا وَ اللّٰهِ لَا يَيْجَعَنَّ بَطْنُكِ اَبَدًا۔ (کنز العمال ص۱۱۲ جلد ۲) (خصائص کبریٰ ص۶۸ جلد ۱) بخدا آج سے تیرا پیٹ کبھی درد نہ کرے گا"

دیکھا آپ نے میرے بھائیو! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک ہے۔ جو پیٹ کی بیماریاں گنوا رہا ہے۔ گویا میرے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک بھی دفع بلا فرماتا ہے۔ اور ہمارے لئے شفا ہے۔ اور ایک یہ ہیں جن کے تھوک کے لئے بھی ریل گاڑیوں میں لکھا ہوتا ہے۔ کہ تھوکو مت! اس

سے ۔بیماری پھیلتی ہے۔ گویا حضور کا بول مبارک بھی شفاء اور ان کا لعاب دہن بھی دواء۔ پھر ان کی ہمسری کا دعویٰ کیا اس شعر کا مصداق نہیں۔ کہ ؎

خدا کی شان تو دیکھو کہ گلچڑی گنجی!
حضور بلبلِ بستاں کرے نوا سنجی!

حُسن و جمالِ نور میرے بزرگو! صحابہ کرام علیہم الرضوان سے پوچھیے کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نورانی حسن و جمال کا کس انداز میں ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ہند بن ابی ہالہ فرماتے ہیں۔

یَتَلَأْ لَؤُ وَجْهُهٗ تَلَاْ لُؤَ الْقَمَرِ ـــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔" (شمائل ترمذی ص۳۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک روشن رات میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضور ایک سرخ رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے تشریف فرما تھے۔ میں ایک نظر آسمان پر چودھویں کے چاند کی طرف کرتا۔ اور ایک حضور کے چہرۂ انور کی طرف۔

فَاِذَا هُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ۔ تو حضور کا چہرۂ انور مجھے چودھویں کے چاند سے زیادہ حسین و جمیل نظر آتا تھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۸)

دیکھا آپ نے حسن و جمال نور صلے اللہ علیہ وسلم کہ چاند بھی ماند ہے ؎

چاند سے تشبیہہ دینا کیا یہی انصاف ہے!
اس کے منہ پر چھائیاں حضرت کا چہرہ صاف ہے

اس حسن و جمالِ نور کی تنویر نے عالم کا ذرہ ذرہ چمکا دیا ؎

نور اندر نور باہر کوچہ کوچہ نور ہے!
بلکہ یوں کہیے کہ سب دنیا کی دنیا نور ہے!

تنویرِ نور میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فیض نور ہے کہ جس پر نظر کرم پڑ گئی۔ اُسے بھی روشن کر دیا۔ چنانچہ ایک شب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کی مجلس سے اٹھے۔ اور اپنے گھر جانے لگے۔ تو اندھیری رات تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اعجاز سے ان کی

لاٹھیاں چمکنے لگیں۔ اور وہ اُن لاٹھیوں کی روشنی میں اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔ یہ حدیث خصائص کبریٰ کے صفحہ جلد ۲ پر دیکھ لیجئے۔ معلوم ہوا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اور وہ جس کو چاہیں۔ اپنے اس فیضِ نور سے مستنیر و روشن فرما دیتے ہیں۔ اور جو یہاں آتا ہے۔ اس فیضِ نور سے حصہ لے کر جاتا ہے۔ سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت نے اپنے قصیدۂ نور میں کیا اچھا لکھا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

اس شعر میں لفظ "توڑا" قابلِ داد ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس لفظ کو ہر دو مصرعوں میں مختلف معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔ پہلے "توڑا" سے مراد "حصہ" ہے۔ اور دوسرے "توڑا" سے مراد "نقصان" ہے۔ ان دونو معنوں کو پیشِ نظر رکھ کر پھر یہ شعر پڑھئے ؎

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا!
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

الغرض ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اور آپکے فیضِ نور سے دنیا کا ہر صاحبِ کمال مستفید و مستنیر ہے۔ اور آپ کا حسن و جمال اس قدر بے مثل و بینظیر ہے۔ کہ چودھویں کا چاند بھی اسکے سامنے ماند ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال مشہور ہے۔ مگر ؎

اے صَلِّ عَلٰے گرمیٔ بازار محمدؐ!
یوسف بھی ہے سو جاں سے خریدارِ محمدؐ

حسنِ مستور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جو حسن و جمال ہے۔ حق تعالیٰ نے اسے کئی پردوں میں مستور فرمایا ہے۔ ورنہ کس کی مجال تھی۔ کہ وہ اس حسنِ نور کی تاب لا سکتا؟ باوجود حسنِ مستور ہونے کے اس حسنِ نور کا یہ عالم ہے کہ ؎

نگاہیں برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں ؛ وہ آدمی ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں

اور اگر وہ حسنِ نورِ حسنِ مستور نہ ہوتا۔ تو کیا ہوتا؟ سنیئے! حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ سنیئے! یہ واقعہ مغنی الواعظین میں درج ہے۔ اور اسے میں پنجابی شعروں میں پیش کرتا ہوں۔ سنیئے۔

اک دن صدیقہ نے کہیا، نال ادب یا حضرت!
برکت نور تساڈے تھیں رب کیتی ساری خلقت
کیہہ موجب ہے دسو مینوں ہے اک مطلب میرا
حسن تساڈے تھیں یوسف دا کیوں سی حسن ودھیرا
ایہہ گل سُن حضرت فرمایا بی بی خیر نساء نوں
سن میں اَج تاں ظاہر کردا مخفی راز خدا نوں
چہرے انور میرے اُتے خالق پاک الٰہی!
پردے پا ہفتاد ہزاراں اصلی شکل چھپائی
جے اک پردہ رُخ مرے تھیں خالق پاک اٹھا دے
تابش جھل نہ سکے کوئی چن سورج چھپ جاوے
بی بی کہندی حضرت رب تھیں پردہ اک اٹھواؤ
مینوں اوہ نورانی چہرہ اصلی آپ دکھاؤ
جبرئیل فرشتہ فوراً خدمت اندر آیا!!
حضرت دے رخ انور تھیں اک پردہ آن اٹھایا
اچن چیتی منہ تھیں ایسا شعلہ ہویا ظاہر
تابش جھل نہ سکی بی بی نس بھیج نکلی باہر
جاں پھر پردہ جیوں اگے سی صورت اپر آیا
صدیقہ نوں ہسدیاں ہسدیاں حضرت نے فرمایا
میری صورت وچوں دسیں جدوں پیا لشکارا
کیوں حجرے تھیں باہر ہویوں اکّو دیکھ نظارا
بی بی کہندی یا حضرت جی جدوں پیا لشکارا
میں جاتا حجرے اگ لگی سڑدا عالم سارا

تو میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حسن نور حسن مستور ہے اور اس حسن مستور کے جلووں کا بھی یہ عالم ہے کہ ؎

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

حضرت یوسف علیہ السلام اور قحط سالی

حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے بادشاہ ہوئے تو ایک مرتبہ ملک میں قحط پڑ گیا۔ یوسف علیہ السلام نے اعلانِ عام فرما دیا۔ کہ جس کسی کو گندم کی ضرورت ہو۔ وہ سرکاری خزانے سے آ کر گندم لے جائے۔ چنانچہ ہر ضرورت مند سرکاری خزانے میں آنے لگا۔ اور حسب ضرورت وہاں سے گندم پانے لگا۔ اتفاق دیکھیے۔ کہ اگلی فصل کو ابھی تین مہینے باقی تھے۔ کہ سرکاری خزانے میں بھی گندم ختم ہو گئی۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی فکر پیدا ہوئی۔ کہ یہ تین مہینے کیسے نکلیں گے؟ اسی فکر میں تھے کہ ؎

اوسے وقت جنابِ الاہوں وحی پیام لیاندا!
یا نبی اللہ حکم تساں نوں پاک خدا فرماندا!
برقعہ کھول زیارت بخشو جو بھکھا بھی آوے
ویکھ جمال مبارک تیرا بُھک تمامی جاوے

سبحان اللہ! ایک یہ نبی کا چہرہ ہے۔ کہ بھوکا دیکھے تو بھوک جاتی رہے۔ اور ایک ان اپنی مثل کہنے والوں کا منحوس چہرہ بھی ہے۔ کہ اگر شومئ تقدیر سے نظر آ جائے۔ تو سارا دن روٹی ہی نہ ملے۔ ہاں تو شاعر لکھتا ہے۔ کہ لوگ تین مہینے تک حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کرتے رہے۔ اور اسی زیارت سے سیر ہوتے رہے۔ شاعر نے یہ واقعہ لکھنے کے بعد جو آخری مصرعہ لکھا ہے۔ وہ قابلِ داد ہے لکھتا ہے ؎

ترن مہینے رجی خلقت دیکھ یوسف کنعانی
جنہاں محمد عربی ڈٹھا رجے دو ہیں جہانی

سُبْحَانَ اللہ! سُبْحَانَ اللہ!! کیا اچھا لکھا ہے۔ کہ جنہوں نے حضور کے رُخِ انور کو دیکھ لیا۔ بس وہ دو جہاں سے بے نیاز ہو گئے الٰہی! ہمیں اسی رُخِ انور کا فدائی و شیدائی رکھ۔ اور جب دم نکلے۔ تو یہی چہرۂ نور ہمارے سامنے ہو۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

ساتواں وعظ

معراج شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (پ ۱۵ ع ۱)

پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک۔ جس کے گردا گرد ہم نے برکت رکھی

کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے "معراج شریف" ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ یہ معراج شریف بھی ہے۔ شب معراج حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جاگتے ہوئے جسم شریف کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے جانا۔ اور اپنے خالق کا دیدار پانا۔ اور ماکان وما یکون کے علوم و اسرار پاکر آن کی آن میں واپس آجانا بیشک ہماری حدّ عقل سے باہر ہے۔ اور یہ عقل حیران ہے۔ کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے مگر یہ ہمارے ایمان میں ضرور داخل ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے۔ کہ بیشک حضور صلے اللہ علیہ وسلم جاگتے ہوئے جسم شریف کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک، اور پھر وہاں سے آسمان پر، اور پھر عرش پر تشریف لے گئے۔ اور دیدار و اسرار پاکر آن کی آن میں واپس بھی اس طرح تشریف لے آئے کہ، ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اِک دم میں سرِ عرش گئے آئے محمدؐ

معجزہ معجزہ کہتے ہی اُسے ہیں جو عقل کو عاجز کردے۔ جو بات عقل میں آجائے۔ وہ معجزہ ہی نہیں۔ من بھر دودھ وہی ہے جو پاؤ بھر پیالی میں نہ سما سکے۔ اور جو دودھ پاؤ بھر پیالی میں آگیا۔ وہ دودھ من بھر ہے ہی نہیں۔ معجزہ وہی ہے۔ جو ہماری محدود عقلوں میں نہ آسکے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے جس قدر بھی معجزات ہیں۔ وہ اگرچہ ہماری محدود عقلوں میں نہیں آسکتے۔ مگر ہمارا ان پر ایمان ضرور ہے۔ اور ہم جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کو تسلیم کرتے ہیں۔ تو جس خدا نے طور کی چوٹی پر حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو شرفِ ہم کلامی بخشا۔ اسی نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو عرش کی بلندی پر شرفِ دید و کلام سے نوازا۔ جس خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک دریائے عظیم کو پھاڑ کر اس میں

خشک راستہ بنا دیا۔ اسی خدا نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے فرش سے عرش تک کے جملہ موانع کو ہٹا کر ایک ایسا نورانی راستہ تیار فرما دیا۔ جس راستے سے حضور اوپر تشریف لے بھی گئے۔ اور آ بھی گئے۔ جس قادرِ مطلق کی قدرت نے حضرت خلیل علیہ السلام کے لئے بھڑکتے ہوئے شعلوں، اور دہکتے ہوئے انگاروں کو چمنستان بنا دیا۔ اسی خدا نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے سارے ناری کرّوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور حضور ان میں سے گزر گئے۔ ایک مومن جب جبرئیل علیہ السلام کا آسمانوں کی بلندیوں سے زمین پر آ جانا تسلیم کر لیتا ہے۔ تو خود ہبطِ جبرئیل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا زمین سے بلندیوں پر تشریف لیجانا کیوں تسلیم نہ کریگا؟

میرے بھائیو! مسلمان کی عقل اس کے ایمان کی تابع ہے۔ یعنی مسلمان کی عقل بھی مومن ہے۔ لہذا عقل سلیم کا تو یہی اعلان ہے کہ ؎

سرکار نے کیں منزلیں طے مع جسد پاک ؛ سرکار نے ہر چیز کو دیکھا شب معراج
جس کی کسی انسان نے پائی نہ ہوا بھی ؛ وہ مرتبہ سرکار نے پایا شب معراج

جو طالب و مطلوب میں تھے اٹھ گئے پردے
جو راز تھے سب ہو گئے ہیں وا شب معراج

بیوقوف عقلمند آجکل کے مدعیان عقل و فراست معجزہ کے باب میں آکر عجیب بیوقوفی کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ حضور اوپر کیسے چلے گئے۔ پھر آن کی آن میں واپس کیسے آ گئے۔ کہ بستر بھی گرم پایا۔ اور زنجیر بھی ہلتی پائی۔ آسمان میں کوئی راستہ نہیں۔ آپ آسمانوں میں سے کیسے گزرے؟ راستے میں آگ کے کرّے آتے ہیں۔ ان میں سے کیسے نکل گئے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ خدا کی قدرت سے گئے اور آئے۔ اور خدا جس نے اپنے محبوب کو بلایا تھا۔ وہی راستے کی ہر رکاوٹ کو دور کرنے والا تھا۔ اب جو واقعی عقلمند ہے وہ تو ایمان لے آئے گا۔ اور جو بے وقوف عقلمند ہے۔ وہ اپنی عاجز عقل ہی کی دم پکڑے رہے گا۔

ہمالیہ کی چوٹی

ابھی کل کی بات ہے۔ کہ جن سنگھ ایک نیپالی آدمی جو مسلمان بھی نہیں ہے۔ اس نے کہا۔ کہ میں ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی پر چڑھ گیا ہوں۔ تو ان "عقلمندوں" نے بغیر کسی حیل و حجت کے فوراً اس کی بات مان لی۔ اور تقریروں میں، اخباروں میں اسکے اس کارنامے کا چرچا کرنے لگے۔ یہاں کسی کی بھی تو عقل آڑے نہ آئی۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ دنیا کی بلند ترین چوٹی پر جن سنگھ چڑھ جائے۔ اس جن سنگھ نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ میں اس چوٹی پر چڑھتے ہوئے ایک جگہ ۳۶ گھنٹے بھوکا پیاسا کھڑا رہا۔ اس پر بھی کسی "عقلمند" کی عقل نے اعتراض نہ کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں اس عقل کو ان "عقلمندوں" نے معجزاتِ انبیاء کے انکار کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ جن سنگھ کا کہنا کہ میں دنیا کی بلند ترین چوٹی ہمالیہ پر چڑھ گیا ہوں۔ یہ تو فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ میں عرش کی بلندیوں پر تشریف لے گیا۔ ان کی عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ تو پھر کیوں نہ ایسی عقل والوں کو "بے وقوف عقلمند" کہا جائے۔

چاند تک

میرے دوستو! اس دور میں یہ لوگ ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پاک کا انکار کرتے ہوئے شرماتے بھی نہیں۔ حالانکہ آجکل یہ لوگ خود اس بات کا پراپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ عنقریب ایک ایسا راکٹ تیار ہونے والا ہے۔ جس پر سوار ہو کر ہم چاند تک پہنچ جائینگے حتےٰ کہ اخبارات میں یہ خبریں بھی آنے لگیں۔ کہ امریکہ و یورپ میں بعض لوگ چاند میں اپنے اپنے نام زمینیں الاٹ کرا رہے ہیں۔ ایک اخبار میں میں نے پڑھا۔ کہ امریکہ کے ایک پادری صاحب نے چاند میں ایک قطعہ زمین خریدا ہے۔ اور اعلان کیا ہے۔ کہ میں اس قطعہ میں گرجا بناؤں گا۔ اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ زمین سے چاند تک کے راستے میں کئی سٹیشن بنائے جائینگے ویٹنگ روم بھی تعمیر کئے جائیں گے۔ ہوٹل۔ سیر گاہیں اور عیش و عشرت کے سارے سامان مہیا کئے جائیں گے۔ تو کیوں بھائیو! ان خبروں پر یقین

کسی بے وقوف عقلمند کی رگِ سائنس پھڑکی ؟ نہیں ! بلکہ ان خبروں کی تائید و امکان میں یہ لوگ مضمون لکھتے ہیں ۔ تو کیا یہ ساری خبریں، یہ ان کے سارے مضامین اور یہ ان کے ارادے میرے آقا و مولیٰ حضور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حقیقی و واقعی سیر معراج کے مؤید نہیں ہیں ؟ یہ تو کوئی ایسا راکٹ بناتے ہی بنائیں گے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لئے یقیناً ایک ایسا براق پیدا فرما دیا تھا ۔ جو ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو آن کی آن میں چاند سے بھی کہیں دور آگے لے گیا ۔ اور ہمارے حضور اس چاند کے بھی خالق تک جا پہنچے ۔ مومن کی عقل کا تو یہی فتویٰ ہے ۔ کہ اگر سائنس کا راکٹ تمہیں چاند میں لے جا سکتا ہے ۔ تو خدا کی قدرت کا راکٹ حضور کو چاند سے بھی آگے لے جا سکتا ہے ۔ اور یہ چاند اور سورج راستے ہی میں رہ جاتے ہیں ۔ اسی لئے ایک شاعر نے لکھا ہے کہ

ماہ و انجم نے سر راہ بچھا دیں آنکھیں ٭ کیونکہ ہے ناقہ اسریٰ کا سفر آج کی رات!
کہکشاں جلوہ فشاں ہے اسی رستے سے ٭ ہونے والا ہے محمدؐ کا گزر آج کی رات

اوپر جانا "بیوقوف عقلمندوں" کا یہ اعتراض کہ حضور کا مع الجسم اوپر تشریف لے جانا خلافِ عقل ہے ۔ بجائے خود خلاف عقل ہے ۔ اسلئے کہ عقل ہی نے بتایا ہے ۔ کہ حرکت کی دو قسمیں ہیں ۔ حرکت طبعی ، اور حرکت قسری ۔ طبعی تو وہ ہے ۔ جو طبیعت کے اقتضاء سے واقع ہو ۔ جیسے گیند کی طبیعت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اوپر سے نیچے کو آئے ۔ اور قسری یہ ہے کہ کسی مانع کی تحریک سے خلاف طبیعت حرکت کرے ۔ جیسے وہی گیند بلے کی ٹھوکر سے بجائے اوپر سے نیچے کی طرف آنے کے نیچے سے اوپر کی طرف حرکت کرنے لگتی ہے ۔ تو جب ایک گیند کا اوپر جانا خلاف عقل نہیں ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر تشریف لے جانے میں کیا استحالہ ہے ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ گیند اوپر جا کر ٹھہرتی نہیں ہے ۔ فوراً نیچے آجاتی ہے ۔ تو حضور کے متعلق ہم کب کہتے ہیں ۔ کہ آپ وہاں ٹھہر گئے ۔ آپ تو اس قدر جلد واپس تشریف لے آئے کہ زنجیرِ در بھی بدستور ہل رہی تھی ۔ اور بستر بھی اسی طرح گرم تھا ۔

رہا یہ کہ گیند کا کم بلندی پر جا کر واپس آ جانا۔ تو یہ پھینکنے والے کی طاقت پر منحصر ہے۔ ایک چھ سال کا بچہ اگر اوپر کی طرف کوئی چیز پھینکے۔ تو وہ بہ نسبت ایک جوان آدمی کے پھینکنے کے کم بلند جائیگی۔ یا یوں سمجھیے۔ کہ ایک شخص نے بانس کی غلیل سے ایک غلہ اوپر پھینکا۔ اور اسی مقابلہ پر دوسرے نے بندوق سے گولی چلائی اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص نے توپ کا دہانہ آسمان کی طرف کر کے گولہ چلایا۔ تو غلہ سے گولی اور گولی سے گولہ بہت آگے نکل جائے گا۔ اور یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ بہ نسبت غلیل کے بندوق، اور بہ نسبت بندوق کے توپ زیادہ طاقت ور ہے۔

بنابریں چونکہ اللہ تعالیٰ تمام طاقتوں سے زیادہ قوت کا مالک ہے۔ اس لئے اس نے حضور کو اتنی بلندی پر پہنچا دیا۔ کہ حضور عرشِ اعظم پر پہنچ گئے۔ اور پھر آج تو ہوائی جہازوں کا زمانہ ہے۔ جو ٹنوں وزن کے ساتھ سینکڑوں فٹ بلندی پر اڑتے پھرتے ہیں۔ ان کی یہ حرکت طبعی نہیں ہے۔ بلکہ یہ سٹیم اور کلوں کے زور سے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اور یہ اللہ کے ادنیٰ بندوں کی کاریگری ہے تو کیا وہ خدا جس نے اپنے ادنیٰ بندوں کو اتنی قدرت دیدی ہے۔ کہ وہ اپنی عقل سے ہوائی جہاز بنائیں۔ جو اڑ کر چند منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔ ایسا براق پیدا نہیں فرما سکتا۔ جو ایک نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی نورانی پشت پر بٹھا کر پل کی پل میں فرش سے عرش تک پہنچا دے؟ عقل والے اپنی عقل سے پوچھ کر جواب دیں ؎

ہمارا امتحاں کرتے ہو لیکن ٭ تمہارا بھی اسی میں امتحاں ہے

برقی رفتاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرعت سیر پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ اس قدر طویل سفر اتنی سرعت سے کہ بستر استراحت ویسے کا ویسے ہی گرم کا گرم رہا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ ہم کہتے ہیں۔ کہ ہمارے ہی ملک میں پہلے سواری بہلی گاڑی تھی۔ جس پر تھوڑا سفر بھی زمانہ دراز میں ہوتا تھا۔ اور آج ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز موجود ہیں۔ جو دنوں کا سفر گھنٹوں میں اور گھنٹوں کا منٹوں میں طے کر لیتی ہیں۔ اور دن بدن

لیے لیسے ہوائی جہاز تیار ہو رہے ہیں۔ جو چند منٹوں میں کئی کئی سو میل کا سفر طے کر لیتے ہیں۔ اور پھر اس سے بھی زیادہ ترقی کرنا ممکن ہے اور یہ سب کچھ اس امر پر شاہد ہے۔ کہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں ہزاروں میل کا سفر طے کر لینا ممکن ہے۔

سورج کو دیکھئے۔ جغرافیہ دان بتلاتے ہیں۔ کہ زمین کا قطر تقریباً آٹھ ہزار میل ہے۔ اور سورج کا قطر زمین کے قطر سے سو گنا سے بھی زیادہ ہے۔ مگر پھر بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ صبح کو جب سورج کا بالائی کنارہ ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس کے بعد بہت جلد اس کا کنارہ زیریں بھی نمودار ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرعت سیر کا جسد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں پایا جانا از روئے عقل ناممکن نہیں ہے۔

روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی ثانیہ بتلائی جاتی ہے حالانکہ تمام نور حضور ہی کے نور کے پرتو ہیں۔ تو پھر اس منبع نور وجودِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں ایسی سرعت کیوں ممکن نہیں؟

حضور کی سواری

براق برق سے ہے۔ اور برق بجلی کو کہتے ہیں۔ اور یہ بجلی تو آج کل لوازماتِ زندگی سے بن چکی ہے۔ اس کی تیز رفتاری سب کے سامنے ہے۔ ریلوں۔ موٹروں اور ہوائی جہازوں کی تیز رفتاری کو جانے دو۔ گھروں کی بجلیوں۔ ٹیلیفونوں۔ ٹیلی گراموں اور وائر لیسوں کو دیکھو۔ یہ کتنے تیز رفتار ہیں۔ ان سب چیزوں کی محرک بجلی ہے۔ ہزاروں میل دور بیٹھکر ٹیلیفون میں بات کرتے ہیں۔ آپ کی اور آپ کے مخاطب کی گفتگو اتنی مسافت سیکنڈ بھر میں طے کر کے آتی اور جاتی ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ یہی نا کہ آپ کی باتوں کو بجلی ایک سیکنڈ سے بھی کم مدت میں ہزاروں میل دور پہنچا دیتی ہے۔ ٹیلیفون میں تو پھر برقی تاروں کا واسطہ ہے۔ وائرلیس میں یہ بھی نہیں۔ کراچی میں بیٹھ کر آپ لندن اور نیویارک میں بھی اپنی آواز دم بھر میں پہنچا سکتے ہیں۔ کس طرح؟ بجلی کی طاقت سے! اور اب تو یہ بجلی متکلم کی تصویر بھی مخاطب تک پہنچانے لگی ہے۔ جیسے

ٹیلی وژن کہتے ہیں۔ تو یہ آپ کی بجلی ہے۔ اور براق تو خالق بجلی کی اپنے محبوب کے بلانے کے لئے بھیجی ہوئی سواری تھی۔ پھر وہ اگر لحظہ بھر میں حضور کو سیر معراج کرا دے۔ تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے؟

ہمارے نورِ نظر کی ذرا سرعتِ سیر دیکھئے۔ کہ ابھی تو ہماری نظر زمین پر تھی۔ اوپر دیکھتے ہی یہ نظر فوراً آسمان پر پہنچ گئی۔ تو جب ہماری نظر کی سرعت سیر کا یہ عالم ہے۔ تو حضور جو خدا تعالیٰ کی خاص نظرِ رحمت ہیں۔ وہ آن کی آن میں زمین پر سے عرشِ اعظم پر کیوں نہیں پہنچ سکتے۔ ہماری نظر آسمان تک رک کر رہ گئی۔ اور خدا کی نظرِ رحمت آسمانوں کو بھی عبور کر کے وہاں تک جا پہنچی۔ جہاں کوئی دوسرا نہ پہنچ سکے ؎

تھا براق نبی یا کہ نورِ نظر آہ یہ گیا وہ گیا وہ نہاں ہو گیا

کرۂ نار سے کیسے گزر گئے

ایک عقلی شبہ یہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ کہ حضور اگر اوپر گئے۔ تو زمین سے بلند اوپر کی جانب جو آگ کا کرہ ہے۔ اس میں سے آپ جلے جلے سالم کیسے گزر سکے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس نے حضور کو اوپر بلایا۔ اسی خدا نے اس کرہ سے گزر جانے کا انتظام بھی فرمایا۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ دیکھئے سمندل کیڑا آگ میں رہتا ہے۔ نہ جلتا ہے نہ مرتا ہے۔ اور علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حیوٰۃ الحیوان کے صفحہ ۲۳ جلد ۲ میں شتر مرغ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ شتر مرغ آگ کا چنگارا نگل جاتا ہے۔ اس کا پیٹ اس آگ کے چنگارے کو بجھا دیتا ہے۔ اور وہ چنگارا اسے نہیں جلاتا۔ اسی طرح سمندل کے متعلق علامہ قزوینی نے عجائب المخلوقات میں لکھا ہے۔ کہ وہ ایک ایسا جانور ہے۔ جو شکل میں چوہے سے ملتا جلتا ہے۔ مگر چوہا نہیں ہے۔ اس کے بالوں، چمڑے، اور گوشت کو آگ ضرر نہیں پہنچاتی۔ چنانچہ ماہ طیبہ شمارہ ستمبر ۱۹۵۵ء کے دلچسپ صفحہ میں بھی اس کا ذکر آ چکا ہے۔ کہ یہ جانور آگ میں رہ کر لذت پاتا ہے۔ جب اس کا جسم میلا ہو جاتا ہے۔ تو آگ میں گھس جاتا ہے۔ اور اس کا جسم صاف ہو جاتا ہے۔ اس پرندے کے پروں سے اگر رومال تیار کیا جائے۔ تو وہ رومال میلا ہو جانے پر

آگ میں ڈال دیجئے۔ تو آگ اس کی میل کھا جاتی ہے۔ اور رومال نہیں جلتا سلطان حلب کو دو ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا ایک رومال پیش کیا گیا۔ جو سمندل کے پروں سے تیار کیا گیا تھا۔ سلطان کے حکم سے یہ رومال تیل میں بھگو کر آگ میں ڈالا گیا۔ نتیجہ یہی نکلا۔ کہ آگ نے تیل کو جلا ڈالا۔ اور جب تیل ختم ہو گیا۔ تو آگ بجھ گئی۔ اور رومال ویسے کا ویسے ہی رہا۔

آپ زمانہ حال کی ایجادات کو دیکھ لیجئے۔ گیس کے مینٹل جو سوتی جالی سے بنے ہوتے ہیں۔ اس قدر تیز آگ میں رہ کر بھی نہیں جلتے ــــ ولائتی آتش بازی کی پھلجھڑیاں جلانے سے ان میں سے آگ نکلتی ہے۔ مگر اس کے آتشی پھول کپڑوں پر گرتے ہیں۔ تو اس سے کپڑے نہیں جلتے۔

تو میرے دوستو! جس خدا نے سمندل پرندے کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھا۔ شترمرغ کے پیٹ کو آگ کے چنگارہ سے نہ جلنے دیا۔ اور پھلجھڑیوں کی آگ سے جلا دینے کی طاقت سلب کر کے ہمارے کپڑوں کو آگ سے بچا لیا۔ اسی خدا نے اپنے محبوب کو آگ کے کرہ سے بن جلے سلامتی سے گزار لیا۔ بتاؤ اس میں کونسی مشکل بات ہے؟

بھائیو! یہ تو حضور کی ذات گرامی ہے۔ خدا کی قسم حضور کے نام میں بھی وہ تاثیر ہے۔ کہ جہنم کی آگ کو بھی سرد کر دے ؎

سرد کر دیں گے عاصی جہنم کی آگ!
مصطفٰے کہہ کے جس وقت چلا ئیں گے

آسمانوں سے عبور

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے۔ کہ حضور آسمانوں میں سے کیسے گزر گئے۔ جب کہ آسمانوں کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ مومن کا جواب یہ ہے۔ کہ آسمانوں کے دروازے ہیں۔ جو حضور کے لئے اس رات کھل گئے تھے۔ اور ان لوگوں کو اپنی تسلی کے لئے اپنی ایکس رے لائٹ کو دیکھنا چاہیئے: جو مریض کے کپڑوں اور اس کے جسم کو بغیر کسی چیر پھاڑ کے عبور کر جاتی ہے۔ اور اندرونی مرض کا فوٹو باہر لے آتی ہے۔ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے۔ کہ حضور جو منبع الانوار ہیں۔ ان آسمانوں سے خدا کی

قدرتِ کاملہ سے عبور کر جائیں ؟

اگر ہماری نظر عینک کے شیشہ سے بغیر توڑ پھوڑ کے پار ہو سکتی ہے۔ تو حضور جو خدا کی نظرِ رحمت ہیں۔ ان آسمانوں سے کیوں پار نہیں جا سکتے ؟ سہ

مخالف کہتے ہیں کیوں کر نبی افلاک پر پہنچے!
فلک کو در نہیں کیسے وہ عرش پاک پر پہنچے
یہ کہہ دو نور کو حائل نہیں دیوار ہوتی ہے
نظر شیشے پہ جب پڑتی ہے فوراً پار ہوتی ہے

بستر کا گرم رہنا اس بات پر بھی عقلی شبہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہ اتنا طویل سفر طے فرمانے کے بعد واپسی پر بستر مبارک کا گرم ہی پانا عقل نہیں مانتی۔ حالانکہ انہی لوگوں نے ایک بوتل جسے تھرموس کہتے ہیں۔ تیار کر دی ہے۔ جس میں گرم چائے ڈالو۔ تو چوبیس گھنٹے تک وہ گرم کی گرم ہی رہتی ہے۔ تو کیا ربِّ کائنات اپنے محبوب کے بسترِ استراحت کو گرم کا گرم نہ رکھ سکتا تھا ؟ سچ ہے۔ ع

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

لطیفہ میرے بزرگو! یہ " بیوقوف عقلمند" یورپ کی تو ہر بات جا ہے عقل میں نہ بھی آئے۔ مان لیتے ہیں۔ مگر دین کی ہر بات ان کیلئے ناقابل تسلیم ہوتی ہے۔ ان کی مثال اس جنٹلمین جیسی ہے۔ جس کے پاس اس کے گاؤں کا ایک نائی آیا۔ جنٹلمین نے اس نائی سے پوچھا۔ سناؤ میرے گھر کا کیا حال ہے۔ نائی نے جواب دیا۔ بابو جی! کیا بتاؤں۔ آپ کی بیوی صاحبہ بیوہ ہو گئی ہیں۔ بابو جی نے یہ سنا۔ تو لگے رونے اور چلانے، محلے والے آئے اور پوچھا۔ کہ کیا ہوا۔ تو بولے کیا بتاؤں۔ یہ نائی میرے گاؤں سے آیا ہے۔ اور اس نے بتایا ہے۔ کہ میری بیوی بیوہ ہو گئی ہے۔ محلے والوں نے یہ سن کر کہا۔ کہ کچھ عقل سے بھی کام لو۔ تمہارے جیتے جی تمہاری بیوی بیوہ کیسے ہو سکتی ہے۔ تو بولے " یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر یہ نائی بڑا معتبر ہے "

بھائیو! اسی طرح ان بیوقوف عقلمندوں کے لئے یورپ کا نائی بڑا معتبر

ہے۔ وہ کچھ بھی ہانک دے یہ مان لینگے۔ ہاں اگر انکار کریں گے۔ تو دین کی باتوں کا۔ سہ

بُدھوں کی بات کو ہنس ہنس کے کرلینا قبول
اور ہنسی دیں کی اڑانا آجکل فیشن میں ہے

سُبحَانَ حضرات! ابتداء وعظ میں جو میں نے آیت پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے سُبْحَانَ فرمایا ہے۔ خدا کو علم تھا کہ اس کے محبوب کے اس سفر عالی کا سن کر پرستارانِ عقل شور مچا ئینگے۔ اس واقعہ کو غلط بتائینگے۔ اس واسطے خدا نے اس بے عقلی کا سدِ باب کرنے کو سب سے پہلے لفظ "سبحان" اختیار فرمایا۔ اور فرمایا "پاکی ہے اُسے" کس چیز سے؟ ہر عجز و بے چارگی سے، اور ہر نقص سے، کہ یوں کہا جا سکے۔ کہ لاکھوں برس اور کروڑوں میل کا سفر حضور نے ایک لمحہ میں کیسے طے کرلیا؟ اور ایک جسم زمین سے اوپر کیسے چلا گیا؟ اور اگر گیا۔ تو آگ کے کرہ سے بچ کر کیسے گزر گیا۔ اور گزر بھی گیا۔ تو آسمانوں میں سے کیسے نکل گیا؟ جب لے جانے والی ذات ہر عجز و بے چارگی سے پاک ٹھہری۔ تو پھر ان شکوک وشبہات کا کیا معنیٰ؟

اَسْرٰی اس کے بعد اللہ نے پھر "اسریٰ" فرمایا ہے۔ یعنی پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ "جو لے گیا" یہ جملہ معراج جسمانی کے انکار کرنے والوں کا منہ توڑ رہا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے معراج جسمانی کے انکار کی کوئی وجہ ہی باقی نہیں رہتی۔ اس لئے کہ اگر ایک چھ سالہ بچہ ایک بھرے مجمع میں یوں کہے۔ کہ میں خود یورپ اور امریکہ کی سیر کرکے آیا ہوں۔ تو اس بچہ کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔ مگر جب اس بچہ کا جہاندیدہ رئیس و امیر باپ اس امر کا اعلان کرے۔ کہ میں اپنے بچے کو یورپ و امریکہ لے گیا۔ اور اسے لندن و پیرس۔ اور نیویارک وغیرہ کی سیر کرائی۔ اور سب کچھ دکھایا تو اب کون بے عقل ہے۔ جو اس بچے کی سیر کا انکار کرے؟ قرآن پاک کی فصاحت بھی کیا قابل داد فصاحت ہے۔ کہ یوں نہ فرمایا۔ کہ میرا بندہ خود گیا تاکہ عقل کے بیچاریوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ یوں فرمایا۔ کہ ہم خود لے گئے۔ اور ہم نے سیر کرائی۔ تو اب عقل کے لئے بشرطیکہ

عقلِ سلیم ہو بجز تسلیم کے چارہ نہیں۔ کہ خدائے برتر و توانا لے جا سکتا ہے لہٰذا لے گیا اور حضور یقیناً گئے۔

بِعَبْدِہٖ پھر فرمایا۔ پاکی ہے اُسے جو راتوں رات لے گیا۔ "اپنے بندے کو" یہ لفظ "عبد" (بندہ) بھی اعلان کر رہا ہے۔ کہ محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم مع الجسم تشریف لے گئے۔ اس لئے کہ "عبد" کا اطلاق روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ قرآن میں جہاں انسان کے لئے "عبد" استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں روح و جسم دونوں مراد ہیں۔ مثلاً سورۃ مریم میں ہے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا۔ "یہ ذکر اس رحمت کا ہے۔ جو تیرے رب نے اپنے بندہ زکریا پر کی تھی"

یہاں "عبد" سے یقیناً زکریا علیہ السلام مع روح و جسم کے مراد ہیں۔ سورۂ جن میں ہے۔ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ ۔۔۔۔ "یعنی جب اللہ کا بندہ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) عبادت کے لئے کھڑا ہوا۔"

یہاں "عبد" سے مراد روح اقدس مع جسم انور ہے۔ ایک دوسری جگہ فرمایا:۔

اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا ۔۔۔۔ "یہاں بھی عبد سے مراد روح مع الجسم ہے۔"

تو جب محاورۂ قرآن میں کلمہ "عبد" سے ہر جگہ جسم و روح مراد ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ اس موقعہ اسراء و معراج میں اس کلمہ "عبد" سے حضور کی روحِ انور مع جسم اقدس مراد نہ ہو۔

لَيْلًا پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو لے گیا۔ "راتوں رات" یہ "راتوں رات" کی تعیین بھی جسم شریف کی سیر کا اعلان کر رہی ہے۔ کہ روح کی سیر کے لئے کوئی وقت مقرر کرنا موزوں نہیں۔ اور پھر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح تو ہر وقت ہی انتہائی تقربِ خداوندی کے درجہ پر فائز ہے۔ پھر "راتوں رات" کی تخصیص کیسی؟ ہاں جسم شریف کے لئے اس کی تعیین موزوں ہو سکتی ہے۔ کہ اس جسم پاک کو بھی رات کے ایک حصہ میں انتہائی تقرب خداوندی حاصل ہو گیا۔

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ "مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک" یہ جملہ بھی سیر جسمانی کا اعلان کر رہا ہے۔ کہ روح کے لئے طول زمان و بعد مکان یکساں ہے! اور اس کے لئے "اِدھر سے اُدھر پہنچی" اور یہاں سے چل کر وہاں تک گئی۔" کے کلمات ہرگز موزوں نہیں۔ یہ محل و مقام اور زمان و مکان کی تحدید و تعیین تو جسم کے لئے ہی ہے۔ تو اس مِنْ اور اِلٰی سے بھی ثابت ہوا۔ کہ حضور نے مع الجسم سیر فرمائی۔

معراج کی حکمت

میرے بزرگو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم معراج پاک کی بزرگوں نے بہت سی حکمتیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو جب کوہ طور پر معجزہ عطا ہوا۔ تو خدا نے اسی وقت فرمایا۔ "اَلْقِ عَصَاكَ" اپنے عصا کو پھینکو، چنانچہ موسےٰ علیہ السلام نے پھینکا۔ اور وہ پھینکتے ہی سانپ بن گیا۔ اور موسٰی علیہ السلام ڈر گئے۔ خدا نے فرمایا۔ "خُذْهَا وَلَا تَخَفْ"۔ اسے پکڑ لو اور ڈرو مت! چنانچہ آپ نے پکڑ لیا وہ پھر عصا بن گیا۔

میرے دوستو! حضرت موسٰی علیہ السلام اگر اس عصا کا سانپ بن جانا پہلے ہی نہ دیکھ لیتے۔ تو پھر فرعون اور اس کی قوم کے مقابلہ میں جب یہ عصا ڈالتے اور وہ سانپ بن جاتا۔ تو آپ وہاں ڈر جاتے۔ تو معجزہ کی غرض فوت ہو جاتی اسی لئے اللہ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو پہلے ہی اس عصا کا سانپ بن جانا دکھا دیا۔ اور آپ کا ڈر اتار دیا۔ تاکہ وقت پر جب فرعون کا مقابلہ ہو تو آپ یہ معجزہ بے خوف ہو کر دکھائیں۔ اسی طرح چونکہ کل قیامت کا دن بڑا ہولناک ہوگا۔ اور سب نفسی نفسی پکارتے ہونگے۔ اور اس دن صرف ہمارے حضور ہی امتی امتی کا نعرہ لگا رہے ہونگے۔ اور آپ ہی گنہگاروں کی شفاعت فرمائینگے اس لئے اللہ نے پہلے ہی شب معراج حضور کو اپنے پاس بلا کر جنت و دوزخ و دیگر امور غیبیہ کا مشاہدہ کرا دیا۔ تاکہ آپ کل قیامت کے دن

بے خوف ہو کر گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں۔

واقعہ معراج

میرے دوستو! معراج کی شب جبریل امین کو حکم ہوا کہ:۔
اے جبریل! اس رات آسمانوں کو سجا دو۔ نور کی چادریں بچھا دو۔ سب کے سب صف بصف دست بستہ کھڑے ہو جاؤ اور تم خادمانہ لباس پہن لو اور ستر ہزار فرشتوں کو ساتھ لے لو۔"
جبریل نے عرض کی۔ الٰہی کیا قیامت قریب آگئی؟ ارشاد باری ہوا:۔
لَا وَلٰکِنْ حَبِیْبٌ اُرِیْدُ اَنْ اُقَرِّبَہٗ ـــــ نہیں! بلکہ اپنے حبیب کو قریب بلانے کا ارادہ ہے۔" (روض الفائق صلاطہ)

یہ رات کیا ہی عجیب رات تھی۔ اس مبارک رات کی نورانیت و عظمت کو کون بیان کرے۔ سبحان اللہ! ہر طرف نور ہی نور اور ہر طرف سرور ہی سرور۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

بخاری و مسلم۔ خصائص کبریٰ اور مواہب شریف و دیگر کتب احادیث میں جو تفصیل واقعہ معراج کی مذکور ہے۔ اس کے مطابق نبوت کے بارھویں سال رجب شریف کی ۲۷ ویں شب کو یہ مرتبہ حضور کو عطا ہوا۔ اس رات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ کے شمالی جانب امّ ہانی کے حجرہ میں آرام فرما تھے۔ کہ اچانک حضرت جبریل پچاس ہزار فرشتوں کے ساتھ ایک براق برق رفتار کے حاضر ہوئے۔ فرشتوں کی تسبیح سے حرم شریف گونج اٹھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب ناز میں دیکھ کر جبریل نے دفعتاً جگانا خلاف ادب جانا۔ اس لئے اپنی کافوری آنکھیں سرکار کے پائے مبارک کے نوری تلووں سے ملنے لگے۔ اور آہستگی سے یوں عرض کرنے لگے ؎

اے رسول عربی شافع محشر جاگو آیا جبریل ہے، لینے کو پیمبر جاگو!

صدقے ان نرگسی آنکھوں کے گل تر جاگو بخت پر آپ کے قربان سکندر جاگو
جاگو جاگو مرے آقا مرے سرور جاگو

حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو حضرت جبریل نے خدا کے وصال کی بشارت سنائی اور عرض کی ؎

مژدہ وصلِ خدا تم کو مبارک ہووے ؛ طلعتِ قرب سدا تم کو مبارک ہووے
جو کسی کو نہ ملا تم کو مبارک ہووے ؛ رتبہ صدق و صفا تم کو مبارک ہووے
شب معراج شہا تم کو مبارک ہووے

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا آرام فرما ہونا۔ اور جبریل امین کا دیدار حق کا پیغام لے کر حضور کو لے چلنے کے لئے حاضر ہونا: اس واقعہ کو اعلیٰ حضرت بریلوی نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

یہی سماں تھا کہ پیک رحمت خبر یہ لایا کہ اٹھئے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے!

حضور موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے۔ اور عرض کی۔ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ۔ اے رب! مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرما۔ تو جواب ملا تھا۔
لَنْ تَرَانِیْ ..... تم مجھے نہیں دیکھ سکتے!

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ جبریل نے اس وقت حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ حضور وہ راستے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بند تھے۔ یعنی دیدار کے راستے۔ اس رات وہ آپ کے لئے کھل گئے ہیں۔ اور وہی ربّ دو عالم جس نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو لَنْ تَرَانِیْ فرمایا تھا۔ آپ کو اپنے پاس بلا رہا ہے۔ اور دعوتِ دیدار دے رہا ہے ؎

تبارک اللہ ہے شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

ہاں تو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جگا کر جبریل امین نے پھر سینہ پر نور حضور کا چاک کر کے قلب انور کو تین مرتبہ آب زمزم سے دھویا۔ اور لاکھوں قسم کے انوار و تجلیات سے معمور کر کے بدستور اپنی جگہ رکھ کر سی دیا۔

نور ہی نور

حضرات! یہ مبارک رات کیسی مبارک رات ہے۔ محب سے محبوب کے وصال کی رات! طالب کی مطلوب سے ملاقات کی رات زمین و آسمان پر نور ہی نور ہے۔ ہر طرف سرور ہی سرور ہے۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں۔ ؎

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

اور یہ حرم شریف؟ اس رات یہ کس عالم میں ہے۔ فرماتے ہیں ؎

خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آرہے تھے

جنت کے دولہا

تو اسی عالم صد سرور و نور میں پچاس ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں جبریلِ امین حضور کو جنت کا دولہا بنا رہے ہیں۔ ؎

خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب اُنکو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نورانی جھرمٹ میں جبریلِ امین نے آبِ کوثر سے غسل دیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی قبر انور پر رحمت کے پھول نچھاور ہوں۔ اس موقعہ پر کیا ایمان افروز شعر ارشاد فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑہ
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

لیجئے یہ چاند اور سورج کا سارا نور شبِ معراج کے اس نورانی غسل میں جبینِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم سے گرے ہوئے پانی کا صدقہ ہے۔
اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک تلووں کا جو دھوون بنا۔ اس سے کیا بنا؟ فرماتے ہیں۔ ؎

بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنہوں نے دولہا کی پائی اترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

وضو کا پانی

اس غسل شریف میں حضور نے جو وضو فرمایا۔ جبریل کو حکم ہوا

کہ جبریل یہ وضو کا پانی لے لو۔ اور میکائیل کے سپرد کردو۔ اور پھر یہ پانی رضوان جنت تک پہنچا دیا جائے۔ تاکہ رضوانِ جنت اس پانی کو حوران جنت میں تقسیم کردیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اور پھر حورانِ جنت کو حکم ہوا۔ کہ یہ پانی اپنے اپنے منہ پر مل لو۔ انہوں نے مل لیا۔ اور ان کا نور و حسن بڑھ گیا۔

ہاں تو بھائیو! غسل شریف کے بعد پھر حضور کو حلہ بہشتی پہنایا گیا اور سر اقدس پر وہ عمامہ باندھا گیا۔ جو آپ ہی کے لئے اس شب کو باندھنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے تیار کیا گیا تھا۔ اور ایک نورانی چادر حضور کو اوڑھائی گئی۔ اور پچاس ہزار فرشتوں کے نورانی انبوہ میں حضور نے تیاری فرمائی ؎

تجلیٔ حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور!
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کیواسطے تھے

براق اس کے بعد جبریل نے پھر ایک تیز رفتار جنتی مرکب براق نامی خدمت عالی میں پیش کیا۔ اور عرض کی۔ حضور اس پر سواری فرمائیں حضور نے یہ سن کر اس پر سواری کا قصد فرمایا۔ تو براق کچھ شوخی کرنے لگا۔ اس پر جبریل نے براق سے خطاب کرکے کہا۔ اے براق ٹھہر جا شوخی نہ کر اس وقت تجھ پر وہ سوار ہوتا ہے۔ جو اللہ کا محبوب ہے۔ اور نبی آخر الزمان ہے۔ براق یہ سن کر شرم سے پانی پانی ہوگیا۔ پھر حضور سوار ہوئے ؎

ابھی نہ آئے تھے پشتِ زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی اشلک
صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے!

جبریل نے رکاب تھامی۔ میکائیل نے لگام پکڑی اور گروہ ملائکہ سمیت بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔ یہ مبارک سواری کس شان سے روانہ ہوئی؟ کس میں طاقت ہے۔ کہ بیان کرسکے۔ آج کوئی افسر کسی شہر میں آتا ہے۔ تو اس کی راہ میں ریشمی چادریں بچھا دی جاتی ہیں۔ مگر اس رات کو سرور عالم کی یہ سواری جس راہ سے گزرنے والی ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ اس راہ میں کیا بچھ رہا تھا؟ ؎

غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اس رہگزر کو پائیں!
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پَر جہاں بچھے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بایں شان و شوکت بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں نخلستان طیبہ جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا۔ اور جہاں کچھ عرصہ کے بعد حضور ہجرت فرما کر تشریف لانے والے تھے۔ اور طور سینا پہاڑ کہ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کی تھیں۔ اور بیت اللحم جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ کی سیر کرتے اور ہر متبرک مقام پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتے ہوئے آپ آگے تشریف لے چلے۔

دنیا و شیطان

یکایک ایک حسین عورت بناؤ سنگار کر کے اور خوب بن ٹھن کر حضور کے سامنے آگئی۔ مگر حضور نے اسکی طرف مطلق التفات نہ فرمایا۔ اس کے بعد ایک بوڑھے مرد نے آپ کو پکارا۔ مگر حضور نے اس کی طرف بھی التفات نہیں فرمایا۔ نہ جواب دیا۔ اس موقعہ پر جبریل نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! وہ جو حسین عورت تھی وہ دنیا تھی۔ اگر حضور اس کی طرف التفات فرمالیتے۔ تو حضور کی ساری امت دین چھوڑ کر دنیا کی طرف راغب ہو جاتی۔ اور جس بڈھے نے آپ کو پکارا تھا۔ وہ شیطان تھا۔ اگر آپ اسکی آواز پر جواب دیتے تو آپکی ساری امت اس کے دام فریب میں پھنس کر گمراہ ہو جاتی

قبر سے خوشبو

اس کے بعد آپ آگے بڑھے تو مصر کی سرزمین سے گزرتے ہوئے آپ کو ایک جگہ سے بڑی خوشبو آئی۔ جبریل نے عرض کیا حضور! فرعون کی دختر کی ایک خادمہ تھی۔ جو مسلمان ہو گئی تھی اور فرعون نے بڑی بے دردی سے مروا ڈالا تھا۔ یہ خوشبو اس کی قبر سے آرہی ہے۔

بیت المقدس

غرضیکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسی قسم کے بہتنا سے عجائب و غرائب ملاحظہ فرماتے ہوئے بیت المقدس تک پہنچ گئے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک سارے پیغمبر علیہم السلام سب کے سب آپکی انتظار میں چشم براہ اور گوش برآواز تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی فوراً استقبال کو آگے بڑھے۔ آپ نے براق سے اتر کر بعد السلام علیکم کے سب سے ملاقات فرمائی۔ جبریل نے تعارف فرمایا۔ اور براق آپ کا بیت المقدس کے اس دروازہ سے باندھا گیا۔ جو آج

بھی باب محمد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد جبرئیل نے اذان کہی۔ اس اذان کو سن کر آسمانوں سے دیگر فرشتے بھی نازل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ساری مسجد اور جنگل زمین سے آسمان تک بھر گیا۔ جبرئیل نے تکبیر کہی صفیں درست ہوئیں۔ تمام انبیاء اور فرشتے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اور امام الکل سرور رسل سب کے امام بنے۔ اور نماز پڑھائی۔ سارے نبیوں کے بعد تشریف لانے والے آج سارے نبیوں کے آگے تشریف فرما تھے ؎

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنیٔ اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ بیت المقدس کی اس نماز میں یہی راز تھا۔ کہ حضور کے اول و آخر ہونے کا مظاہرہ ہو جائے۔ دیکھ لیجئے۔ جتنے انبیاء کرام حضور سے پہلے گزر چکے تھے۔ وہ سب کے سب آج حضور کے پیچھے کھڑے ہیں اور حضور سب سے آگے ہیں۔ گویا سب سے پیچھے آنے والے نبی آج سب سے آگے ہیں۔ حضور کا سب سے پیچھے تشریف لانا یہ حضور کا "آخر" ہونا اور سب سے آگے کھڑے ہونا اور سب کا امام بننا یہ حضور کا "اول" ہونا ہے

آسمانوں پر

بیت المقدس تک پہنچنے کے بعد پھر حضور سے جبرئیل نے عرض کی یا رسول اللہ! آسمان والے آپ کی اشتیاق میں سراپا انتظار ہیں۔ اب آئیے آپ اوپر تشریف لے چلئے۔ چنانچہ پھر حضور نے آسمان کی طرف رخ فرمایا۔ پہلے آسمان تک آپ پہنچے۔ تو جبرئیل نے دروازہ کھلوایا، اس دروازہ کے محافظ اسماعیل نامی فرشتے نے دروازہ کھولا۔ تو حضور اندر داخل ہوئے پہلے آسمان کے جملہ فرشتے استقبال و زیارت کو بڑھے اور مرحبا مرحبا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ حضور فرماتے ہیں۔ میں نے پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کو تشریف فرما دیکھا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام دیا۔ پھر حضور دوسرے آسمان تک پہنچے۔ جبرئیل نے دروازہ کھلوایا۔ آپ اندر داخل ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے دوسرے آسمان یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ سلام کیا۔ انہوں نے جواب

دیا۔ مسلمانو! یہاں ایک عام غلطی کی تصحیح کر لیجئے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق عام مشہور ہے۔ کہ آپ چوتھے آسمان پر ہیں۔ یہ بات غلط ہے۔ حدیث معراج سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کا دوسرے آسمان پر ہونا ثابت ہے حضور علیہ السلام پھر اسی طرح تیسرے آسمان پر پہنچے اور پھر چوتھے۔ اور پانچویں اور چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے۔ تیسرے آسمان پر آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ چوتھے پر حضرت ادریس۔ پانچویں پر حضرت ہارون اور چھٹے پر حضرت موسٰی علیہم السلام سے ملاقات فرمائی۔ ساتویں آسمان پر حضور جب پہنچے۔ تو بیت المعمور سے تکیہ لگائے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ حضرت خلیل نے جواب سلام دیا اور فرمایا۔ نیک نبی، اور نیک فرزند کو یہ رتبہ مبارک ہو۔ الغرض حضور کی سواری ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے انبوہ میں سے اور انبیاء کرام کی مجالس میں سے بڑی شان و شوکت کے ساتھ گزری۔ اور آگے بڑھی۔

تعظیم رسول یہاں ایک فرشتے کا واقعہ بھی سن لیجئے۔ یہ روایت جامع المعجزات فی سیر خیر البریات مطبوعہ مصر صـ۲۱ پر علامہ محمد رضا دہی نے درج فرمائی ہے۔ اور میں نے اسے جامہ نظم بھی پہنایا ہے۔ چنانچہ اس روایت کو سنیئے اور سر دھنیئے۔

اس روایت میں آتا ہے کہ واقعہ معراج شریف سے کچھ عرصہ بعد ایک مرتبہ جبریل امین حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ آج ایک عجیب بات عرض کرنے حاضر ہوا ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ کے معراج کو جانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ کہ آسمان پر میں نے ایک بہت بڑا عزت و وقار کا مالک فرشتہ دیکھا۔ حضور! یہ فرشتہ سے

اک مرصع تخت پر بیٹھا ہوا تھا ذی وقار
اور فرشتے تخت کے ماحول تھے ستر ہزار
وہ فرشتے مقتدی تھے اور یہ ان کا امام
کر رہے تھے ذکر حق مل کر یہی تھا ان کا کام

یا رسول اللہ! وہ فرشتہ بڑی عزت کا مالک تھا۔ اور خدا نے اُسے بہت عروج و وقار عطا فرما رکھا تھا۔ مگر اب جو میں ایک دن قاف کے پہاڑوں سے گزرا ہوں۔ تو ایک دردناک آواز سنی۔ یہ آواز سن کر میں جہاں سے آواز آرہی تھی۔ وہاں گیا۔ تو حضور کیا بتاؤں کہ میں نے کیا دیکھا اور کسے دیکھا؟ ؎

اللہ اللہ رب کے بھی کیا بے نیازی کے ہیں کام
یا نبی یہ تھا وہی جو تھا فرشتوں کا امام
تخت پر دیکھا تھا اس کو ایک دن افلاک پر
اور اس دن دیکھتا ہوں رو رہا ہے خاک پر
اس کے خادم تھے فرشتے ایک دن ستر ہزار
آج یاں تنہا پڑا ہے، کوئی حامی ہے نہ یار

یا رسول اللہ! میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ یہ وہی معزز و معظم فرشتہ جو ستر ہزار فرشتوں کا امام تھا۔ آج بے کس و تنہا یہاں پہاڑوں میں پڑا ہوا ہے۔ اور کوئی پرسانِ حال نہیں۔ رو رہا ہے۔ اور رو رو کر حق سے معافی مانگ رہا ہے۔ حضور جب میں اس کے پاس پہنچا۔ اور اس سے انقلاب کی وجہ دریافت کی۔ اور اس زوالِ رتبہ کا سبب پوچھا۔ تو وہ بولا ؎

لیلۃ المعراج کو بیٹھا تھا اپنے تخت پر
ذکرِ حق میں محو تھا اور ماسویٰ سے بے خبر
سرورِ دو کون محبوبِ خدائے بحر و بر
میرے آگے سے ہوا ان کی سواری کا گزر
محو ذکرِ حق میں ہو کر لے رہا تھا رب کا نام
بہرِ تعظیم محمدؐ رہ گیا مجھ سے قیام
بس یہی لغزش ہوئی میرے لئے وجہِ وبال
آ گیا اپنی جلالیت میں ربِ ذوالجلال

بس اے جبریل! مجھ سے جو یہ لغزش واقع ہوئی۔ تو خدا تعالیٰ اس بات پر اپنے جلال میں آ گیا۔ اور میری ساری عبادت کی عدمِ قبولیت کا اعلان

فرما دیا۔ اور ؎

حکم فرمایا نکل جا اے فرشتے پر غرور
کیوں نہ کی تعظیم آیا سامنے جب میرا نور
یہ عبادت رات دن کی مجھ کو نا منظور ہے
دور ہے جو میرے احمد سے وہ مجھ سے دور ہے
وہ عبادت ہی نہیں جس میں نہ ہو حبِّ رسول
جن میں بو پائی نہیں جاتی وہ ہیں کاغذ کے پھول

اے جبریل! اسی دن سے خدا نے معتوب فرما کر مجھے میرے تختِ عزت سے اتار کر یہاں پھینک دیا ہے۔ اب ہر وقت اس سے معافی مانگ رہا ہوں۔ مگر تا حال میری توبہ منظور نہیں ہوئی۔ اے جبریل! تو ہی میرے لئے دعا کر! کہ خدا مجھے معاف کر دے۔ یا رسول اللہ! مجھے بڑا رحم آیا۔ اور میں نے اللہ سے بصد عجز و نیاز اس کی معافی کے لئے دعا کی۔ حضور! آپ کے صدقہ میں خدا کا دریائے رحم و کرم جوش میں آیا۔ اور میری دعا قبول ہوئی۔ اور مجھ سے ارشاد ہوا۔ کہ اس معتوب فرشتے سے کہو۔ کہ اگر تم معافی لینا چاہتے ہو اور ؎

تم اگر یہ چاہتے ہو رحمتوں کا ہو ورود
تو مرے محبوب پر اک بار پڑھ ڈالو درود

یا رسول اللہ! میں نے اس سے کہا کہ حضور پر درود شریف پڑھو۔ تا کہ تیری معافی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے بڑے ذوق و شوق سے حضور پر درود پڑھنا شروع کیا۔ اور اللہ نے اس کو معاف فرما دیا۔ اور حضور ؎

آج میں نے پھر اسے دیکھا ہے اپنے تخت پر
پڑھتا رہتا ہے درود اب آپ پر وہ بیشتر

میرے بزرگو! یہ سارا واقعہ نظم میں لکھ کر پھر میں نے مقطع یہ لکھا ہے کہ ؎

لے بشیر اس واقعہ میں یہ سبق موجود ہے
کہ بجز حبِّ نبی ذکر خدا مردود ہے

سارے واقعہ کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ جب تک حبِّ نبی اور تعظیم رسول

نہ ہو۔ ساری عبادت بیکار ہے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے۔ ؎

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

سدرۃ المنتہیٰ

حضرات! حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب ساتویں آسمان سے بھی آگے بڑھے تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ ایک بیری کا درخت ہے۔ جو مکان کی سرحد پر واقع ہے۔ اس سے آگے پھر لامکان شروع ہو جاتا ہے۔ گویا سدرۃ المنتہیٰ یہ مکان کا باڈر ہے۔ اور یہ باڈر آج تک نہ کسی فرشتے، نہ کسی نبی و رسول نے کسی نے بھی پار نہیں کیا۔ کسی کے پاس یہ باڈر پار کرنے کا پرمٹ ہی نہیں۔ ہاں صرف ایک ہی ذات بابرکات سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو اس رات یہ باڈر پار فرما گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل جب سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچے۔ تو یہاں پہنچکر جبریل رہ گئے۔ اور انہوں نے آخر رہنا ہی تھا۔ اس لئے کہ باڈر کو کون عبور کرے؟ چنانچہ عرض کی حضور! اب یہاں سے آگے بڑھنا میرے بس کی بات نہیں کہ ؎

بڑھوں گا جو آگے میں اک بال بھر
تجلی سے جل جائیں گے بال و پر

مگر کیا حضور بھی یہیں رک گئے؟ ...... نہیں نہیں ؎

چلا وہ سرو چمن خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکنے رہے وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

حضور نے فرمایا! اچھا اے جبریل! اب ہم آگے تنہا تشریف لے جائیں گے چنانچہ حضور پھر آگے تنہا بڑھے۔ میرے بھائیو! یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لو کہ جہاں جبریل جیسا فرشتہ بھی نہ جا سکے۔ وہاں میرے اور تمہارے جیسا بشر کب جا سکتا ہے؟ حاشا و کلاّ ہرگز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہماری مثل بشر نہیں۔ بشر ہیں۔ لیکن نہ ایسے جیسے ما و شما۔ بلکہ

وہ نوری بشر ہیں۔ خدا نہیں، خدا نما ہیں۔ نہ خدا ہیں نہ اس سے جدا ہیں۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ حضور کیا ہیں۔ اور حق یہ ہے۔ کہ حضور ایک بشر خدا ہیں۔ اللہ ہی حضور کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔

ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکاں سے آواز آئی۔ اے حبیب اب جبریل کو رخصت کرو۔ اور خلیل کی طرف قدم بڑھاؤ۔ چنانچہ حضور آگے بڑھے مگر اب براق بھی رہ گیا۔ تو آپ کے لئے ایک نورانی مرکب رفرف آیا۔

رفرف

حضور پر نور اس مرکب نور پر سوار ہوئے تو سے

پھر چرخ اطلس کی طرف رفرف ہوا فرفر رواں
رفتار تھی لمح بصر یا جنبشِ چشمِ یقیں

الغرض یہ رفرف بھی بہت سے مقامات و حجابات نورانی طے کرا کے غائب ہو گیا۔ اب یہ وہ وقت تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دربار عالی میں اکیلے جانے والے تھے۔ بظاہر کوئی رہبر و ساتھی نہ تھا سے

سراغ این و متیٰ کہاں تھا نشان کیف و الیٰ کہاں تھا!
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

اب یہ جانے اور پہچانے والا ہی جانے کہ کس قدر مقامات طے کر کے حضور عرشِ الٰہی کے قریب پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب انور میں پر عظمت و جلال کبریا کے وہ آثار جو احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہونے وقت اس کے پاک اور مقرب بندے کے لئے بے عیب دل پر ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ ظاہر ہو رہے تھے کہ آواز آنے لگی۔

اُدنُ یا خیر البریہ اُدنُ یا احمد اُدنُ یا محمد — نزدیک آئیے اے بہترین خلائق! نزدیک آئیے اے احمد، نزدیک آئیے اے محمد! سے

بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرورِ ممجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

حضور کے لئے یہ ندائے پر کیف موجب انبساط و سرور ثابت ہوئی اور

آپ کا قدم مبارک بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ ہمارے آقا و مولیٰ وہاں پہنچ گئے۔ جہاں کسی کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور یہ وہ مقام ہے۔ جو نہ کسی نبی و رسول کو حاصل ہوا۔ نہ کسی فرشتے کو، نہ کسی اور کو۔ تمام تجلیات جمالی و جلالی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آغوش میں لے لیا۔ اور محبوب نے اپنے محب اور طالب نے اپنے مطلوب کو سر اقدس کی چشمانِ مبارک سے دیکھا اور آپ شنید سے منزلِ دید تک پہنچ گئے۔ اور جو دیکھا، سو دیکھا، اور جو سنا سو سنا۔ ؎

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

رازونیاز اب خدا نے اپنے محبوب سے پوچھا۔ کہ اے حبیب یہ عام قاعدہ ہے۔ کہ جب کوئی دوست اپنے دوست سے ملنے جاتا ہے۔ تو اس کے لئے تحفے لے کر جاتا ہے۔ آپ میرے لئے کیا لائے؟ حضور نے عرض کیا:۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوتُ وَالطَّیِّبَاتُ —— میری تمام بدنی زبانی اور مالی عبادتیں صرف اللہ ہی کے لئے ہیں"

حضور کا یہ تحفہ اللہ نے قبول فرمایا۔ اور جواب دیا:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ —— ہر قسم کی سلامتی۔ اللہ کی رحمت، اور اس کی برکتیں ہوں آپ پر اے نبی"

اس موقعہ پر حضور نے اپنی گنہگار امت کو یاد فرمایا اور اسکو ساتھ ملاکر، یوں عرض کیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ ۞ —— اللہ کی سلامتی ہم پر یعنی ہمارے ساتھ ہماری گنہگار امت پر بھی اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی"

جب فرشتوں نے یہ اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ دیکھا۔ کہ اس نبیؐ رؤف و

رحیم و کریم نے اپنی امت کے گنہگاروں کو فراموش نہ فرمایا۔ تو بیک زبان سب بول اٹھے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ ـــ ہم سب فرشتے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور محمد اللہ کے سچے بندے اور رسول ہیں۔

حضور نے پھر عرض کی کہ مولا میرے لئے اور میری امت کے لئے تیری بارگاہ سے کیا تحفہ ہے؟ فرمایا! اے حبیب! تیرا ذکر ہمیشہ میرے ذکر کے ساتھ رہے گا۔ نمازوں میں ہمیشہ آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جایا کرے گا۔ حوض کوثر آپ کو عطا کیا۔ اسلام جہاد۔ نماز۔ صدقہ۔ روزے امر بالمعروف نہی عن المنکر یہ تمام باتیں عطا کیں۔ اور میں نے آپ کو فاتح و خاتم بنایا حضور نے فرمایا۔ الٰہی! یہ تحفہ تو خاص میرے لئے ہوا۔ لیکن میری امت کے واسطے کیا تحفہ ہے۔ فرمایا یہ نماز تمہاری امت کے لئے تحفہ ہے۔ اور جاؤ۔ اب جنت میں جاکر دیکھ لو۔ کہ تمہارے غلاموں کے لئے میں نے کیا کیا باغات اور محلات تیار کر رکھے ہیں۔

جنت کی سیر

حضور پھر جنت کے ملاحظہ فرمانے کو تشریف لے چلے سو

غل ہوا سیر کو فردوس کی آتے ہیں حبیب\
بولا رضواں کہ بھلا ایسے کہاں میرے نصیب\
پیشکش کیا میں کروں اس شاہِ زمن کے میں غریب\
صدقہ ہے آپ کا جو خلد میں ہے چیز عجیب

حضور جنت کے اندر داخل ہو کر اور اس کی نزاکت و نفاست طرح طرح کے قصر و ایوان ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے۔ اور باہر تشریف لائے الغرض حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جملہ عروج و بلندیاں حاصل فرما کر عجائب و غرائب کو ملاحظہ فرما کر اور اسرار و غیوب پر مطلع ہو کر آسمانوں سے واپس زمین بیت المقدس پر نزول فرمایا۔ اور براق پر سوار ہو کر پھر وہاں سے

کہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور صبح صادق سے پہلے اسی مقام پر واپس تشریف لے آئے۔ جہاں سے آپ نے یہ مقدس سفر شروع فرمایا تھا۔ آکر جو ملاحظہ فرمایا۔ تو بستر مبارک گرم تھا۔ اور زنجیر در ہل رہی تھی۔ ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اک دم میں سرِ عرش گئے آئے محمد ﷺ

اعلیحضرت فرماتے ہیں:- ؎

قصرِ دنیٰ تک ان کی رسائی
جاتے یہ ہیں، آتے یہ ہیں!

اس پیاری رات کی صبح کو بعد نماز فجر کے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عجیب و غریب اور سچے واقعہ کا ذکر فرمایا۔ ابوجہل لعین نے جب حضور کی زبانی یہ بات سنی۔ تو خبیث تمسخر سے کہنے لگا۔ کیا خوب! اب تم آسمان پر بھی پہنچنے لگے۔ بھلا اس خلاف عقل قصہ کو کون تسلیم کرے گا۔ ملعون نے جا بجا اس واقعہ کو تمسخر کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ اپنے محبوب کی شان کا اعلان دشمن سے کرانے لگا معراج شریف کی تشہیر ابوجہل نے اس طرح کی، کہ حضور کے اس سیر مقدس کی خبر سب کو ہو گئی۔ ابوجہل اس خیال سے کہ اس واقعہ کو کون مانے گا۔ خوشی خوشی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ اور کہا۔ لو سنو! تمہارا دوست، تو اب آسمانوں پر پہنچنے کا دعویٰ کرنے لگا ہے۔ پھر سارا واقعہ جو حضور کی زبانی سن گیا تھا۔ سنایا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ اگر اللہ کے رسول نے یہ فرمایا ہے۔ تو میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ یہ واقعات بالکل سچے ہیں۔ صحیح اور ممکنات سے ہیں۔ اس کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود حضور کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ معراج حضور کی زبان حق ترجمان سے سن کر عرض کی۔ "صَدَقْتَ یَارَسُوْلَ اللہ"۔ اس کے بعد اور لوگ بھی جمع ہو گئے۔ اور امتحاناً کہنے لگے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے عرش و کرسی کو تو دیکھا نہیں۔ البتہ ہم بیت المقدس

کو دیکھ چکے ہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ تم کبھی وہاں نہیں گئے۔ لہذا وہاں کی کیفیت بیان کرو۔ حضور فرماتے ہیں۔ اسی وقت اللہ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا۔ میں اس کو دیکھنے لگا۔ اب جو کچھ وہ لوگ مجھ سے پوچھتے تھے۔ میں سب بے تکلف بتا دیتا تھا۔ اس پر صدیق اکبر نے پھر کہا۔ صدقت یا رسول اللہ ۔ چنانچہ اس تصدیق کے انعام میں ان کو صدیق کا خطاب ملا۔ اور ابوجہل مردود نے جھٹلایا۔ اور واقعہ معراج کا انکار کر کے ہمیشہ کے لئے زندیق بن گیا۔

اس کے علاوہ اور جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ وہ اس واقعہ پر ایمان لا کر صدق دل سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اور جن کے نصیب میں دائمی کفر اور عذاب جہنم لکھا ہوا تھا وہ کہنے لگے۔ ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ آج بھی جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اور نقش صدیق پر چلنے کی توفیق دی ہے وہ حضور کے اس واقعہ معراج پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو ابوجہل کے پیروکار ہیں۔ وہ حضور کے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی گمراہی سے محفوظ رکھے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

آٹھواں وعظ

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَلَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (پ ۴ ع ۵)

"اور سستی نہ کرو۔ اور نہ غم کھاؤ۔ تمہیں غالب آؤ گے۔ اگر ایمان رکھتے ہو۔"

حضرات! آج کے وعظ میں مجھے یہ بتانا ہے کہ مسلمانوں کیلئے ترقی و عروج کا کونسا ذریعہ ہے؟ اور یہ کس طرح کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں؟ خداوند کریم نے اس آیت کریمہ میں جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے پڑھی ہے۔ یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اگر تم سربلندی و غلبہ اور عروج و وقار پانا چاہتے

ہو۔ تو سچے مومن بن جاؤ اور ایمان کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑو۔

چار چیزیں

میرے بھائیو! پہلے میں چند تمہیدی کلمات عرض کروں یہ واقعہ ہے کہ خدا نے ہر انسان کے دل میں چار چیزوں کی محبت پیدا فرما دی ہے۔ ہر آدمی چاہے کسی ملک کا ہو۔ کسی مذہب کا ہو۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ امیر ہو یا غریب۔ ان چار چیزوں سے طبعًا اُسے پیار ہوگا۔ وہ چار چیزیں کونسی ہیں؟ سنئے! وہ چار چیزیں یہ ہیں۔ وطن۔ مال۔ اولاد اور جان کون ایسا ہے۔ جسے وطن سے پیار نہ ہو۔ مال سے الفت نہ ہو۔ اولاد سے محبت نہ ہو۔ اور جسے اپنی جان عزیز نہ ہو۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان چاروں کی محبت میں کچھ فرق بھی ہے۔ بعض دفعہ وطن کی محبت کو مال کی محبت پر قربان کرنا پڑتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ مال کی محبت میں انسان اپنا وطن چھوڑ کر دور دراز ملکوں میں چلا جاتا ہے۔ گویا وطن کی محبت کو مال کی محبت پر قربان کرتا ہوا صرف مال کے لئے وطن چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح اس مال کی محبت کو اولاد کی محبت پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً بچہ بیمار ہو جائے تو باپ اپنا مال خرچ کرکے بچے کو بچانا چاہتا ہے۔ گویا مال کی محبت کو بچے کی محبت پر قربان کر دیتا ہے۔ اور پھر اسی طرح اولاد کی محبت جان کی محبت پر قربان کر دی جاتی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ جب جان پر بن آئے تو اولاد کی محبت بھی بھول جاتی ہے۔ اور انسان چاہتا ہے۔ کہ کچھ بھی ہو جائے مگر میری جان بچ جائے!

مسلمان کی شانِ امتیاز

حضرات! یہ چار چیزیں وہ ہیں۔ جن کی محبت میں سب برابر ہیں۔ اور اس میں امیر یا غریب یا مسلم و غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں۔ مگر خوب یاد رکھیے۔ کہ مسلمان ایک امتیازی شان کا مالک ہے۔ دنیا بھر کے انسانوں میں اس کا مقام ایک خاص مقام ہے۔ عام انسانوں کی غذا اور ہے اور اس کی غذا اور۔ عام انسانوں کا لباس اور ہے اور مسلمان کا لباس اور۔ مثلاً خنزیر و شراب یہ عام انسانوں کی غذا ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہود و نصاریٰ۔ اور دیگر کفار اسے کھاتے پیتے ہیں۔

مگر مسلمان کی یہ غذا ہرگز نہیں۔ ریشم و سونا یہ دوسرے انسانوں کا تو لباس ہو سکتا ہے۔ مگر مسلمان (باستثنار مستورات) کا یہ لباس ہرگز نہیں۔

ریشم و سونا

مسلمانو! ریشم و سونا یہ چیزیں زیب و زینت کے لئے ہیں۔ اور اس امر کے لئے عورت موزوں ہے۔ جسے گھر رہنا۔ اور مرد کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے۔ مرد مومن چونکہ دنیا میں اللہ کا سپاہی بن کر آیا ہے۔ بقول شاعر ؎

مقامی بن کے آیا تو نہ راہی بن کے آیا ہے
یہ دنیا رزم گاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے

اس لئے اسے زیب و زینت سے کیا کام؟ اور ان نیشنوں سے کیا غرض؟ ریشم اور سونے کے استعمال سے تو اس کے دل میں بجائے مجاہدانہ عزائم کے عیش و عشرت کے خیالات پیدا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز نے مسلمان کو اس غیر شرعی لباس میں ملبوس کرکے اور مغربی فیشن کا دلدادہ بنا کر اس کے جذبہ جہاد کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ غور تو فرمایئے۔ آج ایک جنٹلمین جس نے اپنے سر پر انگریزی بال رکھے ہوں۔ بسا اوقات آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ وہ راہ چلتے ہوئے ان انگریزی بالوں کو جب کہ وہ آنکھوں کے آگے لٹک آتے ہوں۔ سر کا ایک جھٹکا دے کر پیچھے ہٹاتا ہے۔ تاکہ راہ نظر آ سکے۔ تو ایسا شخص میدان جہاد میں تلوار کیا چلائے گا؟ تلوار چلائیگا۔ یا بال سنبھالیگا؟ انگریزی خیالات کا پروردہ انسان خود ہی انصاف سے کہے۔ کیا وہی جذبات اور جوش و ہمت رکھتا ہے۔ جو اسلام نے پیدا فرمائی؟ اس نئی تہذیب نے ہمارے مجاہدانہ عزائم، اور مردانہ اوصاف چھین لئے۔ دیکھ لیجئے۔ اقبال کیا کہتا ہے۔ مولوی تو مسٹر کی نظر میں معتوب ہے۔ اس لئے اقبال ہی کا یہ شعر ذرا یہ لوگ پڑھیں۔ اور دیکھیں کہ خود اقبال بھی کیا رونا روتا ہے۔ ؎

اڑ حیا بیگانہ پیرانِ کہن!
نوجواناں چوں زناں مشغول تن!

یعنی آجکل کے بوڑھے بھی شرم و حیا کا دامن چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور جو

نوجوان ہیں۔ وہ عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار میں لگ گئے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ یہ بات کوئی مولوی نہیں کہہ رہا۔ بلکہ اقبال کہہ رہا ہے۔ اور سچ کہہ رہا ہے۔ کہ بڈھا کھوسٹ ہے۔ مگر بٹیر ہاتھ میں لئے پھرتا ہے۔ اسی سال کا بابا ہے۔ مگر کنکوے اڑا رہا ہے۔ اور نوجوان طبقہ بالکل عورتوں کی طرح بن ٹھن کے نکل رہا ہے۔ ناخنوں پر میں نے خود کئی بیٹیوں کو سرخ پالش لگائے دیکھا ہے۔ اور سر پر جالی بھی بندھی دیکھی ہے۔ داڑھی مونچھوں کا تو پہلے ہی صفایا تھا۔ اب صرف دوپٹے کی کسر رہ گئی ہے۔ اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں کہ ایک کا لجیٹ لڑکا داڑھی مونچھ کا صفایا کر کے ناخنوں پر سرخ پالش لگا کر اور سر پر جالی باندھ کر آئینے کے سامنے بیٹھا تھا۔ کہ باپ نے اپنے فیشن ایبل صاحبزادے کو دیکھا۔ اور بے ساختہ پکار اٹھا ؎

واہ میرے نصیب ایسی قسمت بھی بری نکلی
سمجھا تھا یہ لڑکا ہے پر یہ تو بہو نکلی

میرے مسلمان بھائیو! خوب یاد رکھو۔ مسلمان مرد مجاہد اور اللہ کا سپاہی ہے۔ اسے ان زنانہ باتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان فیشنوں سے آدمی محبوب و دلربا تو بن جاتا ہے۔ مگر رعب و دبدبہ حاصل نہیں ہوتا۔ معنوی جمال تو ملتا ہے۔ مگر جلال نہیں ملتا۔ حالانکہ مسلمان کے لئے رعب و جلال دبدبہ و ہیبت ضروری ہے۔ ؎

جباری و قہاری و قدوسی و جبروت!
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

پانچویں چیز میں کہہ رہا تھا۔ کہ مسلمان ایک امتیازی شان کا مالک ہے۔ بنا بریں دنیا بھر کے انسانوں کو مذکورہ بالا چار چیزوں یعنی وطن، مال، اولاد، اور جان سے محبت ہوتی ہے۔ اور ایک دوسرے کی محبت پر ان کی محبت قربان کر دی جاتی ہے۔ مگر ایک پانچویں چیز بھی ہے۔ جو صرف مسلمان ہی کو حاصل ہے اور مسلمان ان چاروں چیزوں کی محبت کو اس پانچویں چیز کی محبت پر قربان کر دیتا ہے اور وہ ہے "ایمان"

جانِ ایمان مسلمانو! اب یہ اصولی بات بھی ذہن میں رکھئے۔ کہ ہمارے لئے ایمان کیا ہے؟ سنئے! ایمان نام ہے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کا۔ ان کو ماننے اور جاننے کا۔ ہمارے لئے حضور ہی سب کچھ ہیں۔ نہ صرف ایمان بلکہ جانِ ایمان۔ اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا ہے۔ ؎

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ ٭ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ٭ اور ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ

(رواہ البخاری مواہب لدنیہ ص۹۲ ج۲) یعنی تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اُسے اس کے باپ اور اس کی اولاد سے میں زیادہ پیارا نہ ہوں"

اسی لئے شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

محمد ہے متاعِ عالم و ایجاد سے پیارا!!
پدر، مادر، برادر، جان و مال اولاد سے پیارا

تو میرے بھائیو! میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ تم اگر سربلند اور اعلیٰ بننا چاہتے ہو تو صاحب ایمان بن جاؤ۔ ایمان کو اپنا لو۔ گویا ایمان کو اپنا محبوب بنا کر وطن مال۔ اولاد اور جان۔ دنیا کی ہر چیز کی محبت کو اپنے ایمان کی محبت پر قربان کر دو۔

صحابہ کرام چنانچہ آپ اپنے بزرگوں، حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرف دیکھئے۔ ان پاک لوگوں نے اپنی جملہ محبتیں ایمان پر قربان کر دیں۔ چنانچہ سب سے پہلی محبوب چیز وطن کو دیکھئے۔ ان پاک لوگوں نے ایمان کی خاطر اپنا وطن چھوڑا۔ جس وقت کافروں نے مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو بیحد ستانا شروع کیا۔ تو حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دے دی۔ کہ جو کوئی چاہے، وہ اپنی جان و ایمان کے بچاؤ کے لئے حبش کے عیسائی بادشاہ کے ملک میں چلا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام کا ایک قافلہ ۱۲ مرد اور ۴ عورتوں کا رات کی تاریکی میں نکلا۔ اور بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کو روانہ ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مع اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے جو حضور کی صاحبزادی تھیں۔ اس قافلہ کے سالار تھے۔

ہجرت

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے وطن مکہ شریف کو چھوڑا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ توحید نے جب دنیائے کفر و شرک میں تھلکہ مچا دیا۔ اور کفار و مشرکین نے اپنے قصرِ کفر و شرک کو گرتے دیکھا۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ بڑے بڑے کافر ایک رات ایک بند مکان میں جمع ہوئے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف سکیمیں سوچنے لگے۔ رات کا وقت ہے، ایک طرف یہ کافر جاگ رہے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کی فکر میں، اور دوسری طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ پر اس خیال مبارک میں ہیں کہ یہ ناسمجھ مجھے سمجھ جائیں۔ اور میری مخالفت ترک کر کے جہنم سے بچ جائیں۔ ؎

سکیمیں اس طرف سرکار کی ایذا کی ہوتی تھیں
اِدھر چشمانِ احمد عاصیوں کے غم میں روتی تھیں
اُدھر تو یہ ارادے تھے محمد کو مٹا ڈالیں
اِدھر یہ فکر تھی دنیا کو دوزخ سے بچا ڈالیں

یہ لوگ بند مکان میں جمع تھے۔ اور اسی سوچ بچار میں تھے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا صورت اختیار کی جائے۔ کہ شیطان لعین نے اس موقعہ کو غنیمت جانا۔ اور فوراً ایک بزرگ شخص کی صورت بنا کر آیا۔ اور دروازہ پر آواز دی۔ کہ لوگو! دروازہ کھولو! ابوجہل نے

پوچھا کہ تم کون ہو۔ اور کہاں سے آئے ہو۔ اور کیوں آئے ہو؟ شیطان لعین نے کہا۔ کہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ اور پرانا تجربہ کار ہوں۔ نجد کا رہنے والا نجدی ہوں۔ اور تمہارے اس مبارک مشورہ میں شریک ہو کر سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

شیخ نجدی مسلمانو! خوب یاد رکھو! کہ شیطان کا ایک نام شیخ نجدی بھی ہے۔ اور یہ نام اسی راستہ سے اس کا مشہور ہوا ہے۔ چنانچہ غیاث اللغات میں لکھا ہے:-

"شیخ نجدی لقب شیطان است۔ زیرا کہ چوں قریش برائے قتل رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم جمع شدند۔ ناگاہ شیطان بصورت پیرے در آمد۔ چوں پرسیدند کہ کیستی؟ گفت کہ من شیخم از ملک نجد ایم و دریں مشورہ با شما شریکم" (غیاث اللغات ص ۲۹۳)

شیخ نجدی شیطان کا لقب ہے۔ اس لئے کہ قریش جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مشورہ کے لئے جمع ہوئے تو اچانک شیطان ایک بوڑھے آدمی کی شکل میں نمودار ہوا۔ قریش نے پوچھا۔ کہ تم کون ہو۔ تو بولا۔ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں جو ملک نجد سے آیا ہوں، اور اس (حضور صلے اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے مشورہ میں میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں"

اس عبارت سے معلوم ہوا۔ کہ شیطان کا ایک نام شیخ نجدی بھی ہے۔ اور شیطان "نجدی" بن کر اس لئے آیا تھا۔ کہ نجدیوں کی عداوت رسول مسلّم و مشہور تھی۔ ورنہ بتاؤ کہ شیطان نجدی بن کر کیوں آیا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ شیطان شیخ نجدی بنکر ان کافروں کے اجتماع میں شریک ہوا۔ اور سب مل کر اپنی اپنی رائے ظاہر کرنے لگے۔ چنانچہ ایک کافر ابو البختری کہنے لگا۔ کہ اس شخص یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک تنگ و تاریک مکان میں بند کر دیا جائے۔ صرف چھوٹا سا ایک روشندان باقی رہنے دیا جائے۔ اس روشندان سے کچھ روز قلیل کھانا دیا جائے چند روز

کے بعد بے مارے خود ہی نہ رہے گا۔ (معاذ اللہ روحی فداہ) شیخ نجدی شیطان نے اس سکیم پر اعتراض کیا کہ اے ابا البختری! تمہیں یہ معلوم نہیں۔ کہ یہ (رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم) وہ شخص ہے کہ اگر اسے سات قفلوں میں بھی بند کر کے رکھو گے۔ تو بھی اس کی خوشبو باہر نکل آئیگی۔ اور پھر اس کے ماننے والے اس کی خوشبو پاکر، مکان توڑ کر بھی اسے نکال لینگے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!! دشمن کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شرافت۔ لطافت و نفاست کا اقرار ہے سچ ہے! ؎

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں!
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مُبارک کی خوشبو

اعلیحضرت کا یہ شعر جو میں نے پڑھا ہے۔ یہ در اصل ترجمہ ہے اس حدیث کا جو دارمی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:- كَانَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِصَالٌ لَمْ يَكُنْ فِيْ طَرِيْقٍ فَيَتْبَعُهُ اَحَدٌ اِلَّا عَرَفَ اِنَّهُ قَدْ سَلَكَهُ مِنْ طِيْبِ عَرْفِهِ (رحمۃ اللہ علی العالمین ص۲۸۵) یعنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں خاص اوصاف تھے (ایک ان میں سے یہ بھی تھا۔ کہ) اگر حضور کی تلاش میں کوئی نکلتا۔ تو حضور جس راستے تشریف لے جاتے تو صرف حضور کے پسینہ کی خوشبو سے جو اس راستے مہکی ہوتی پہچان لیتا۔ کہ حضور اس راستے سے گزرے ہیں"

دیکھا آپ نے! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی لطافت و نظافت کو۔ ؎

نورِ عین لطافت پہ الطف درود!
زیب و زینِ نظافت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود
فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام
بھینی بھینی مہک پر مہکتی درود!

پیاری پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام!

میرے دوستو! شیطان نے ابوالبختری کی سکیم کو رد کر دیا۔ اور حاضرین نے شیطان کے اس اعتراض کی تائید کی۔ پھر عمرو بن ہشام نامی کافر نے اپنی ایک سکیم بیان کی۔ شیطان نے وہ بھی رد کر دی۔ پھر ابوجہل نے یہ سکیم پیش کی کہ:-

"اس وقت مکہ میں پندرہ بیس خاندان ہیں۔ جو محمد سے سخت نالاں ہیں۔ صرف بنی ہاشم اس کے طرفدار ہیں۔ ہر ایک خاندان میں سے ایک ایک آدمی لیا جائے۔ اور سب کے سب دفعتہً وار کریں۔ اور آپ کو شہید کر کے اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔ جب صبح کو بنی ہاشم کو خبر ہوگی۔ تب ایک گھر اتنے گھرانوں کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اور ہم کامیاب ہو جائیں گے۔"

شیطان نے اس سکیم کو منظور کر لیا۔ اور یہی بات مقرر ہو کر مجلس برخواست ہوئی۔

ادھر جبریل امین نے حاضر ہو کر ساری کیفیت بارگاہِ رسالت میں عرض کر دی۔ اور حضور نے اس حملہ والی رات کو اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹا دیا۔ اور خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر مکہ معظمہ سے ہجرت فرمانے کا ارادہ فرما لیا۔

حسب سکیم جب کافر رات کو حضور کے مکان پر پہنچے اور سارے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی محاصرہ کے دوران اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلًا الخ تلاوت فرماتے ہوئے تھوڑی سی خاک پر دم کر کے ان کافروں کی طرف پھینک دی۔ ایک مٹھی خاک ستر آدمیوں کے مونہوں۔ سروں۔ آنکھوں میں بھر گئی۔ اور عجب طرفہ یہ تھا کہ بجائے تکلیف ہونے کے سب کو نیند آ گئی۔ اور اللہ نے سب کو اندھا کر دیا۔ اور حضور ان میں سے صحیح و سلامت نکل گئے۔ اور صدیق اکبر کے گھر پہنچ کر صدیق اکبر (جو حضور کے ارشاد کے مطابق پہلے ہی سے

ہجرت کے لئے تیار تھے) کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ سے ہجرت فرما گئے۔ اور کافر خائب و خاسر رہ گئے۔

صدیق و علی
میرے بھائیو! صدیق و علی رضی اللہ عنہما دونوں ہی حضور کے صحابی۔ اور جانثار ہیں۔ حضرت علی کا حضور کے بستر پر بیٹھنا یہ اگر ایک ایثار ہے۔ تو اس خطرے کی بات میں اپنا گھر بار چھوڑ کر حضور کے ساتھ ہو جانا بھی ایک ایثار عظیم ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جبکہ دونوں ہی حضور کے محب۔ اور حضور کے یار جانثار تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ افسوس ہے ان بے عقلوں کی اس حماقت پر جو یہ کہتے ہیں۔ کہ بستر پر لیٹنا تو قربانی تھی۔ مگر ساتھ جانا کوئی قربانی نہ تھی۔ سچ ہے۔ ع۔

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

میرے دوستو! میں کہہ رہا تھا۔ کہ اس وطن کی محبت کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قربان فرمایا۔ اور مکہ شریف کو چھوڑا۔ اور ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ گویا ہمیں سبق دیا کہ ایمان کے لئے وطن چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔

ایمان مقدم ہے یا وطن
حضرات! آپ کو یاد ہوگا۔ پاکستان بننے سے قبل دیوبندی مولویوں نے کانگرس سے تعاون کر کے یہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ کہ وطن پہلے ہے اور مذہب بعد میں۔ چنانچہ مولوی حسین احمد مدنی نے علی الاعلان یہ بات کہی تھی۔ حالانکہ کانگرس اور کانگرسی مولوی جان بوجھ کر یہ بات کہہ رہے تھے۔ جب کہ تاریخ شاہد ہے۔ کہ مسلمانوں نے ہمیشہ دین و محبت اور ایمان کو مقدم رکھا ہے۔ اور وطن کی محبت پر قربان کیا ہے۔ اگر وطن مقدم ہوتا۔ تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مکہ معظمہ سے ہجرت نہ فرماتے۔ اسی طرح دیگر صحابہ کرام جنہوں نے وطن چھوڑا۔ کبھی وطن نہ چھوڑتے۔ مگر انہوں نے دین و ایمان کے لئے وطن کو چھوڑا۔ سہ

نہ اپنی جان کی خاطر نہ اپنی آن کی خاطر وطن چھوڑا انہوں نے دین اور ایمان کی خاطر

غدّار

مسلمانو! ایسے افراد آج پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ جو تقسیم کے بعد ناچار پاکستان زندہ باد کے نعرے تو لگاتے ہیں۔ مگر درپردہ آج بھی ان کے دلوں میں بھارت کی یاد چٹکیاں لے رہی ہے۔ یہ لوگ بڑے فتنہ پرور ہیں۔ جھوٹی افواہیں اڑانا۔ مسلمانوں کو بات بات پر مشرک بنانا۔ اور انہیں بدعتی کہہ کہہ کر آپس میں لڑانا ان لوگوں کا کام ہے۔ یہ لوگ بظاہر ہمارے خیر خواہ ہیں۔ مگر بباطن ہمارے دشمن ہیں "دیوبندی" کے عنوان سے میں نے ایک نظم لکھی تھی۔ جس کے دو شعر یہ ہیں :- ؎

ہے اُدھر بھی اور اِدھر بھی چال اس کی دیکھئے
ان کا بھی ہمراز ہے، اور ہم سے بھی ہے ہمکلام
غالباً کوئی اسی کے حق میں ہے یوں کہہ گیا
با مسلماں اللہ اللہ ! با برہمن رام رام

صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ایثارِ مال

حضرات! یہ تو تھی وطن کی محبت۔ جسے صحابہ کرام نے ایمان کی محبت پر قربان کردیا۔ اب آیئے مال کی محبت کو دیکھئے۔ صحابہ کرام نے اسے بھی کس طرح ایمان کی محبت پر قربان کر دیا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ مشہور واقعہ ہے۔ جو کنز العمال میں موجود ہے۔ اور تاریخ الخلفاء صد ۱۳ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ کہ اللہ کی راہ میں کچھ دو۔ اور میری خدمت میں حاضر کرو۔ حضور کا یہ ارشاد پاک سن کر حضرت عمر فرماتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا۔ کہ آج اتفاق سے میرے پاس کافی مال ہے۔ اور ابوبکر ہر موقعہ پر محبت و ایثار میں ہم سب سے بڑھ جایا کرتے ہیں۔ آج میں اس قدر مالی قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کروں کہ ابوبکر سے بھی بڑھ جاؤں۔ اور اپنے آقا کو راضی کر لوں۔

ہماری حرص

مسلمانو! دیکھا آپ نے ان پاک لوگوں کی ریس کو۔ کہ

ریس اگر کرتے ہیں تو نیک کاموں میں۔ کہ اگر اس نے اللہ کی راہ میں زیادہ خرچ کیا ہے۔ تو میں اس سے بھی زیادہ خرچ کرکے دکھاؤں گا۔ مگر ایک ہماری ریس بھی ہے۔ کہ اگر فلاں شخص نے اپنے لڑکے کی شادی میں آتشبازی اور باجے منگوائے ہیں۔ تو میں اپنے لڑکے کی شادی میں طمنچہ جان کو منگواؤنگا گویا اگر وہ چھوٹا شیطان ہے۔ تو میں بڑا شیطان بن کے دکھاؤں گا۔ استغفر اللہ! کیسی جہالت ہے، خدا تعالےٰ خوشی کا موقعہ دیتا ہے۔ تو بجائے اس کے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اس کے کفر پر کمر باندھ لیجاتی ہے۔ اور پھر یہ کہ جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے وقت تو غریب و مسکین بن جاتا ہے۔ بیاہ شادیوں میں اس قدر شاہ خرچ بن جاتا ہے کہ گویا اس کی کسی بات کی پرواہ ہی نہیں۔ علمار کرام ان فضول خرچیوں سے روکتے ہیں۔ تو کہہ دیتے ہیں۔ مولوی صاحب! آخر برادری میں ناک بھی تو رکھنی ہے۔ گویا ناک رہ جائے۔ مگر چاہے ٹوٹ ہی جائے۔ حالانکہ ایسے وقت میں مسلمان کو اپنے خدا و رسول کے ارشادات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ سارے عزیز بگڑ جائیں تو بگڑ جائیں۔ مگر خبردار! اپنے رسول کو ناراض مت کرنا۔ ایسے وقت مسلمان کا یہ شیوہ ہونا چاہیئے کہ یا رسول اللہ! ؎

مرے عمل سے نہ بھائی خوش ہیں نہ خویش خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں

برادری میں ناک رہے نہ رہے۔ بارگاہ رسالت میں ناک رہنی چاہیئے اور ایسی ناک جیسے رسم و رواج کی سریش سے چمٹایا جائے۔ ہرگز پائیدار ناک نہیں ہے۔

لطیفہ جیسے ایک امیر آدمی کا لڑکا تھا۔ اُسے ناک پر ایک خطرناک پھوڑا نکل آیا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا۔ کہ ناک کاٹ دی جائے۔ ورنہ یہ پھوڑا مہلک ثابت ہوگا۔ چنانچہ اس لڑکے کی ناک کاٹ دی گئی۔ اتفاق دیکھئے۔ کہ چند روز بعد ہی اس لڑکے کی ایک امیر آدمی کے ہاں برات جانے والی تھی۔ لڑکے کے باپ نے سوچا۔ کہ اگر لڑکی

والوں کو پتہ چل گیا۔ کہ لڑکے کی ناک کٹی ہوئی ہے۔ تو بڑی ندامت کی بات ہے۔ اور ممکن ہے۔ وہ رشتہ توڑ ہی دیں۔ اس لئے کوئی ایسی ترکیب کی جائے۔ جس سے نکاح سے پہلے پہلے یہ راز فاش نہ ہو کہ لڑکے کی ناک نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے کافی روپیہ خرچ کرکے امریکہ سے ربڑ کی ناک منگوائی۔ اور وہ مصنوعی ناک لڑکے کے چہرہ پر فٹ کر دی۔ برات کا دن آیا۔ اور نکاح کے وقت دولھا میاں بیٹھے اور نکاح خواں نے کہا۔ کہ فلاں لڑکی کو تم نے قبول کیا؟ اتفاقاً اسی وقت دولھا میاں کو چھینک آگئی۔ اور آپ زور سے چھینکے۔ تو سب کے سامنے ربڑ کی ناک نیچے آگری۔ سہرے کو ہٹا کر جو دیکھا گیا۔ تو دولھا میاں نکٹے نظر آئے۔ لڑکی والوں نے اسی وقت جواب دے دیا۔ اور یہ برات بہزار ندامت واپس لوٹی۔

میرے دوستو! جو ناک رسم ورواج کی ربڑ سے بنوا کر آج چسپاں کی جائے گی۔ کل قیامت کے دن جب قہر الٰہی اور غضب الٰہی کا ایک طمانچہ پڑا۔ تو یہ ناک فوراً نیچے گر پڑے گی۔ ہاں وہ ناک جو بارگاہِ رسالت میں قائم رہ گئی۔ دائم رہے گی۔ اور اسے کوئی خطرہ نہیں۔ تو ہمیں اپنی ناک بارگاہِ رسالت میں قائم رکھنی چاہیئے۔

ہاں تو میں بیان کر رہا تھا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دل میں یہ سوچ کر گھر گئے۔ کہ آج اس قدر راہِ خدا میں دوں گا۔ کہ صدیق سے بھی نمبر لے جاؤں گا۔ چنانچہ آپ گھر گئے۔ اور جس قدر مال تھا۔ سب کے دو حصے کئے اور آدھا گھر رکھا۔ اور آدھا حضور کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس قدر ایثار فرما کر یہ سوچا۔ کہ آج صدیق اکبر سے میں بڑھ جاؤں گا

مگر ؎

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا
شاہد ہے جس کی مہر و وفا پر حرا کا غار

کیا دیکھتے ہیں کہ افضل الخلق بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ اور کس شان سے آئے۔ مسلمانو! سنو! جس قدر مال و متاع

گھر میں تھا۔ سارے کا سارا لے کر حاضر ہو گئے۔ سو کا سو فیصدی ہی لے آئے فاروق اعظم نے دیکھا۔ تو دل ہی دل میں کہا۔ کہ صدیق سے بڑھ جانا مشکل ہے حضرت صدیق نے سارا مال حضور کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ حضور اپنے یار غار کا یہ ایثار دیکھ کر بڑے خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ ابوبکر! گھر اپنے لئے کیا چھوڑ آئے؟ صدیق نے عرض کیا ؎

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

خدا کا پیغام صدیق کے نام

مسلمانو! اس موقعہ پر صدیق کی شان کا بیان سنو! حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جبریل امین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! — اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُقْرِءُ عَلَیْہِ السَّلَامَ وَ یَقُوْلُ قُلْ لَہٗ اَرَاضٍ اَنْتَ عَنِّیْ فِیْ فَقْرِكَ ھٰذَا اَمْ سَاخِطٌ — اللہ تعالیٰ صدیق اکبر پر سلام فرماتا ہے۔ اور فرماتا ہے یا رسول اللہ آپ صدیق اکبر سے پوچھئے۔ کہ کیا وہ اس عالم فقر میں مجھ (اللہ) سے راضی ہے یا ناراض؟

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کا یہ پیغام صدیق اکبر کو سنایا۔ تو مسلمانو! اس پیغام کی لذت صدیق اکبر نے ہی پائی۔ آپ عالم وجد میں آ گئے اور عرض کیا:۔
اَسْخَطُ عَلٰی رَبِّیْ؟ اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ اَنَا عَنْ رَبِّیْ رَاضٍ۔ (تاریخ الخلفاء ص۳۱) کیا میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں"

سبحان اللہ! سبحان اللہ!! ایک ہم ہیں کہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے۔ اور ہمیں کوئی یقین نہیں۔ کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہے یا نہیں۔ محض اس کے فضل و کرم پر ہی بھروسہ ہے۔ اور ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ کہ خدا دریافت فرما رہا ہے۔ کہ اے صدیق! کیا تم ہم پر

ناراض تو نہیں، اور تم ہم پر راضی تو ہو؟ اللہ اکبر! کیا شان ہے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ جہنم میں جائیں وہ لوگ جو صدیق اکبر کے دشمن ہیں۔ اور اپنے گھر بیٹھے بیٹھے ہی کہتے ہیں۔ کہ ہم صدیق اکبر پر راضی نہیں ہیں۔

مسلمانو! مل کے پڑھو!:-

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰے عَنْہُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰے عَنْہُ
یار کے نام پہ مرنے والا سب کچھ صدقے کرنے والا
منزل عشق و صدق کا رہبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰے عَنْہُ
رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰے عَنْہُ
رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰے عَنْہُ

حضرت! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے متعلق قرآن پاک میں یہ خاص آیت موجود ہے۔ خدا فرماتا ہے:-

اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی۔ (پ ۳۰ ع ۱۸)۔

وہ جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو۔ اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں۔ جس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے۔ جو سب سے بلند ہے۔ اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہو"

یہ آیات کریمہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ تفسیر خزائن العرفان میں لکھا ہے۔

جب حضرت صدیق اکبر نے حضرت بلال کو، بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کیا۔ تو کفار کو حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ حضرت صدیق نے ایسا کیوں کیا۔ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہو۔ جو انہوں نے اتنی گراں قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل محض اللہ کی رضا کے لئے ہے

کسی کے احسان کا بدلہ نہیں۔ اور نہ ان پر حضرت بلال وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے لوگوں کو ان کے اسلام لانے کے سبب خرید کر آزاد کر دیا۔" خزائن العرفان صے۸۴۳)

اسی طرح دوسری کتب تفاسیر میں بھی لکھا ہے کہ:۔

اَلْاٰیَۃُ نَزَلَتْ فِیْ حَقِّ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حِیْنَ اشْتَرٰی بِلَالًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ (روح البیان صے۶۶ ج۱۰) یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ جبکہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا تھا۔ (اور آزاد کیا تھا)

تو میرے بھائیو! جن کی سخاوت و ایثار کی گواہی خود خداوند کریم جل شانہٗ دیتا ہو۔ ان کی کتنی بڑی شان ہوگی ؎

سرروشن دلاں صدیق اعظم ❊ کہ شد اقلیم تصدیقش مسلّم
زمہرش روز دیں را روشنائی ❊ بدو اہل یقین را آشنائی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنہیں خرید کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آزاد کیا تھا۔ ایک حبشی غلام تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آکر ہمارے سردار بن گئے۔ یہ امیہ کافر کے غلام تھے۔ اور مسلمان ہو گئے تھے۔ امیہ کو پتہ چلا کہ بلال مسلمان ہوگئے ہیں۔ تو وہ آپکو سخت ایذائیں دینے لگا۔ آپ کو ننگے بدن دوپہر کے وقت گرم گرم ریت پر لٹاتا اور پٹواتا تھا۔ مگر ؎

آنجا کہ منتہائے کمال ارادت است
ہرچند جور بیش محبت زیادت است

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پٹتے۔ ایذا سہتے۔ اور احد احد کے نعرے لگاتے تھے۔ اور گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں یہ فرماتے تھے ؎

حلق پر تیغ رہے، سینے پہ جلّاد رہے
لب پہ تیرا نام رہے، دل میں تری یاد رہے

یا رسول اللہ! مرجاؤں۔ کٹ جاؤں۔ مٹ جاؤں۔ مگر تیرا دامن چھوڑنا منظور نہیں سے

توڑ دیں گر ہڈیاں میری سبھی
دامن احمد نہ چھوڑونگا کبھی

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دیکھا۔ کہ بلال پٹ رہے ہیں۔ اور ہنس رہے ہیں۔ صدیق نے یہ منظر دیکھ کر پوچھا۔ بلال یہ کیا؟ پٹتے ہو اور ہنستے ہو؟ بلال نے جواب دیا۔ کہ دیکھ لیجئے یہ واقعہ ہے۔ اور یہ دستور ہے کہ اگر کسی کو ایک مٹی کا پیالہ خریدنا منظور ہو۔ تو وہ خریدار سے

پہلے تو ٹھونکے بجائے گا اسے وہ بالیقیں
کہ یہ کچا تو نہیں ہے اور ٹوٹا تو نہیں
میں بھی ہوں مٹی کا پتلا عشق کے بازار میں
آگیا ہوں میں پسند اس دم نگاہ یار میں

اے صدیق! اللہ مجھے اس کافر سے پٹوا کر میرا امتحان لے رہا ہے۔ کہ میں عشق رسول میں کچا تو نہیں ہوں۔ تو میں خوشی سے کیوں نہ ہنسوں کہ میرا مولا مجھے خریدنے کے لئے تیار ہے۔

امتحان عشق یا کرتے کی داستان

اور سنیئے! کسی عاشق نے اپنے محبوب کو کرتہ (قمیص) پہنے ہوئے دیکھا۔ تو کرتے سے کہا۔ اے کرتے۔ مجھ سے تو تُو ہی اچھا ہے۔ جو محبوب کے بدن کیساتھ لگا رہتا ہے۔ مجھے دیکھ میں فراق کی آگ میں جل رہا ہوں۔ تو سے

کہا کرتے نے کہ انصاف میری داستاں سن کر
کہ میں کن سختیوں کے بعد پہنچا یار کے تن پر
کساں کے ہاتھ آکر میں نے پہلا دکھ یہ پایا ہے
زمیں میں مجھ کو دابا اور مجھ پہ ہل چلایا ہے
زمیں میں دفن ہوکر کچھ نہیں شکوہ کیا میں نے
اور اس مٹی سے چلکر کنوئیں کا پانی پیا میں نے
مٹایا اپنی ہستی کو جو میں نے خاک کے اندر

کیا پھر عشق نے زندہ میں نکلا ایک گل بن کر
مکمل ہو گیا جس دم میں بن کر روئی کا بوٹا
کساں آیا پھر اس کے ہاتھ سے میرا یہ سر لوٹا
پھر اس کے بعد ایسی امتحان کی اک مشین آئی
کہ جس نے میرے جسم و جان کی تفریق کر ڈالی
اسے سب بیلنا کہتے ہیں ہیں اس میں پھنسا ایسا
کہ میری ہڈیاں گرنے لگیں ساری الگ اک جا
میں ہر میدان میں صابر رہا لیکن مرے بھائی
ابھی تک امتحانِ عشق سے چھٹی نہیں پائی
پھر آئے حضرتِ نداف میرا امتحاں لینے
اور اپنی دھنکی سے عاشق کو چوٹیں عشق کی دینے
پھر اس کے بعد چرخہ کاتنے والے چلے آئے
وہ میرے جسم کی رگ رگ کو باہر کھینچ کر لائے
پھر اس کے بعد کپڑا بننے والے نے مجھے پکڑا
مجھے گھر لے گیا اور پھر مشینوں میں مجھے جکڑا
ملی مجھ کو یہاں پھر دوسری اک زندگی بھائی
یہاں پہنچا تو کپڑے کی مجھے صورت ملی بھائی
مصائب کیا یہی کم تھے مگر تھی عشق کی مرضی
ملا پھر امتحاں لینے کی خاطر آ گیا درزی
ہوا تیار درزی امتحاں لینے کو جی بھر کے
کئے قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے میرے جسم لاغر کے
پھر اس کے بعد سوئیوں سے میرے اس جسم کو چھیدا
سیا مجھ کو تو پایا نام میں نے آج کرتے کا
جو میں نے اس قدر دکھ اپنی ہستی پر اٹھایا ہے
تو پھر جا کر کہیں محبوب نے تن سے لگایا ہے

سنا آپ نے کرتے نے جو اپنی روئداد عشق بیان کی! بھائیو! حضرت بلال یا دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو مرتبے پائے ہیں۔ وہ کچھ کرکے پائے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنا مال و زر، اور خویش و اقربار اور اپنی جان تک حضور پر قربان کی۔ تو حضور کو دیکھ لیجئے۔ اپنے صدیق کو اپنے آغوش رحمت میں لئے سبز گنبد میں تشریف فرما ہیں۔

ہاں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت بڑی قیمت کا سونا دیکر حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اور بلال حضور کے قدموں میں پہنچ گئے۔ اورصدیق کے حق میں مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔

دیکھا آپ نے یہ ہے ایمان والوں کی شان کہ ایمان کے لئے نہ مال کی پروا کی جاتی ہے نہ جان کی۔

لطیفہ ایک تو یہ بزرگ تھے۔ کہ جان و مال سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان فرما گئے۔ ایک ہم ہیں۔ کہ خدا راہ حق میں جو طلب فرماتا ہے۔ ہم اس سے گریز کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ انعام ہمیں وہی ملے جو ان بزرگانِ دین کو ملا۔ جو اپنا سب کچھ راہ حق میں لٹا گئے۔

کہتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنے دوست سے کہا۔ یار! میں باہر سفر میں جا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری کوئی نشانی میرے پاس رہے تاکہ تم ہر وقت میری یاد میں رہو۔ میرے خیال میں تم اپنی یہ انگوٹھی بطور نشانی مجھے دیدو۔ تاکہ ہر وقت تم میرے پیشِ نظر رہو۔ اور مجھے یاد آتے رہو دوست نے کہا۔ مگر تمہیں میری یاد ہی تو منظور ہے اور وہ یوں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ اپنی خالی انگلی دیکھ کر یاد کر لیا کرنا کہ میں نے اپنے دوست سے انگوٹھی مانگی تھی۔ مگر اس نے نہ دی۔ جس طرح انگوٹھی کو دیکھ کر میری یاد آئے گی۔ اسی طرح انگلی انگوٹھی سے خالی دیکھ کر بھی میری یاد آ سکتی ہے۔ پھر خواہ مخواہ انگوٹھی دینے اور پہننے کے تکلیف کی کیا ضرورت! تو میرے بھائیو! آج ہمارا بھی خداوند کریم سے کچھ اس قسم کا معاملہ ہے کہ

اے مولا! تو نے پہلے مسلمانوں سے مالی و جانی ایثار طلب فرمایا۔ اور انہوں نے سب کچھ پیش فرما دیا۔ اس طرح تو نے انہیں اپنی یاد میں رکھنے کی سرفرازی عطا فرمائی۔ اور ہمیں بھی تو تو اپنی یاد سے سرفراز فرمانا چاہتا ہے نا! تو یہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ہم وہ ہیں کہ تم نے جب بھی کچھ راہِ حق میں طلب فرمایا۔ ہم نے گریز ہی کیا۔ میرے بھائیو! اس قسم کی روش سے پناہ مانگو۔ یہ خدا کی یاد نہیں۔ بلکہ یہ ہماری بہت بڑی بھول ہے۔ اور یاد رکھو۔ اس بھول کا نتیجہ بڑا بھیانک ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ بھول جانے والوں سے کل قیامت کے دن یوں فرمایا جائے گا۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ

(پ ۲۵ ع ۲۰) اور فرمایا جائیگا۔ آج ہم تمہیں چھوڑ دینگے۔ جیسے تم اپنے اس دن کے ملنے کو بھولے ہوئے تھے۔ اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے"!

دنیا ایک کھیتی ہے

میرے بھائیو! اس دنیا میں جو کروگے کل وہی سامنے آئے گا۔ یہ دنیا گویا ایک کھیتی ہے۔ جو بوؤگے۔ وہی کاٹوگے۔ ایک پنجابی شاعر لکھتا ہے۔ ؎

دنیا کھیتی آخرت دی، خود حضرت فرماوے
جیسا اس وچ بیجے کوئی ویسا ہی پھل پاوے
جے توں اس نوں محنت کر کے بیجیں اج دہاڑے
بھلکے تیرے ناویں ہوسن بوہل تے کھلواڑے
جے بیجن ویلے کجھ نہ بیجیں موسم پیا گواویں
اگے فصل جو پکی ویکھیں رو رو کے پچھتاویں
تیں تھیں اگے ننگے ہالی، ہل واہ گئے اگیرے!
شوق عشق دی ہل پنجالی توں بھی گھن سویرے!

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ایمان کی محبت پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ جان، مال، اولاد ہر ایک چیز کی محبت کو ایمان پر نچھاور کر دیا۔ اولاد کی محبت ہر صاحبِ اولاد خوب اچھا

ہے۔ مگر اللہ رہے محبت ایمان۔ کہ صحابہ کرام نے اس محبت کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ اور ایمان کی محبت ہی کو مقدم رکھا۔ چنانچہ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور ان کے دو صاحبزادے

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے۔ اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے گھر پہنچے۔ تو آپ کے دو چھوٹے بچوں نے کلمہ طیبہ کو سن کر اپنے والد ماجد سے پوچھا۔ ابا جان! یہ کس پیاری ہستی کا نام لے رہے ہو۔ کہ نام تم لیتے ہو۔ اور مزہ ہمیں آرہا ہے حضرت عمار نے جواب دیا ؂

ایہہ اوہ نام مبارک بچیو جس دا کل پسارا
جے نہ ہندا ایہہ ناں والا، ہندا نہ عالم سارا

بچوں نے کہا۔ تو پھر یہ کلمہ طیبہ ہمیں بھی پڑھائیے۔ چنانچہ ان بچوں نے بھی کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور دونوں مل کر اس پیارے کلمہ کا ورد کرنے لگے۔ اور ورد کرتے کرتے باہر نکلنے لگے۔ حضرت عمار نے فرمایا۔ بیٹو! ابھی اس کلمہ طیبہ کو باہر نکل کر پڑھنے کا وقت نہیں ہے۔ کافر سنیں گے۔ تو ایذا دیں گے۔ اندر ہی رہ کر پڑھو۔ بچوں نے جواب دیا اور سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز جواب ہے ؂

جد ایہہ نام مبارک اتنا، ئیون فیں کیوں ڈریے
نام مبارک لیندے رہیے، جو بنیے سو جریے

چنانچہ وہ دونوں صاحبزادے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے باہر نکلے اور اپنی جان سے بے پرواہ ہو کر علی الاعلان اس نام پاک کا اعلان کرنے لگے۔ گویا دونوں صحابیوں کا یہ ترانہ تھا۔ کہ

دل و جان دونوں فدائے محمدؐ
خدا ہم کو کر خاکِ پائے محمدؐ
کرم ہے ترا ہم پہ احسان خالق!
کہ پیدا ہوئے ہم برائے محمدؐ

نہیں ہم کو غم جان جائے تو جائے
تمہاری محبت نہ جائے محمدؐ!

ناگاہ ایک کافروں کا گروہ ادھر سے گزرا۔ اور یہ پیاری آواز انہوں نے سنی، تو حسد سے جل گئے۔ ایک بے دین نے ان پاک بچوں کو طمانچہ مارا۔ کسی نے حضرت عمار سے جاکر کہا۔ کہ تمہارے بچے نرغے میں گھر گئے ہیں۔ جاؤ اور ان کو نام محمدؐ لینے سے روکو۔ آپ کا جواب یہ تھا ؎

بیشک ہنر ٹھنڈ اکھاں دی گھروچہ کرن اجالا
پر ایہناں تھیں ودھ کے پیارا مینوں کالی کملی والا

پھر وہ شخص بچوں کی ماں کے پاس گیا۔ اور اسے واقعہ سنایا تو وہ بولی ؎

دل دے ٹکڑے ڈاہڈے ہندے پت پیارے ماواں
پر نام نبی توں جے لکھ پتر ہووے گھول گھماواں

تھوڑی دیر کے بعد جب کافروں نے ان بچوں کو بیحد تنگ کیا اور بہت مارا تو حضرت عمار اور ان کے والد حضرت یاسر نے باہر نکل کر کافروں کو اس جفا سے روکا تو، ان ظالموں نے حضرت عمار اور یاسر کو اور حضرت عمار کی بیوی کو بھی پکڑ لیا۔ اور اس مقدس گھرانے کے سب افراد کو مارنا شروع کر دیا۔ اتفاقاً حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس طرف تشریف لے آئے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا۔ تو فرمایا۔

اِصْبِرُوْا یَا اٰلَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃَ۔ یاسر والو! صبر کرو۔ تمہارا مقام جنت ہے۔"

آخر کفار کی جفا نے ان نفوس قدسیہ کو جنت میں پہنچا دیا۔

حضرات! دیکھا آپ نے یہ ہے ایمان اور خدا نے بھی یہی فرمایا ہے کہ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ — یعنی اگر تم صاحب ایمان ہو تو پھر گھبراؤ مت عروج و سربلندی تمہارے ہی لئے ہے۔"

میرے بزرگو! سب جانتے ہیں۔ کہ آج ہمیں وہ عروج و سربلندی جو پہلے زمانے میں تھی۔ حاصل نہیں۔ پہلے لوگ سربسجود ہوکر بارگاہِ خداوندی میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰے عرض کرتے تھے۔ اور خدا اُن کے لئے " وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ " فرماتا تھا۔ آج ہم نے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰے کہنا چھوڑ دیا ہے یعنی نماز کا نام تک نہیں لیتے۔ تو خدا نے اَنْتُمُ الْاَعْلَوْن۔ کا مصداق ہمیں بنانا چھوڑ دیا۔ پہلے لوگ غازی بھی تھے۔ اور نمازی بھی۔ مجاہد بھی اور عابد بھی۔ آج کسی کو نماز کا کہہ کر دیکھئے۔ تو جواب ملتا ہے۔ میاں ہم غازی ہیں غازی۔ گویا جو غازی ہو وہ پکا بے نمازی ہوتا ہے۔ حالانکہ جو غازی ہے۔ میدان جہاد میں بھی اس کے لئے یادِ حق کی تاکید ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ — (پ۱۰ ع ۲) اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو۔ تو ثابت قدم رہو۔ اور اللہ کی یاد بہت کرو۔ کہ تم مراد کو پہنچو!"

چنانچہ مسلمانوں کا جب بھی کافروں سے مقابلہ ہوا۔ انہوں نے میدانِ جہاد میں بھی نمازوں کو نہیں چھوڑا۔ اسی لئے اقبال نے بھی لکھا ہے۔ کہ ؎

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رُو ہوکے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

مگر کس قدر انقلاب ہے۔ کہ آج وہ غازی ہے۔ جو نماز نہ پڑھے۔ مسلمانو! نماز ایک بڑا اہم فریضہ ہے۔ اور افسوس کہ جس قدر یہ اہم ہے۔ اسی قدر اس سے غفلت کی جارہی ہے ___ دین و دنیا کے مالک ومختار حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب نماز سے بے اعتنائی نہیں فرمائی۔ تو ہم کس باغ کی مولی ہیں۔ پہلے زمانے کے مسلمان اس فریضہ کو بڑا اہم سمجھتے تھے۔ اور اسکا بہرحال خیال رکھتے تھے۔ مگر آج ؟

نمازیوں کی قسمیں

کہتے ہیں۔ آجکل کے نمازیوں کی چند قسمیں ہیں۔ اصلی وصلی۔ فصلی۔ آٹھ کے، کھاٹ کے، تین سو ساٹھ کے۔ اصلی تو وہ جو باقاعدہ پنجوقت کی نماز ادا کرے۔ فصلی وہ جو فصل کے موسم میں فصل پکنے پر خوشی میں آکر دو دن نماز پڑھ لے۔ وصلی وہ جو کسی کا مہمان بنے۔ تو اس خیال سے کہ میزبان مجھے بے نمازی نہ سمجھے دو دن کے لیئے نماز شروع کر دے۔ آٹھ کے وہ جو آٹھویں دن صرف جمعہ پڑھ لیا کرے۔ کھاٹ چارپائی کو کہتے ہیں۔ کھاٹ کے وہ جو کسی کا جنازہ ہو جائے۔ تو جنازہ پڑھ لے۔ اور تین سو ساٹھ کے وہ جو تین سو ساٹھ دن یعنی پورے سال کے بعد نماز عید پڑھ لے۔ میرے بھائیو! ان سب قسموں میں سے اگر بنتا ہے۔ تو پہلی قسم کے نمازی بنو۔ یعنی اصلی نمازی بنو۔ مگر آہ! اس دور میں پہلی قسم کے نمازی بہت کم ہیں۔ دوسری قسموں کے زیادہ ہیں۔

ہمارے لیڈروں کی نماز

اور یہ جو ہمارے لیڈر ہیں۔ یہ زیادہ تر اگر کوئی نمازی ہو تو تین سو ساٹھ قسم کے نمازی ہیں سال بھر کے بعد عیدگاہ میں آ گئے۔ اور قوم میں اپنی نماز کی نمائش کر دی۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر کوئی لیڈر نماز عید یا نماز جمعہ کبھی پڑھ لیں۔ تو اخباروں میں اعلان ہو جاتا ہے۔ کہ فلاں لیڈر نے نماز پڑھی۔ ریڈیو میں اعلان ہو جاتا ہے۔ کہ فلاں لیڈر نے نماز ادا کی۔ گویا حضرت نے ایک الوکھا۔ نرالا۔ اچنبھا اور ایسا کام جو ان کے باپ دادا نے بھی نہ کیا تھا۔ کر ڈالا۔

میرے بھائیو! نماز پڑھو! اور خاص خدا کے لئے پڑھو۔ اور پنج وقت کی باقاعدہ نماز پڑھو۔ خبردار! اس نماز سے غفلت اختیار نہ کرنا۔ یہ نماز بڑی برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہے۔ اور بے نمازی شیطان سے بھی زیادہ بڑا ہے ؎

شیطان ہزار مرتبہ بہتر زبے نماز!
کاں سجدہ پیشِ آدم و ایں پیشِ حق نہ کرد

مومنین کی امداد غیبی

حضرات! خدا کا وعدہ ہے۔ کہ اگر تم مومن ہو تو فتح و نصرت اور سربلندی تمہارے ہی لئے ہے۔ چنانچہ اپنی تاریخ پڑھیئے۔ تو اس وعدۂ حق کے متعدد جلوے نظر آتے ہیں۔ میدان بدر میں مسلمانوں کی تعداد کتنی تھی، صرف تین سو تیرہ۔ اور مقابلہ میں ابوجہل کا لشکر ایک ہزار کے لگ بھگ تھا۔ اور یہ لشکر بھی مسلح اور کیل کانٹے سے لیس۔ گویا کافروں کے پاس دنیاوی ساز و سامان سب کچھ تھا۔ اور مسلمانوں کے پاس کیا تھا؛ ؎

تھے انکے پاس دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں
نہ تیغ و تیر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسہ تھا تو اک سادی سی کالی کملی والے پر

سبحان اللہ! ان پاک لوگوں کے پاس بس نام خدا و نام مصطفےٰ تھا۔ اور یہ لوگ میدان جہاد میں آئے تو آئے کس شان سے؟ یہ بھی سنیئے! دنیا بھر کے جرنیلوں کو دیکھتے جایئے۔ کوئی جرنیل اپنی فوجوں کو شراب پلا کر لڑائے۔ کوئی جرنیل اپنی فوجوں کو چائے بسکٹ کھلا کر لڑائے۔ اور کوئی مکھن توس کھلا کر لڑائے۔ مگر آؤ کوئی بھی دکھاؤ۔ جس نے اپنی فوج سے روزہ رکھوا کر جنگ کروائی ہو۔ مسلمانو! یہ تین سو تیرہ مجاہدین جو میدان بدر میں تشریف لائے تھے۔ روزے سے تھے۔

آج ہم بھی ہیں کہ بجلی کے پنکھوں کے نیچے بھی روزہ نہیں۔ اور ایک وہ بھی تھے۔ کہ تپتے ہوئے میدانِ جہاد میں بھی روزہ تھا ؎

آہ! اسلام ترے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا افسوس وہ ہالے نہ رہے

میرے بھائیو! ایک ہزار مسلح لشکر کے مقابلہ میں یہ بظاہر نہتے تین سو تیرہ صاحبِ ایمان آئے۔ تو خدا نے ان کی کس طرح مدد فرمائی سنیئے! :-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۔

(پ۴ ع ۴) اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ تو اللہ سے ڈرو۔ کہیں تم شکر گزار ہو۔ جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے۔ کیا تمہیں یہ کافی نہیں۔ کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے۔ تین ہزار فرشتے اتار کر۔ ہاں! کیوں نہیں اگر تم صبر و تقویٰ کرو۔ اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں، تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فرشتے بھیج کر، جو مسلمانوں کی امداد غیبی فرمائی تھی۔ اس کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ اے پیارے تم میدانِ بدر میں مسلمانوں کو جب تسلی دے رہے تھے۔ اور یہ کہہ رہے تھے کہ تم اپنی قلت اور بے سروسامانی، اور کفار کی کثرت اور اسباب حرب پر خیال کرکے ہراساں نہ ہو۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں۔ کہ خدا تمہاری تین ہزار فرشتے بھیج کر مدد فرمائے۔ خدا فرماتا ہے۔ کیوں نہیں ۔۔ اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کروگے اور کافر تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ تو میں پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کروں گا۔

چنانچہ اس جنگ میں پانچہزار فرشتے نازل ہوئے۔ اور مسلمانوں کی مدد کرتے ہوئے کافروں سے لڑے۔ بخاری و مسلم شریف کی احادیث شریف میں آتا ہے۔ کہ بدر کے روز فرشتے گھوڑوں پر سوار ہوکر کافروں سے لڑتے رہے۔ اور انہوں نے سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔

جبرائیل امین کا گھوڑا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان اس روز کافروں کا تعاقب کرتے تھے

اور کافر مسلمان کے سامنے بھاگتا جاتا تھا۔ اچانک اوپر سے کوڑے کی آواز آتی تھی۔ اور سوار کا یہ کلمہ سنا جاتا تھا۔

"اقدم حیزوم!" "یعنے آگے بڑھ! اے حیزوم!"

حیزوم حضرت جبریل امین کے گھوڑے کا نام ہے۔ اور نظر آتا تھا۔ کہ کافر گر کر مر گیا۔ اور اس کی ناک تلوار سے اڑا دی گئی اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے یہ معائنے سید عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بیان کئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ "یہ آسمان سوم کی مدد ہے۔" (تفسیر خزائن العرفان ص۲۵۶)

دیکھا آپ نے یہ ہے تفسیر وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ - کی۔ کہ صاحب ایمان حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مدد کیلئے اللہ نے آسمان سے مدد نازل فرمائی۔ اور وہ بے سرو سامانی کے عالم میں بھی سربلندی و غلبہ حاصل فرما گئے۔ مگر آج ہم دنیاوی ساز و سامان کے ہوتے ہوئے بھی مظلوم ہیں، دنیائے کفر ہم پر پے در پے حملے کر رہی ہے۔ اور ہمارے حق غصب کر رہی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ ہمارے ایمان کمزور ہو گئے ہیں۔

میرے بھائیو! اب بھی وقت ہے۔ ہوش میں آؤ۔ اٹھو۔ پھر وہی حرارت ایمان پیدا کرو۔ اور دنیا کو دکھا دو۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ صاحب ایمان ہیں۔ ؎

غیرت ہو تو گر کر بھی سنبھلنا نہیں مشکل
جرأت ہو تو نرغے سے نکلنا نہیں مشکل
ہمت ہو تو حالت کا بدلنا نہیں مشکل
انجن ہو تو گاڑی کا بھی چلنا نہیں مشکل
گرمی سے کرو پہلے بخارات مہیا!
پیدا ہو جو حرکت تو لگے گھومنے پہیا!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نانواں وعظ

اِتّباعِ رسول

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (پ ۳ ع ۱۲)

"اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو۔ تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھیگا اور تمہارے گناہ بخش دیگا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان "اتباعِ رسول" ہے۔ مجھے بتانا ہے کہ خدا سے رشتہ محبت و دوستی بجز حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کی غلامی کے کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ کوئی لاکھ جتن کرے۔ مگر حضور کے وسیلہ کے بغیر وہ خدا تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔

قُلْ سب سے پہلے آیت مبارکہ کے پیارے انداز کو دیکھئے۔ اپنے محبوب کی غلامی کا حکم دینا یہ خدا کی مرضی اور اس کی منشا ہے۔ مگر وہ اپنی مرضی کو اپنے محبوب کی زبانِ حق ترجمان سے کہلواتا ہے اور فرماتا ہے قل! اے محبوب! تو فرما دے۔ گویا اے محبوب! بات میری اور زبان تیری۔

قلْ کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی
اللہ کو ہے اتنی تری گفتگو پسند!

میرے دوستو! یہ حقیقت ہے۔ کہ زبانِ مصطفےٰ سے جو کچھ ارشاد ہوتا ہے۔ وہ در اصل خدا ہی کا ارشاد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حضور اپنی خواہش سے کچھ فرماتے ہی نہیں۔ بلکہ

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (پ ۲۷ ع ۵)
وہ کوئی بات ہی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں۔ مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے!

مسلمانو! اپنا ایمان رکھو کہ ارشادِ رسول ارشادِ خدا ہی ہے ؎

قولِ حق قرآن ہے قولِ پیمبر ہے حدیث
اہل دِل کیواسطے تقریر ہے دونوں کی ایک
اس نے پھیرا دل تو اس نے دعوتِ اسلام دی!
وہ خدا اور یہ نبی تدبیر ہے دونوں کی ایک

ایک بھینگے کا قصہ حضرات! آجکل ایک فرقہ جسے منکرِ حدیث کہا جاتا ہے۔ نکل آیا ہے۔ جو حدیث کو معاذ اللہ قابلِ اتباع نہیں سمجھتا۔ اور بزعمِ خویش قرآن کا تابع ہے۔ حالانکہ جو حدیثِ رسول کا تابع نہیں۔ وہ قرآن کا بھی تابع نہیں۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ کے مطابق جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہے۔ وہ خدا کا تابع ہے۔ اور جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا توڑنے والا ہے۔

وہ خدا کے ہی فرمان کا توڑنے والا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ ایک بھینگا تھا۔ بھینگا اُسے کہتے ہیں۔ جس کی نظر ٹیڑھی ہو اور جسے ایک کے دو نظر آتے ہوں۔ اس کے ماسٹر نے اس سے کہا۔ میرے گھر جاؤ اور طاق سے میرا آئینہ اٹھا کر لے آؤ۔ وہ بھینگا گیا۔ اور طاق میں آئینہ کو دیکھ کر واپس چلا آیا۔ اور ماسٹر سے کہنے لگا۔ ماسٹر جی! طاق میں آئینے دو رکھے ہیں۔ میں کونسا لاؤں۔ ماسٹر نے کہا۔ مگر دو کیسے ہوگئے۔ آئینہ تو ایک ہی ہے۔ بھینگے نے کہا۔ نہیں صاحب! آئینے دو ہیں۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ اچھا جاؤ۔ ایک آئینہ توڑ دو۔ اور دوسرا لے آؤ۔ چنانچہ وہ بھینگا گیا اور اس نے ایک آئینہ توڑ دیا۔ توڑنے کے بعد یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ توڑا تو ایک آئینہ تھا۔ مگر دوسرا آئینہ اپنے آپ ہی کیسے ٹوٹ گیا؟ یہ منظر دیکھ کر پریشانی کے عالم میں واپس ہوا۔ اور ماسٹر صاحب سے کہنے لگا۔ ماسٹر صاحب کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ میں نے آئینہ تو ایک توڑا تھا۔ مگر دوسرا خود بخود ہی ٹوٹ گیا ہے۔ ماسٹر صاحب نے کہا۔ کمبخت بھینگے! آئینہ تو ایک ہی تھا۔ مگر تیرے بھینگے پن کی بدولت تجھے دو نظر آئے۔ اور تم نے دیکھ لیا۔ کہ تم نے بزعم خویش جس دوسرے آئینے کو توڑا۔ وہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ بلکہ وہی تھا۔ جو تجھے اپنے آپ ٹوٹتا ہوا نظر آیا۔

میرے بزرگو! اسی طرح حکم رسول در اصل حکم خدا ہی ہوتا ہے مگر ایمان کے بھینگوں کو ان میں تفریق نظر آتی ہے۔ اور یہ جو آج حدیث رسول کے منکر ہیں۔ انہیں کل پتہ چلے گا۔ جب انہیں حکم رسول توڑنے کی پاداش میں حکم خدا ہی ٹوٹا ہوا نظر آیا۔ خدا سے دعا کرو۔ کہ وہ ہمیں اس ایمان کے بھینگے پن سے بچائے۔ آمین!

شانِ نزول اس آیت کریمہ کا شانِ نزول مفسرین کرام نے یہ لکھا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف اور اسکے متبعین کو دعوتِ ایمان دی۔ تو وہ کہنے لگے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ۔ "ہم اللہ کے بیٹے اور دوست ہیں"۔ اس موقعہ پر اللہ نے

یہ آیت اتاری۔ کہ ان سے کہہ دیجئے۔ اگر اللہ کے دوست بننا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کرو۔ ورنہ خدا کی دوستی محال اور جنون ہے۔ (روح البیان صفحہ ۳۱۹)

اور پھر فرمایا۔ کہ اب تو تم یہ چاہتے ہو کہ تم اللہ کے دوست بن جاؤ مگر جب تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن جاؤ گے۔ تو یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ اللہ تمہیں اپنا دوست بنا لیگا۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کی کہ جو اس محبوب کا ہو جائے۔ خدا اسے بھی اپنا محبوب بنا لیتا ہے؛

محبوب کے انداز

بات یہ ہے کہ پیار تو اللہ کو اپنے محبوب ہی سے ہے مگر جو شخص اللہ کے محبوب کی غلامی اختیار کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وصورت کی نقل اتاریگا۔ تو محبوب کے انداز جہاں بھی محبوب کو نظر آئیں گے۔ محب کی محبت وہاں جلوہ گر ہو جائیگی۔

حضور سے اللہ کو اگر پیار ہے تو اس لئے کہ حضور حضور ہیں۔ اور حضور کے غلاموں سے اگر اللہ کو پیار ہے تو اس لئے کہ وہ حضور کے غلام ہیں۔ بات ختم حضور ہی پر ہوتی ہے۔ خدا کا دوست اور محبوب بننے کیلئے حضور کی غلامی ضروری ہے۔ ہر وہ چیز جسے حضور سے تھوڑی بہت نسبت حاصل ہو جائے گی۔ وہ اللہ کی محبوب بن جائیگی۔ دیکھئے دنیا میں بڑے بڑے خوبصورت شہر موجود ہیں۔ ان شہروں کا قرآن میں کہیں نام نہیں لیا گیا۔ مگر ایک شہر ایسا بھی ہے۔ جس کا قرآن مجید میں نام لیا گیا ہے۔ بلکہ اس شہر کی قسم فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ (پ ۳۰ ع ۱۵)

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! تم اس شہر میں تشریف فرما ہو! جانتے ہیں آپ یہ کونسے شہر کی قسم فرمائی گئی ہے؟ یہ شہر مکہ معظمہ ہے۔ خدا نے اس شہر کی قسم فرمائی اور اس لئے نہیں کہ اس شہر میں بیت اللہ ہے۔ یا اس شہر میں صفا مروہ ہے۔ یا اس شہر میں حجر اسود

ہے۔ بلکہ اس لئے کہ :۔

وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ۔ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔

دیکھا آپ نے! جس شہر کی گلیوں میں محبوب چلتا پھرتا نظر آیا وہ شہر بھی محبوب بن گیا۔ اور اس کی قسم فرمائی جانے لگی۔

محبوب کے رخ تاباں اور زلفوں کی قسم

اور سنئے! خدا فرماتا ہے :۔

وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی (پ ۳۰ ع ۱۸)

چاشت کی قسم! اور رات کی جب پردہ ڈالے۔

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ روح البیان میں فرماتے ہیں :۔

اشارت است بروشنی روئے حضرت مصطفےٰ علیہ السلام و کنایت است از سیاہی موئے وے۔ (روح البیان ص ۶۶۲ ج ۴)

یعنی والضحیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی روشنی مراد ہے۔ اور " واللیل " سے حضور کی زلف معنبر کی سیاہی مراد ہے۔"

گویا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے چہرۂ انور اور محبوب کی زلفوں کی قسم فرما رہا ہے۔ کیونکہ محبوب کا چہرۂ انور اور محبوب کی زلفیں بھی اللہ کو محبوب ہیں۔

محبوب کے زمان کی قسم

اور سنئے! خدا فرماتا ہے :۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ (پ ۳۰ ع ۲۸)

"اس زمانہ محبوب کی قسم۔ بیشک آدمی ضرور نقصان میں ہے۔"

دیکھئے! یہاں محبوب کے زمانہ کی قسم فرمائی گئی ہے۔ گویا محبوب کا زمانہ بھی اللہ کو محبوب ہے۔

محبوب کی زبان کی قسم

اور سنئے! خدا فرماتا ہے :۔ وَقِیْلِہٖ یٰرَبِّ اِنَّ ھٰؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۔ (پ ۲۵ ع ۱۳) مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

دیکھئے! یہاں محبوب کے قول و ارشاد کی قسم فرمائی گئی ہے۔ گویا اللہ کو محبوب کی زبان بھی محبوب ہے۔

محبوب کی جان کی قسم

اور سنئے! خدا فرماتا ہے:۔ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ۔ (پ ۱۴ ع ۵) ―

اے محبوب! تمہاری جان کی قسم۔ بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

دیکھئے! یہاں محبوب کی جان کی قسم فرمائی گئی ہے۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں ؎

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحٰی ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسمِ شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم
وہ خدا نے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم
ترا مسندِ ناز ہے عرش بریں ترا محرمِ راز ہے روح امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

اتباع

میرے بزرگو! آیت مذکورہ میں اللہ نے حضور سے فَاتَّبِعُونِي کہلوایا ہے۔ کہ میری اتباع کرو۔ یاد رکھئے۔ ایک ہے "اطاعت" اور ایک ہے "اتباع" ان دونوں لفظوں میں کچھ فرق ہے۔ اطاعت کا معنی ہے۔ فرماں برداری اور اتباع کا معنی فرمانبرداری کے علاوہ قدم بقدم چلنا کے بھی ہیں۔ یعنی اتباع عام ہے۔ اور اطاعت خاص۔ اطاعت میں تو محبوب کے حکم و فرمان کی انتظار رہتی ہے۔ مگر اتباع کا یہ معنی ہے کہ حکم و ارشاد کی تعمیل کے علاوہ محبوب کے حکم و ارشاد کے بغیر بھی محبوب کی ہر مرضی کو اپنا لیا جائے۔ محبوب کا حکم نہ بھی ہو۔ تو بھی اس کی سیرت کو اختیار کر لیا جائے۔ میرے دوستو! اسی کا نام ہے مکمل غلامی۔

غلامی کی مثال

مثلاً ہمارے ملک میں انگریز رہے۔ تو ان کی غلامی میں جب انہیں انگریزی بال کٹواتے۔ ٹیڑھی مانگ نکالتے۔ اور داڑھی منڈواتے دیکھا۔ تو غلاموں نے بھی یہ سب حرکتیں اپنا لیں۔ حالانکہ انگریزوں کا یہ کوئی حکم نہیں تھا

کہ ایسا ضرور کرو۔ مگر غلامی کا تقاضا یہ تھا۔ کہ حاکم جس رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اسی رنگ میں اپنے آپ کو بھی رنگ لو۔

اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ جنٹلمینو! خدا کا شکر ادا کرو۔ کہ پچھلی جنگ میں جاپان یہاں نہیں آگھسا۔ ورنہ اگر وہ آجاتا تو پھر ہر فیشن ایبل جنٹلمین کو داڑھی منڈوانے کے ساتھ ساتھ اپنی ناک بھی چپٹی کرانا پڑتی اور ہر نائی کو استرے کے ساتھ ساتھ، ایک عدد ہتھوڑا بھی رکھنا پڑتا۔ اس لئے کہ جاپانیوں کی ناک چپٹی ہوتی ہے۔ تو اُن کے آجانے سے پھر ناک کا چپٹا ہونا بھی فیشن میں داخل ہو جاتا۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ میرے بھائیو! حاکم وقت کی بود و باش، اور اس کی سیرت و صورت کا رعایا پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ خاندان بنی امیہ میں ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک اور حضرت عمرو بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نمایاں شخصیتیں ہیں۔ ان تینوں کے عادات و اطوار مختلف تھے۔ اور ان کے اپنے اپنے عہد میں جو جو کچھ ان کی اپنی طرزِ زندگی تھی۔ اُسی کا اثر رعایا پر بھی پڑتا رہا۔ چنانچہ ولید کے متعلق روایت ہے کہ:

كَانَ صَاحِبَ بِنَاءٍ وَاتِّخَاذٍ لِمَصَانِعَ وَالضِّيَاعِ وَكَانَ النَّاسُ يَلْتَقُونَ فِي زَمَانِهِ فَإِنَّمَا يَسْئَلُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا عَنِ الْبِنَاءِ وَالْمَصَانِعِ ——

یعنی ولید عمارتیں، تالاب، زرخیز زمینیں بنانے اور تیار کرنے والا تھا۔ اس کے زمانہ میں لوگ، جب آپس میں ملتے۔ تو ایک دوسرے سے آبادیوں اور تالابوں، حوضوں وغیرہ کی تعمیر کے بارے میں پوچھ لیا کرتے تھے۔

اور سلیمان بن عبدالملک کے متعلق روایت ہے۔

كَانَ صَاحِبَ نِكَاحٍ وَطَعَامٍ فَكَانَ النَّاسُ يَسْئَلُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا عَلَى التَّزْوِيجِ وَالْجَوَارِي —— سلیمان کھانے پینے اور نکاح کا شوقین تھا۔ تو لوگ بھی اس کے عہد میں ایک دوسرے سے مل کر نکاح

اور لونڈیوں کی باتیں پوچھتے "

اور حضرت عمرو بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق راویوں کا بیان ہے :-
فَلَمَّا وَلِیَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ کَانُوْا یَلْتَقُوْنَ فَیَقُوْلُ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ مَاوِرْدُکَ اللَّیْلَةَ وَکَمْ تَحْفَظُ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَمَتٰی تَخْتِمُ وَمَا تَصُوْمُ مِنَ الشَّھْرِ (طبری) لیکن جب حضرت عمرو بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (جو ایک ولی کامل حاکم تھے) خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو ہر شخص ایک دوسرے سے مل کر یہی پوچھتا۔ کہ رات کو پڑھنے کا تیرا کون سا وظیفہ ہے۔ تجھے قرآن مجید کتنا یاد ہے۔ تو کب ختم کرے گا۔ اور تو مہینہ میں کتنے روزے رکھتا ہے "

دیکھا آپ نے۔ شاہانہ اقتدار جس طرز و طریق پر اپنی زندگی کی تشکیل کرتا ہو انہی بنیادوں پر رعایا کی معاشرت و تمدن کی دیواریں بھی اٹھتی ہیں۔ آج سینما۔ تھیٹر۔ لاٹری۔ بیمہ۔ بنک۔ تصویرکشی۔ سنگ پروری نیم عریانی۔ بے پردگی۔ راگ گانا رقص و سرود وغیرہ جاہلی تہذیبیں انگریزوں کو مرغوب ہیں۔ اس لئے عوام نے بھی ان اشیاء کو اپنا لیا ہے۔ بلکہ معاذ اللہ بعض لوگ اب تو راگ و گانے اور رقص و سرود کو اسلامی فن اور دینی کارنامہ ثابت کرنے لگے ہیں۔ اور اس رقص و سرود کی باقاعدہ تعلیم اپنی لڑکیوں کو بھی دینے لگے ہیں۔ کسی زمانہ میں لڑکی کا باحیا ہونا۔ دینی مسائل اور گھر کے کام کاج سے واقف ہونا۔ سینا پرونا۔ جاننا۔ نمازی و پابند شرع ہونا۔ مرغوب و پسندیدہ تھا۔ مگر اب سب سے پہلے لڑکی کا بے حجاب ہونا اور ناچنے گانے میں مشاق ہونا دیکھا جاتا ہے۔ میں نے ایک نظم میں لکھا ہے :- ؎

سرخ تلوے، سرخ ناخن، سرخ لب
ڈیجرس ہی ڈیجرس ہیں عضو سب
ہو نہ ہو سینے پرونے کی تمیز

ناچنے گانے کا ہو لڑکی کو ڈھب

میرے بزرگو! اس کا نام ہے غلامی کہ حاکم کے بود و باش، اس کی تہذیب و معاشرت کو بغیر اس کے حکم کے بھی اپنا لیا جائے۔

بلا چون و چرا تعمیل حکم

غلامی کا ایک اقتضا اور بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حاکم کا حکم بلا چون و چرا تسلیم کیا جائے۔ اور یہ نہ کہا جائے۔ کہ ایسا ہم کیوں کریں۔ مثلاً ہماری حکومت نے گھڑیوں کا ایک گھنٹہ ٹائم پیچھے کر لینے کا حکم دیا تھا۔ تو سب نے اپنی اپنی گھڑیوں کا ایک ایک گھنٹہ ٹائم پیچھے کر لیا تھا۔ اور یہ کسی نے نہیں کہا تھا۔ کہ ہم ایسا کیوں کریں۔ اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟ پھر جب حکومت نے نصف گھنٹہ آگے کر لینے کا حکم دیا۔ تو سب نے ایک دم نصف گھنٹہ ٹائم آگے کر لیا۔ اور "کیوں" پھر بھی کسی نے نہیں کہا۔ اور آج یقیناً اس بات کی حکمت، اور فلسفہ بغیر حکومت کے کسی دوسرے کے علم میں نہیں۔ لیکن ٹائم سب نے آگے کر رکھا ہے۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ حکم رسول پا کر آج کل کے آزاد خیال افراد کیوں کیوں کرنے لگتے ہیں۔ کہ ہم ایسا کیوں کریں نماز کیوں پڑھیں۔ اس کا فلسفہ کیا ہے۔ روزہ کیوں رکھیں۔ اس کی حکمت کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اتباعِ رسول کا تقاضا یہ ہے۔ کہ جو حکم سرکار ہو بلا چون و چرا اُسے تسلیم کر لیا جائے۔ اور بقول شاعر نغمہ یہ ہو سے

مصور دیکھنا تصویر میری یوں بنائی ہو
اُدھر حکم محمد ہو۔ اِدھر گردن جھکائی ہو

اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ حضور ہی کی غلامی میں گزرے۔ کوئی قدم ان کی سیرت مطہرہ کے خلاف نہ اٹھے۔ کوئی حرکت ان کی مرضی کے مخالف نہ ہونے پائے، ان کی ہر ادا ہمیں محبوب ہو۔ ان کی ہر مرضی ہمیں مرغوب ہو۔ مولانا رومی فرماتے ہیں سے

درہمہ اقوال و افعال اے فتی!
قبلۂ خود ساز خلق مصطفیٰ

ملحدانہ دور

میرے بزرگو! آپ نے سنا کہ انگریز کی غلامی کا یہ عالم ہے کہ اس نے داڑھی منڈائی۔ تو غلاموں نے بھی منڈا ڈالی۔ اس نے ٹیڑھی مانگ نکالی۔ تو غلاموں نے بھی نکال لی۔ اس نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ تو غلاموں نے بھی کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوگا۔ وہ بھی حضور کی ہر ادا اپنائے گا۔ حضور کے رخ انور پر ریش انور دیکھے گا۔ تو داڑھی رکھے گا۔ حضور کی سر انور پر سیدھی مانگ شریف دیکھے گا۔ تو سیدھی مانگ نکالے گا۔ اسی طرح جو جو ادا سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں دیکھیگا۔ اُسے پسند کریگا۔ مگر آہ! یہ ملحدانہ دور ایسا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں پر مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یہ داڑھی پر پھبتیاں، عمامے پر مذاق۔ مسواک پر آوازے کسنے۔ یہ ملحدانہ باتیں۔ آجکل عام ہیں۔ خوب یاد رکھیئے۔ داڑھی کا نہ رکھنا گناہ ہے۔ مگر کفر نہیں۔ لیکن داڑھی پر مذاق اور پھبتیاں اڑانا یہ کفر ہے۔ کہ ادائے محبوب کا مذاق اڑایا گیا۔ افسوس اُن ملحدین پر جو انگریز کے تو اندھے مقلد اور سراپا غلام ہیں۔ لیکن جن کی غلامی کا خالق کائنات حکم دیتا ہے۔ ان کی غلامی سے باہر ہیں۔ اور نام رکھا ہے اس کا آزادی۔ حالانکہ جو حضور کا غلام نہیں وہ برائے نام آزاد ہو تو ہو۔ ورنہ وہ آزاد کب ہے؟ رسم و رواج کا وہ غلام اپنے نفس کا وہ غلام۔ شیطان کا وہ غلام۔ افسروں کا وہ غلام۔ حتےٰ کہ اپنی بیوی کا وہ غلام —— ایک سرور عالم کی غلامی اختیار کر لیتا۔ تو ان سب غلامیوں سے نجات مل جاتی کہ —— ع

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

خدا کی گرفت

میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی غلامی سے کنارہ کش ہو کر یہ حسین کا نام لوگوں نے آزادی رکھ چھوڑا ہے۔ یہ آزادی ہرگز نہیں۔ بلکہ غور کیا جائے

تو اخروی ہولناک عذاب کے علاوہ اس دنیا میں بھی یہ لوگ خدا کی گرفت میں ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ ادا فرمانے کا ارشاد فرمایا سو میں سے اڑھائی دینے کا حکم دیا۔ لوگوں نے یہ حکم نہ مانا۔ تو اس کی اخروی سزا تو کل ملے گی۔ لیکن اس دنیا میں بھی یہ سزا ملی۔ کہ سینکڑوں ٹیکس پیچھے پڑ گئے۔ ہاؤس ٹیکس۔ انکم ٹیکس۔ واٹر ٹیکس۔ یہ ٹیکس اور وہ ٹیکس۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ حکم نہ مانا۔ کہ کون پانچ وقت مسجد میں جائے۔ بوٹ اور جرابیں اتارے وضو کرے۔ اور نماز پڑھے۔ حکم رسول کی ان پابندیوں سے بھاگا۔ تو سینکڑوں پابندیاں پیچھے پڑ گئیں۔ صاحب استطاعت لوگوں کو عمر بھر میں ایک بار حج کا حکم رسول ملا۔ تو اس کی پرواہ نہ کی گئی۔ تو یہ سزا ملی کہ اچھا تو پھر ہزاروں کا خرچ کر کے ولایت جاؤ۔ اور وہاں کچھ عرصہ رہ کر اپنا دین و دنیا برباد کر کے آؤ۔ اور جو زیادہ سزا دینا منظور ہوئی۔ تو وہاں سے ایک میم صاحبہ کو بھی ساتھ کر دیا گیا۔ جس نے یہاں پہنچ کر اپنے ولایتی ناز و انداز سے مسٹر کا کچومر نکال کے رکھ دیا۔ حج کے دوران صفا مروہ کی دوڑ سے یہ لوگ بھاگے۔ کہ کون وہاں جائے۔ اور دوڑتا پھرے۔ تو سزا یہ ملی۔ کہ اچھا تو پھر یہیں فٹ بال کھیلتے دوڑو۔ پولو کھیلتے دوڑو۔ ہاکی کھیلتے دوڑو۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ بس دوڑتے ہی رہو۔

میرے بھائیو! سچ پوچھو! تو یہ آزادی برائے نام آزادی ہے۔ ہے خدا کی گرفت۔ مگر یار لوگ اسے آزادی سمجھ بیٹھے ہیں۔

لطیفہ ایک کابلی کا قصہ مشہور ہے۔ کہ وہ کابل سے ہندستان آیا۔ تو ایک حلوائی کو دیکھا۔ جو تازہ حلوا بنا کر بیچنے کو سامنے رکھ اپنی دکان پر بیٹھا تھا۔ کابلی نے اُسے دیکھا۔ جو تازہ حلوا بنا کر بیچنے کو سامنے رکھ کر اپنی دکان پر بیٹھا تھا۔ کابلی نے اُسے دیکھا تو اپنی چھڑی اس کی آنکھوں کے قریب لا کر ہلانے لگا۔ حلوائی نے پوچھا۔

لے کہ صبح کا لباس اور دوپہر کا اور شام کا اور۔ وغیرہ وغیرہ

خان ! یہ کیا کرتے ہو۔ کابلی بولا۔ خوا میں دیکھتا ہوں۔ کہ تم اندھا تو نہیں ہے۔ حلوائی بولا۔ میں اندھا نہیں ہوں۔ کابلی نے کہا۔ اگر اندھے نہیں ہو تو اتنا حلوہ سامنے رکھتا ہے۔ اسے کھاتے کیوں نہیں؟ حلوائی بولا۔ خان! یہ حلوہ میں کھا لوں تو اجڑ جاؤں؟ خان نے کہا اچھا اگر یہ حلوہ کھانے سے آدمی اجڑتا ہے۔ تو لو ہم اجڑتا ہے۔ یہ کہا اور وہ سارا حلوہ کابلی نے کھا لیا۔ حلوائی نے پیسے مانگے۔ تو کابلی بولا۔ پیسہ ویسہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ حلوائی اسے پکڑ کر عدالت میں لے گیا۔ قاضی نے فیصلہ کیا کہ کابلی کو گدھے پر بٹھا کر شہر میں پھراؤ۔ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی ایک فوج اس کے پیچھے کر دو۔ جو ڈھول بجاتے ہوئے اسکے پیچھے پیچھے چلیں چنانچہ اس کابلی کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ گدھے پر بٹھایا۔ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی فوج کو پیچھے کر دیا گیا۔ جو ڈھول بجا بجا کر اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ اور کابلی کو سارے شہر میں پھرایا۔ کابلی صاحب اپنے وطن پہنچے۔ تو لوگوں نے پوچھا :-

"ملک ہند چگونہ ملک است ؟" ہندوستان کیسا ملک ہے ؟

—— تو بولے !

"خوب است۔ حلوہ خوردن مفت است۔ سواری خر مفت است

فوجِ طفلاں مفت است۔ نیز ڈم ڈم مفت است"

—— یعنے بڑا اچھا ملک ہے۔ وہاں حلوہ مفت ملتا ہے گدھے کی سواری مفت ملتی ہے۔ بچوں کی فوج مفت اور ڈھول بھی مفت ملتا ہے۔"

گویا خاں صاحب نے اپنی اس سزا کو اپنا جلوس سمجھ لیا۔ ملی تو اس کو سزا۔ مگر اس نے سمجھ یہ لیا کہ یہ میرا جلوس نکالا گیا ہے۔

میرے بھائیو! کچھ اسی قسم کا معاملہ یہاں بھی ہے۔ کہ یہ باغیانِ رسول ہیں تو خدا کی گرفت میں۔ لیکن نام انہوں نے اسکا آزادی رکھ چھوڑا ہے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

میرے بھائیو! اُن صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مبارک ہستیوں پر سلام۔ وہ لوگ آزادی کا مزہ چکھ گئے۔ قیصر و کسریٰ پر اپنا رعب جما گئے۔ بلکہ حیوانات کو بھی اپنا مطیع و فرمانبردار بنا کر دکھا گئے۔ آب و باد، خاک و آتش پر حکومتیں کر گئے۔ شاعر لکھتا ہے ؎

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے!
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے!

فاروقِ اعظم اور روم کا ایلچی

مسلمانو! حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ سنو! اس واقعہ کو حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں بھی لکھا ہے۔ اور میں آپ کو مثنوی شریف کے اشعار کے اردو منظوم ترجمہ میں یہ واقعہ سناتا ہوں۔

شاہِ روم نے ایک مرتبہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا ایک ایلچی بھیجا۔ وہ ایلچی جب مدینہ منورہ پہنچا۔ تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے محل کا پوچھنے لگا۔ اس نے سمجھا کہ جیسے ہمارے بادشاہ بڑے بڑے محلوں میں رہتے ہیں۔ فاروقِ اعظم بھی جو کہ اسلام کے بڑے بادشاہ کہلاتے ہیں۔ کسی بہت بڑے محل میں اور بہت بڑے سنگین پہرے میں رہتے ہوں گے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں سے حضرت فاروقِ اعظم کا محل پوچھتا رہا۔ اور سے

لوگ جب سنتے تھے اس کا یہ کلام
ہنس کے کہتے تھے کہ اے فرزندِ خام
صبر و شکر اس کے ہیں دو حصنِ حصین
قصر کی اس شیر کو حاجت نہیں
ہے امیر المومنین گرچہ عمر!
پر نہیں رکھتا جھونپڑوں سا بھی گھر

اس ایلچی نے جب یہ جواب سنا تو بڑا حیران ہوا۔ کہ یہ عجیب قسم کی حکومت ہے۔ کہ اتنا بڑا با رعب جلالت مآب مسلمانوں کا بادشاہ۔ مگر

نہ کوئی محل اور نہ کوئی پہرہ ؎

ہے تعجب فاتح ملک شہاں
جان روشن کی طرح ہو یوں نہاں

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس سادگی کا ذکر سن کر اسکا شوقِ جستجو بڑھا اور ہر ایک سے پوچھنے لگا۔ کہ فاروق اعظم کہاں ملیں گے۔

آخر اِک بڑھیا یہ بولی دیکھ کر
نخلِ خرما کے تلے ہے وہ عمر!
ظلِ حق سایہ میں ہے سویا ہوا
یہ عمر ہے جس کا تو جویا ہوا

بڑھیا کی نشان دہی سے وہ ایلچی کھجور کے درخت کی طرف بڑھا کیا دیکھتا ہے کہ اللہ کا شیر، مسلمانوں کا امیر، وہ جن کے رعب و دبدبہ سے دنیائے کفر لرزہ براندام ہے۔ بغیر کسی تکلف کے اکیلا اپنے ہاتھ کا تکیہ بنائے سو رہا ہے۔ ؎

ڈیل میں تھا ایلچی گو پیل تن
لیکن اس کا کانپ اٹھا تن بدن

سُبحَانَ اللہ! سوئے ہوئے اللہ کے شیر کا یہ رعب کہ روم کا ایلچی آپ کو نیند کے عالم میں بھی دیکھ کر کانپ اٹھا اور ؎

دل میں کہتا تھا، الٰہی کیا ہوا
قیصر و کسریٰ کو دیکھا بارہا
جنگ میں بھی زخم کھائے سینکڑوں
دشمنوں کے سر اڑائے سینکڑوں
میں نے مارے بیسیوں شیر و پلنگ
پر کبھی بدلا نہ اس چہرے کا رنگ
کانپتا ہے اب تو میرا جوڑ جوڑ
آکے یاں نکلی ہے اب ساری مروڑ

مسلمانو! پھر اس روم کے ایلچی کے منہ سے بے ساختہ نکلا ہ

آسمانی رعب ہے اس شخص کا
ہے خدائی بھید گدڑی میں چھپا

دیکھا آپ نے! یہ تھے آزاد مسلمان کہ آزادی سے سو رہے ہیں۔ اور کفر اس سوئے ہوئے بھی اللہ کے شیر کو دیکھ کر کانپ اٹھتا ہے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اور ایک جنگل کا شیر

میرے بزرگو! ان لوگوں کا رعب اور دبدبہ نہ صرف یہ کہ انسانوں پر تھا۔ بلکہ جنگلی درندوں پر بھی ان کا رعب تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے:۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سرزمین روم میں اپنے لشکر سے الگ ہوکر راستہ بھول گئے۔ آپ اپنے لشکر کی تلاش میں تھے۔ کہ راستے میں ایک خطرناک شیر مل گیا۔ اس مشکل کے وقت آپ بالکل نہیں گھبرائے اور اس شیر کو مخاطب فرما کر یوں فرمایا۔

یَا اَبَا الحَارِثِ اَنَا مَولٰی رَسُولُ اللّٰہِ ۔ اے ابا الحارث خبردار! میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں "

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ سن کر شیر نے کتے کی طرح دم ہلانا شروع کی۔ اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کرتا ہوا ساتھ چل دیا۔ اور آپ کو لشکر میں ملا کر واپس چلا آیا۔ (دیکھئے مشکوٰۃ شریف ص۵۴۷)

ایک پنجابی شاعر نے اس موقعہ پر لکھا ہے۔ کہ شیر نے جب یہ سنا۔ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے تو گویا وہ یوں کہنے لگا ہ

شیر کہیا سفینے تائیں سن راہی راہ جاندے
جو غلام رسول اللہ دے اسی غلام اُنہاندے

صحابہ کرام کا اتباعِ رسول

حضرات! صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ساری زندگیاں اتباعِ رسول میں گزریں۔ اور انہوں نے حضور کا اتباع کرکے دکھایا۔ اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مگر اتباع رسول

کو نہ چھوڑا۔ حضور نے انہیں جدھر سے روکا وہ رک گئے۔ جدھر جدکایا جھک گئے۔ فتح مکہ کی لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا۔ کہ جو مشرک سامنے آئے۔ اسے قتل کر دو۔ اگرچہ وہ تمہارا اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو۔ تو ان متبعینِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کر دکھایا۔ اور اپنے بیگانے میں کوئی فرق نہ رکھا۔ اگر سامنے باپ آگیا۔ تو اسے نہ چھوڑا۔ بیٹا آگیا۔ تو اسے معاف نہ کیا۔ بھائی آیا تو اُسے نہ چھوڑا۔ یہی وہ اتباعِ رسول تھا۔ جس کی بدولت وہ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کے مصداق بن کر اللہ کے محبوب بن گئے۔ اور ساری دنیا ان کے قدموں پر گر گئی۔

کدّو سے پیار

میں نے آپ کو بتایا ہے۔ کہ اتباع کے معنی میں قدم بہ قدم چلنا بھی ماخوذ ہے۔ محبوب کے حکم و ارشاد کے بغیر بھی محبوب کی مرغوب چیز سے رغبت رکھنا اور اسے اپنانا یہ اتباع ہے۔ چنانچہ اس کی مثال بھی صحابہ کرام میں بوجہ اتم موجود تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں ایک دعوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیا۔ صاحبِ خانہ نے کدو پکا رکھا تھا۔ میں نے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو بڑے شوق و رغبت سے تناول فرما رہے ہیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ حضور کی اس رغبت کو دیکھ کر ــــ

فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ یَوْمَئِذٍ۔ (مشکوٰۃ ص۳۵۶)

اس دن سے میں بھی کدو سے محبت رکھنے لگا۔"

دیکھئے حضور نے حکم نہیں دیا۔ کہ اے انس تو بھی کدو کھایا کر۔ اور اس سے ہمیشہ محبت رکھنا۔ مگر یہ اتباعِ رسول تھا۔ کہ محبوب کو کدو کی طرف رغبت فرماتے دیکھا۔ تو اس مبارک عادت کو خود بخود ہی اپنا لیا۔ میرے بھائیو! خوب یاد رکھو۔ خدا کی محبت و دوستی حاصل کرنے کیلئے یہی اتباعِ رسول درکار ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا و سیرتِ مبارکہ کو اپنا لیا جائے۔ اور آپ کے ہر حکم و ارشاد کی تعمیل کی جائے۔ حضور کے اتباع و اطاعت کے بغیر خدا کا پانا ناممکن ہے۔

مسلمانو! یہ تو بھلا صحابہ کرام کی باتیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی غلامی و اطاعت نباتات و حیوانات اور جمادات نے بھی کر کے دکھائی۔

درختوں کی اطاعت

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ اگر آپ نبی ہیں۔ تو کوئی معجزہ دکھائیے۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا وہ درخت جو سامنے کھڑا ہے۔ اُسے میرا پیغام دو اور اتنا کہہ دو۔ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَدْعُوْکَ۔ "تجھے اللہ کا رسول بلاتا ہے" وہ اعرابی گیا۔ اور اس نے درخت سے یہ جملہ کہہ دیا۔ دوستو! حدیث میں آتا ہے۔ اُس درخت نے یہ حکم پاتے ہی اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے گر کر اپنی جڑیں زمین سے اکھیڑیں۔ اور پھر جڑوں کو گھسیٹتا ہوا چلتے چلتے، حضور کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اور عرض کرنے لگا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اعرابی یہ منظر دیکھ کر کہنے لگا۔ اچھا اب اسے کہیے۔ یہ پھر اپنی جگہ پر چلا جائے۔ اور اسی طرح زمین میں گڑ کر کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ حضور نے اس درخت کو حکم دیا۔ تو وہ چلتا ہوا پھر اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اعرابی یہ معجزہ دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص۲)

مسلمانو! سوچو تو ایک درخت تو حضور کے اشارے پر آ بھی جائے۔ اور چلا بھی جائے۔ مگر ایک وہ برائے نام انسان جو حضور کے حکم پر نہ مسجد میں آتا ہے۔ اور نہ حضور کے روکنے پر منہیات سے رکتا ہے۔ بھلا ایسا انسان بھی انسان کہلانے کے لائق ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسے شخص کے لئے تو قرآن پاک کا یہ ارشاد ہے۔

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ — (پ۹ ع۱۱)

اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں۔ بہت جن اور

آدمی وہ دل رکھتے ہیں۔ جن میں سمجھ نہیں۔ اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں۔ اور وہ کان جن سے سنتے نہیں۔ وہ چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔ وہی غفلت میں پڑے ہیں "

بھائیو! آنکھیں کھولو۔ اور خدا کا ارشاد دیکھو۔ کان کھولو اور اس کا ارشاد سنو! اور اس غفلت کی زندگی کو ترک کرو۔ یاد رکھو۔ آج اگر آنکھیں بند رکھیں۔ تو کل پھر یہ سننا پڑے گا۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔ (پ۲۶ع۱۶) بیشک تو اس سے غفلت میں تھا۔ تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا۔ تو آج تیری نگاہ تیز ہے"

اور یاد رکھو کل قیامت کے دن خداوند کریم نے ایک ایک بات کا سوال فرمانا ہے۔ اور ہمیں جواب دینا پڑے گا۔ یہ کان اللہ نے دیئے ہیں۔ قرآن و حدیث شرعی احکام اور نیک باتیں سننے کے لئے یہ آنکھیں ہمیں دی ہیں۔ نیک اور جائز چیزیں دیکھنے کے لئے۔ یہ عمر ہمیں دی ہے۔ تاکہ ہم اللہ و رسول کی رضا حاصل کریں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

حق چو فرماید چہ آوردی مرا
اندریں مہلت کہ من دادم ترا
عمر خود را در چہ پایاں بردۂ
قوت و قوت درچہ فانی کردۂ
گوہر دیدہ کجا فرسودۂ
پنج حس را در کجا پالودۂ

یعنی اللہ تعالیٰ کل قیامت کو پوچھے گا۔ کہ اے بندے! میں نے جو تجھے اتنی مہلت دی۔ تو اس مہلت میں تم میرے لئے کیا لائے ہو؟ اور بتاؤ کہ تم نے اپنی عمر کس شغل میں بسر کی اور اپنا زور و

زر کس بات میں لگایا۔ اور یہ آنکھوں کا موتی اور اسی طرح اپنی پنج حس کو کہاں صرف کیا؟

بھائیو! سوچو! کہ ہم ان باتوں کا ہم کیا جواب دیں گے۔

غیر شرعی رسمیں

میرے عزیزو! آج ہم میں کئی ایک ایسی رسمیں موجود ہیں۔ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ مگر افسوس! کہ ہم مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی ان کو نہیں چھوڑتے۔ شادیوں میں۔ غموں میں، ہزاروں رسمیں بری بری ایسی کہ جن کے کرنے سے ایمان بھی جاتا رہے۔ یا نقصان میں آ جائے۔ کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ باجے گاجے ڈھولک تماشا۔ لڑکیوں کا گانا۔ اور برات آنے پر چھتوں پر چڑھ کر کئی طرح کے بکواس آمیز گانے گانا وغیرہ وغیرہ۔ سب وہ باتیں ہیں۔ جن سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ رکتے ہی نہیں، مسلمانو! خوب یاد رکھو! اگر خدا کو راضی کرنا چاہتے ہو۔ تو ہر معاملہ میں اس کے رسول کا اتباع کرو۔ اگرچہ تم سے سارا جہان ناراض ہو جائے۔ جہان ناراض ہوتا ہے تو ہونے دو۔ مگر رسولِ کریم کو ناراض مت کرو۔ یا برادری کو رکھو یا اپنے رسول کو رکھو۔ بھائیو! مگر اتنی بات یاد رکھنا۔ کہ اگر برادری ناراض ہو گئی۔ تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ اور اگر رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے۔ تو کچھ نہیں رہے گا خوب یاد رکھو۔ جب تک تم اپنے ہر معاملہ میں بیع و شرا میں۔ حرکت و سکون میں۔ شادی و غم وغیرہ میں حضور کی فرمانبرداری کا خیال نہ رکھو گے۔ تب تک تم کبھی صحیح معنوں میں مسلمان ہرگز نہیں بن سکتے۔ ویسے نام کے مسلمان ہو تو ہو۔ مگر کام کے مسلمان ہرگز نہیں!

لطیفہ

مولانا رومی علیہ الرحمتہ نے ایک لطیفہ لکھا ہے۔ کہ ایک شخص نے بہت بڑا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ ایک چور نے دیکھا۔ تو اس نے سوچا۔ کہ اگر یہ عمامہ ہاتھ آ جائے۔ تو گھر بھر کے لئے ململ کی قمیضیں تیار ہو جائیں گی۔ چنانچہ اس نے جھپٹ کر اس کا عمامہ اتار لیا۔ اور دوڑا۔

عمامہ کے مالک نے چور کو آواز دی۔ کہ میاں چور! تم عمامہ کی ظاہری شکل پر بھول گئے۔ ذرا اسے کھول کر تو دیکھو۔ اس کے اندر کیا ہے ؎

کھول کر تو دیکھ اس کا کیا ہے حال
پھر بھی تو لے جائے تو تجھ کو حلال
اس کو کھولا بھاگتے عیارؒ نے
دھجیاں اور چیتھڑے گرنے لگے
ہاتھ میں آخر کو اس کے رہ گیا
اِک پرانا پارچہ کمخواب کا

جب چور نے کھول کر دیکھا۔ تو اوپر ایک ہی پیچ ململ کا تھا۔ اندر سب چیتھڑے بھرے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ اسی طرح آجکل کے بے عمل مسلمانوں کا اسلام ہے۔ کہ اوپر کلمہ کا ایک ہی پیچ ہے۔ اور اندر سب وہی کفریہ رسموں کے چیتھڑے بھرے ہیں۔ ؎

از بروں طعنہ زدی بر بایزید
وز درونت ننگ مے دارد یزید

"باہر سے تو ایسے کہ حضرت بایزید سے بھی اچھے اور اندر سے ایسے کہ یزید سے بھی بُرے"

— خداوند تعالےٰ اندر اور باہر سے ہمیں پورا مسلمان بننے کی توفیق دے! آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دسواں وعظ

خدا کی بندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (پ ۲۷ ع ۲)

اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے ہی بنائے کہ میری بندگی کریں

حضرات! - آج کے میرے وعظ کا عنوان ہے "خدا کی بندگی" اس کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے چند تمہیدی کلمات سن لیجئے :-

یہ واقعہ و حقیقت ہے۔ کہ خداوند کریم نے دنیا میں کوئی چیز بیکار و غیر مفید پیدا نہیں فرمائی - ہر چیز کی پیدائش میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت

مضر ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہماری سمجھ میں وہ حکمت نہ آئے۔ چنانچہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے دیوار پر ایک چھپکلی کو دیکھا۔ تو اللہ سے سوال کیا۔ الٰہی! تو نے چھپکلی کو کیوں پیدا فرمایا؟ خدا نے اس کے جواب میں فرمایا اے موسٰے۔ یہی سوال تجھ سے قبل چھپکلی بھی کر چکی ہے۔ کہ الٰہی تو نے موسٰے کو کیوں پیدا فرمایا؟ اور اے موسٰے! میں نے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں فرمائی۔ میرے بزرگو! معلوم ہوا کہ اللہ نے کوئی چیز بے کار پیدا نہیں فرمائی۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ کار آمد ہے۔ اور کسی نہ کسی حکمت پر مبنی پیدا فرمائی گئی ہے۔ فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْا عَنِ الْحِكْمَةِ۔ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ۔

سب کچھ انسان کیلئے

اور پھر یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ خدا نے ہر چیز کو انسان کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اور ہر شے کسی نہ کسی حیثیت سے انسان کی خادم نظر آتی ہے۔

ہوا

چنانچہ یہ ہوا ہی دیکھ لیجئے۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو انسان کا دم ہوا ہو جائے زندگی محال اور جینا دشوار ہو جائے۔ اور کئی امور جو ہوا سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب رک جائیں۔ اور انسان کے لئے نقصان واقع ہو۔ تو معلوم ہوا کہ ہوا انسان کی خادم ہے۔ اور انسان کیلئے پیدا فرمائی گئی ہے۔

پانی

پانی کو بھی دیکھئے۔ اگر پانی نہ ہو۔ تو ہماری پیاس کیسے بجھے، کپڑے کیسے دھلیں۔ لسی۔ چائے۔ شربت و دیگر مشروبات کیسے تیار ہوں؟ آپ کی کھیتوں کو سیراب کون کرے؟ آپ کا کھانا کھلانا۔ پینا پلانا۔ نہانا دھونا۔ اور اسی طرح متعدد کام جو متعلق بالماء ہیں۔ سب ہی کے سب رک جائیں۔ اور انسان کو بے حد نقصان کا سامنا ہو۔ کیا یہ حقیقت نہیں؟

آگ

آگ کی طرف آیئے۔ دیکھ لیجئے۔ یہ بھی آپ ہی کی خادم ہے۔ آپ کا کھانا پکاتی ہے۔ آپ کے لئے چائے تیار کرتی ہے۔ سردیوں

ہیں آپ کے کمرے اور آپ کا بدن گرم کرتی ہے۔ وَقِسْ عَلٰی ذٰلِکَ ۔ اگر آگ نہ ہو۔ تو انسان کے کئی کام رک جائیں۔

مٹی

مٹی بھی انسان کی خادم ہے۔ ہمارے مکانوں کو سر پر لئے کھڑی رہنے والی زمین اگر نہ ہو۔ تو آپ کا چلنا پھرنا۔ اٹھنا بیٹھنا سب ختم ہو جائے۔ آپ کی کھیتیاں۔ باغات وغیرہ نابود ہو جائیں۔ یہ بارونق شہر اور سیرگاہیں اسی مٹی کی بدولت ہیں۔ یہ نہ ہو۔ تو آدھا جہان ختم ہو جائے۔

اسی طرح چاند، سورج، ستارے۔ جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ غرضیکہ دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے ہے۔ اور انسان ان سب سے اعلیٰ اشرف اور ان سب کا مطاع ہے۔

انسان کیلئے سب اور انسان کس لئے؟

حضرات! جب آپ یہ معلوم کر چکے کہ انسان کے لئے سب کچھ ہے۔ تو اب اس کے برعکس دیکھئے کہ انسان کیا ان چیزوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے؟ — بنظر غور دیکھنے سے جواب "نہیں" کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ اور وہ اس طرح کہ آپ مان چکے کہ اگر ہوا نہ ہو۔ تو انسان کا نقصان ہے۔ مگر خود ہی سوچئے۔ کہ اگر انسان نہ ہو۔ تو کیا ہوا کا بھی کوئی نقصان ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان نہ ہو تو ہوا کا کچھ بھی نقصان نہیں۔ اسی طرح پانی اگر نہ ہو۔ تو انسان کا نقصان۔ اور اگر انسان نہ ہو۔ تو پانی کا کیا نقصان؟ یونہی آگ مٹی، یا چاند سورج وغیرہ ان میں سے اگر کوئی ایک چیز بھی نہ ہو۔ تو انسان کا نقصان ہے اور اگر انسان نہ ہو۔ تو ان میں سے کسی چیز کا کچھ نقصان نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں انسان کے لئے ہیں۔ مگر انسان ان میں سے کسی کے لئے نہیں۔ پھر دیکھنا ہے۔ کہ انسان کس لئے پیدا کیا گیا۔ اس کے جواب میں اگر آپ کہیں کہ صاحب! انسان کو سونے کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ حضرت انسان دنیا میں پہنچ کر سونے کی خدمت سرانجام دیا

کرے، اور دن رات سویا کرے۔ تو ہم کہیں گے۔ اگر یہی بات تھی۔ تو اللہ تعالیٰ انسانوں کی جگہ خرگوش پیدا فرما دیتا۔ اس لئے کہ خرگوش کی نیند مشہور ہے۔ کہ وہ بہت سوتا ہے۔ پھر انسان کیوں پیدا کیا گیا؟ سوال تا حال باقی ہے۔ اگر آپ کہیں کہ اسے کھانے پینے یا خواہشات کی تکمیل کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ کھانے پینے میں انسان سے زیادہ چوپائے ہیں۔ کہ کتنی انسانوں کی غذا کی مقدار میں ایک ہی چوپایہ کھا جاتا ہے۔ اور خواہشات کی تکمیل کے لئے حیوانات کافی تھے۔ ڈارون کی تھیوری کے مطابق ڈارون کی اصل بندر ہے۔ اور بندر خواہشات نفسانیہ کے پورا کرنے میں کچھ کوتاہی نہیں کرتا۔ پھر انسان کی جگہ انہیں حیوانات کو کیوں پیدا نہ فرمایا گیا ——؟

نئی تہذیب کا جواب

میرے بھائیو! اس سوال کے جواب میں نئی تہذیب کا جواب تو یہی ہے۔ جس کا اوپر ذکر ہوا۔ کہ انسان سونے اور کھانے پینے اور خواہشات کی تکمیل کے لئے ہی پیدا ہوا ہے۔ مختصر لفظوں میں نئی تہذیب کا جواب یہ ہے۔ کہ انسان آیا ہے کھانے پینے کے لئے۔ اور کھانا پینا ہے اس کا جینے کے لئے، اور جینا ہے پھر کھانے پینے ہی کے لئے۔

قرآن کا جواب

اگر قرآن کا جواب وہ ہے۔ جس کا ذکر ابتدائے مضمون میں ہو چکا۔ اور جو آیت زیب دہ مضمون ہے۔

اور جس کا ذکر میں اپنے ان اشعار میں لکھ چکا ہوں کہ ؎

جانور پیدا ہوئے تیری وفا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیا کے واسطے
کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
سب جہاں تیرے لئے اور تو خدا کے واسطے

مقصد یہ کہ کھانا پینا اگر زندگی کے لئے ہے تو زندگی خدا کی بندگی کے لئے ہے اور ؎

زندگی بے بندگی شرمندگی
زندگی با بندگی تابندگی

اشرف المخلوقات

انسان کو ذرا اپنے خالق و مالک اور رازق کی مہربانیوں کا خیال کرنا چاہیئے۔ ذرا سوچیئے تو حضرات! بچہ ماں کے پیٹ میں ہے۔ اور رازق اسے وہیں رزق دے رہا ہے۔ اور دنیا میں آنے سے پہلے ہی خدا نے اس کے لئے دو دودھ کی نہریں ماں کی چھاتی میں جاری کر دیں۔ پھر پیدائش کے بعد اُسے ماں کی گود اور باپ کی آغوش عطا فرمائی۔ ذرا بڑا ہُوا۔ تو سائیکل۔ تانگے۔ گھوڑے۔ اور پھر جو اور ترقی کر لی تو موٹریں، لاریاں، بحری جہاز اس کے لئے مہیا فرما دیئے۔ حتٰی کہ مرنے کے بعد بھی خدا نے اس کی یوں قدر فرمائی۔ کہ میرا بندہ عمر بھر سواریوں پر سوار ہی رہا۔ اب مرنے کے بعد اسے قبرستان تک بھی چار آدمیوں کے کندھوں پر سوار کرکے ہی لایا جائے۔ چنانچہ سوار ہی گیا۔ اور دفن ہُوا۔ افسوس صد افسوس کہ ایسے محسنِ حقیقی و ربّ منعم کو بھلا دیا جائے؟ یاد رکھئے!

اڑاؤ عیش کرو عشرتیں بہشت پھولو!
پھرو جہاز میں موٹر کی گود میں جھولو!
اڑو بلندی پہ اتنا فلک کو بھی چھُو لو!
خدا کے واسطے لیکن خدا کو مت بھُولو!

جوتے نے کیا کہا

ایک بزرگ کا جوتا پرانا ہو گیا۔ انہوں نے اسے اتار کر پھینک دیا۔ اللہ والوں سے ہر چیز بات کر لیتی ہے۔ چنانچہ جوتا بولا۔ اور ان سے کہنے لگا۔ جناب آپ نے مجھے کیوں اتار کر پھینک دیا؟ وہ بولے۔ کہ واہ صاحب واہ! ایک ذلیل و حقیر شے ہو کر مجھ سے خطاب؟ خاموش رہ اے جوتے! جوتا بولا۔ ذرا سنئے حضور! میں اگر ذلیل بھی ہُوا۔ تو اس لئے، کہ آپ کا جوتا ہوں۔ اگر آپ کے استاد یا پیر و مرشد کا جوتا ہوتا۔ تو قبلہ آپ مجھی کو سر پر اٹھاتے۔ آنکھوں سے لگاتے۔ تو یہ حقارت و

ذلت بھی تو مجھ ہیں آپ ہی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ یہ طعنہ سن کر اس بزرگ کی ندامت کا ٹھکانا نہ رہا۔ بولے اچھا۔ بولو! کیا کہنا چاہتے ہو؟ جوتا بولا۔ صرف اتنی بات کہ آپ نے جس مقصد کے لئے مجھے خریدا۔ میں نے وہ مقصد آپ کا پورا کیا۔ آپ کا پیر اگر ٹیڑھا ہوا۔ ہیں نے آپ کے پیر کی خاطر اپنے آپ کو ٹیڑھا کر لیا۔ آپ کانٹوں ہیں گئے۔ میں نے خود کانٹے کھائے۔ مگر آپ کے پیر کو بچایا۔ نجاست ہیں گئے۔ خود نجاست ہیں لتھڑا۔ مگر آپ کے پیر کو نجاست سے بچایا۔ ذرا آپ بھی غور کیجئے کہ کیا جس مقصد کے لئے آپ پیدا کئے گئے۔ کیا آپ نے بھی وہ مقصد پورا کیا؟ اگر کیا تو بہتر۔ ورنہ آپ سے تو ہیں ہی اچھا رہا۔ یہ سن کر اس بزرگ کی چیخ نکل گئی۔

حضرات! اس حکایت سے نتیجہ یہ نکلا کہ انسان اگر عبادت الٰہی سے غافل ہے۔ تو ایسا شخص ایک جوتے سے بھی بدتر ہے۔ یاد رکھئے! ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اور انسانیت نام ہی خدا کی عبادت کا ہے۔ عبادت سے جو غافل ہے۔ وہ برائے نام انسان ہے اور اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کا مصداق۔

مشین کا پُرزہ

دیکھئے! کسی مشین کا پرزہ جب تک وہ اپنی جگہ پر رہ کر وہ کام دیتا رہے۔ جس کام کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔ تو وہ اپنی حیثیت قائم رکھیگا۔ بہت بڑی قیمت پائیگا۔ مالک کی نظر میں اس کی قدر و وقعت ہوگی۔ مگر جب کہ وہ اپنی جگہ پر پورا ہی نہ آئے۔ اور جس کام کے لئے اسے بنایا گیا ہے۔ وہ کام ہی نہ دے سکے۔ تو آپ جانتے ہیں۔ اس پرزہ کا کیا حشر ہوتا ہے۔ مالک کی نظروں ہیں اس کی کوئی وقعت باقی نہیں رہ جاتی وہ اسے چاہے وہ چار سو کا ہی کیوں نہ ہو۔ چار روپیہ پر بھی کباڑیوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ اور یا پھر یونہی پھینک دیتا ہے۔ سمجھے آپ؟ یہ اس قیمتی پرزے کی اہمیت کم کیوں ہو گئی؟ اتنا بڑا قیمتی پرزہ اتنا سستا کیوں ہو گیا؟ محض اس لئے کہ اس نے اپنا مقصد پورا کرنے سے

جواب دے دیا۔ تو اسی طرح یاد رکھئے۔ حضرات! جب تک مسلمان اپنے مقصد حیات کو نہیں بھولا۔ عبادتِ الٰہی میں سرگرم رہا۔ اس وقت تک خدا نے بھی اس کی عزت و شرافت، بلندی و عظمت برقرار رکھی۔ اس نے جب میدان میں ایک قدم بھی اٹھایا۔ خدا نے اس کے ایک قدم اٹھانے کی قیمت میں بڑے بڑے ملک اس کے زیرِ قدم کر دیئے۔ اس نے اپنی گردن خدا کے آگے جھکا دی۔ خدا نے بڑے بڑے سرکش شہنشاہوں کو اس کے آگے جھکا دیا۔ وہ یادِ الٰہی میں روتا رہا۔ اپنے دل میں یادِ حق کو راہ دی۔ خدا نے خشک پہاڑوں سے اس کے لئے چشمے بہا دیئے۔ اور سمندروں میں اس کے لئے راہ پیدا فرما دی۔ ایسے ہی مسلمانوں کے لئے شاعر لکھتا ہے ؎

مسلماں وہ مسلماں تھے کہ میداں میں نکل آئے
تو کسریٰ اور اس کے ساتھ قیصر کو کچل آئے
جہاں پہنچے زمیں کو آسماں سے کر دیا اونچا
جہاں ٹھہرے در و دیوار کا نقشہ بدل آئے
سمندر میں بھی ان کی دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں پر بھی اُن کے فیض کے چشمے اُبل آئے

مگر آج مسلمان اپنے مقصد کو بھول چکا۔ غور تو فرمائیے مسلمان عبادت کے لئے ہے۔ مگر مسجد میں اس کا دل نہیں لگتا۔ گویا یہ ایک ایسا پرزہ ہے جو اپنی جگہ پر فٹ ہی نہیں بیٹھتا۔ اور جس کام کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہ کام ہی نہیں دیتا۔ حالانکہ اسے عبادتِ الٰہی کے مقام پر خوب روانی سے چلنا چاہیئے تھا۔ مگر افسوس کہ نئی تہذیب کی رگڑ نے اس پرزہ کے اسلامی دندانے توڑ پھوڑ کے رکھ دیئے۔ اور اسے گھسا و سا کر مقاماتِ عبادت کے لئے رہنے ہی نہ دیا۔ اب یہ پرزہ بجائے مسجد کے سینما میں فٹ بیٹھتا ہے۔ بجائے کعبہ کے لندن کے چکر کاٹتا ہے۔ اور بجائے اسلام کے کفر کے گرد گھومتا ہے۔ اسی حالت کا نقشہ اکبر الٰہ آبادی نے ان اشعار میں کھینچا ہے ؎

بتوں سے میل خدا پر نثار یہ خوب کہی
شب گناہ و نماز سحر یہ خوب کہی
فٹن نفیس سڑک خوشنما ڈنر ہر شب
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی

اور اس حالت کا جو نتیجہ نکل سکتا ہے۔ وہ نکلا اور ہم خدا کی نظروں سے گر گئے۔ ہماری کوئی قدر و قیمت نہ رہی۔ کوڑیوں کے مول بکنے لگے ہمارا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ اور یہ سب اپنی ہی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ آیئے ہم پھر سچے مسلمان بن جائیں۔ خدا کی عبادت میں سرگرم ہو جائیں۔ ہر حال میں اُسے نہ بھولیں، پھر دیکھئے۔

یادِ او گر مونسِ جانت بود!
ہر دو عالم زیر فرمانت بود!

ایک مثال

میرے بھائیو! جب یہ معلوم ہوا۔ کہ انسان کو عبادت کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے۔ اور خدا کی بندگی اس کی ڈیوٹی ہے۔ تو جو شخص اپنے اس فرض کو نہ پہچانے اور اپنی ڈیوٹی سے غافل رہے۔ اس کا جو ہولناک انجام ہو سکتا ہے۔ اس کی تشریح کے لئے یہ مثال ملاحظہ فرمایئے۔

ایک آدمی ایک بچھڑا خریدتا ہے۔ مقصد اس کا یہ ہے۔ کہ یہ بڑا ہوگا تو اس سے میں ہل جوتنے کا کام لوں گا۔ اسی خیال سے وہ اسکی خوب خاطر کرتا ہے۔ اُسے کھلاتا پلاتا ہے۔ اور اس کی ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے مگر وہ بچھڑا خوب جوان ہوا۔ اور مالک نے اُسے ہل پر جوتنا چاہا۔ تو اس بچھڑے نے جو اب بیل بن چکا ہے۔ ہل کے آگے جتنے سے انکار کر دیا۔ اور مالک کی خدمت سے منہ پھیر لیا۔ تو فرمایئے۔ اس کا مالک اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ سب جانتے ہیں۔ کہ ایسے نکمے بیل کو اس کا مالک قصائیوں کے حوالے کر دے گا۔ جو اس کی گردن پر چھری پھیر دینگے بلا تشبیہہ خوب یاد رکھیئے۔ کہ وہ انسان جسے اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا۔

اور اس کو خوب کھلایا پلایا۔ اور اس کی ہر ضرورت کو پورا فرمایا۔ اور پھر اس کے ذمہ یہ خدمت لگائی۔ کہ تم میری بندگی کرو۔ تو اب جو شخص اس کی بندگی سے انکار کر دے۔ تو فرمائیے۔ وہ مالک حقیقی ایسے شخص پر کب راضی ہوگا؟

میرے بھائیو! ایسے شخص کے لئے بھی اللہ نے ایک گھر مقرر فرمایا ہے جسے دوزخ کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے شخص کو دوزخ کے حوالہ کر دیگا۔ اور اسے اپنے کئے کی وہاں سزا بھگتنی پڑے گی۔

عذاب سے پناہ مانگو

میرے دوستو! خدا کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اسکے عذاب سے پناہ مانگو۔ مگر افسوس کہ بعض ناعاقبت اندیش اس موقعہ پر کہہ دیتے ہیں۔ کہ خدا جہاں چاہے۔ ہمیں بھیج دے۔ ہم خوش ہیں۔ توبہ! توبہ! میرے عزیزو! اتنی دلیری نہ کرنی چاہیئے۔ اس کے عذاب سے ہر وقت ڈرنا چاہیئے۔ اور کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہیئے۔ جو ہمارے لئے موجب عذاب ہو۔ خدا کے عذاب کی ہم میں پل بھر کے لئے بھی قوت برداشت نہیں ہے۔ پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے۔ کہ ہم گویا اس کے عذاب کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اور یوں کہہ دیتے ہیں۔ کہ بھیج لے وہ ہمیں جہاں چاہے۔ استغفر اللہ العظیم!

ایک چھوٹے لڑکے کا خوف

ہم تو اس بچے سے بھی گئے گزرے جو اللہ کے عذاب کی ہیبت سے رو رہا تھا۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ایک بار شہر سے باہر نکلے۔ تو آپ نے دیکھا۔ ایک چھوٹی عمر کا لڑکا باہر جنگل میں بیٹھا رو رہا ہے۔ حضرت نے اس سے دریافت فرمایا۔ بچے کیوں رو رہے ہو؟ وہ بولا۔ حضور! میں خدا کے عذاب کے ڈر سے رو رہا ہوں۔ فرمایا۔ وہ کیا خوف ہے تمہیں؟ وہ بولا۔ آج معلم نے مجھے قرآن کی یہ آیت پڑھائی ہے۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ۔ "اس آگ سے ڈرو۔ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں"۔

اس آیت میں اللہ نے انسانوں کو بھی دوزخ کا ایندھن بنایا ہے۔ تو حضور مجھے ڈر اس بات کا ہے۔ کہ میں اپنی ماں کو دیکھتا ہوں جب وہ چولہے میں آگ جلاتی ہے۔ تو موٹی موٹی لکڑیاں چولھے میں رکھتی ہے۔ اور اگر ان موٹی موٹی لکڑیوں کو آگ نہ لگے۔ تو ان کے نیچے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھ دیتی ہے۔ تاکہ ان چھوٹی لکڑیوں کے ذریعہ ان بڑی لکڑیوں کو آگ لگ جائے۔ تو میں اس لئے رو رہا ہوں۔ کہ دوزخ میں اگر اللہ نے بڑے بڑے کافر ڈالے۔ اور ان کو آگ نہ لگی۔ تو کہیں اللہ تعالیٰ میرے جیسے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو دوزخ میں نہ ڈالدے"؟

یہ سن کر حضرت بایزید بہت روئے اور فرمایا۔ بیٹیا! تمہاری اس عاقبت اندیشی کا کیا کہنا۔ انشاء اللہ تم عذابِ الٰہی سے محفوظ رہوگے۔

میرے بھائیو! دیکھو اس چھوٹی عمر کے لڑکے کا خوفِ حق، اور ایک ہم ہیں۔ کہ کچھ پرواہ ہی نہیں۔ اس کا رونا دیکھو کہ اللہ کے عذاب کے ڈر سے وہ رویا۔ اور سوچو کہ کیا کبھی ہم بھی خدا کے ڈر سے روتے ہیں؟

اللہ سے ڈر کر رونا

مولانا رومی علیہ الرحمتہ پھر ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند
میل مارا جانبِ زاری کند

جب خدا ہماری مدد فرمانا چاہتا ہے۔ اور ہم پر رحم فرمانا چاہتا ہے۔ تو ہمارا میلان رونے کی طرف کر دیتا ہے۔ یعنی بندہ جب خدا سے ڈر کر روتا ہے۔ تو اللہ کی اس رحمت نازل ہونے لگتی ہے۔ ؎

اے خنک چشمے کہ آں گریانِ اوست
وے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست
ہر کجا آبِ رواں سبزہ بود
ہر کجا اشکے رواں رحمت بود

جہاں پانی جاری ہوتا ہے۔ وہاں پھول اور سبزہ اگتا ہے۔ اور جہاں آنسو بہیں وہاں اللہ کی رحمت برستی ہے۔

میرے بھائیو! غور کرو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ خدا کا عذاب بڑا زبردست اور ایسا ہے۔ کہ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ کے بندے وہ ہیں۔ جو اللہ سے ڈریں اور اس کے آگے جھک جائیں۔ دیکھئے ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیت سنی۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ۔

فاروق اعظم کا خوف

آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ قاری سے یہ آیت سنتے ہی خدا کے خوف سے غش کھا کر سواری سے گر گئے۔ لوگ آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے۔ اور بڑی دیر کے بعد جب آپ ہوش میں آئے تو رونے لگے۔ اسی طرح اللہ والے اس قسم کی آیات سنتے ہی اس قدر متأثر ہوتے کہ رونے لگتے تھے۔ اور خدا سے پناہ مانگنے لگتے تھے۔ دوستو! یہ قرآن پاک کی تاثیر ہے۔ کہ یہ دلوں میں اتر جاتا ہے اور اپنا اثر دکھانے لگتا ہے۔ خدا نے قرآن میں اپنی کتاب کے لئے فرمایا ہے۔ کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل فرماتے۔ (لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللهِ) تو تم پہاڑ کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔

لطیفہ

اس موقعہ پر ایک لطیفہ مجھے یاد آگیا۔ کہتے ہیں۔ ایک انگریز کسی شہر کی ایک مسجد میں جا پہنچا۔ وہ مسجد بڑی شکستہ تھی۔ اور جگہ جگہ سے اس کی دیواریں پھٹی ہوئی تھیں۔ انگریز نے نمازیوں سے کہا۔ کہ تم لوگ ہمارا گرجا دیکھو۔ تو حیران رہ جاؤ۔ بڑی مضبوط عمارت، اور پختہ دیواریں ہوتی ہیں۔ مگر تمہاری مسجد کا یہ حال ہے۔ کہ شکستہ اور جگہ جگہ سے دیواریں پھٹ رہی ہیں۔ ایک نمازی نے جواب دیا — صاحب! ہماری کتاب قرآن کی یہ شان ہے کہ وہ اگر کسی پہاڑ پر نازل ہوتا۔ تو وہ پہاڑ پھٹ جاتا۔ تو اس مسجد میں چونکہ وہی قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی دیواریں اس کی تاثیر سے پھٹ گئی ہیں۔ تمہاری موجودہ انجیل میں اتنی طاقت کہاں؟ کہ وہ گرجا کی دیواریں پھاڑ سکے۔

بہرحال اگرچہ یہ ایک لطیفہ ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ کہ قرآن پاک، بڑی طاقت کا مالک ہے۔ مگر افسوس کہ آجکل کے ہمارے دل پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں۔ کہ ہم پر تخویف تعذیب کا اثر ہی نہیں ہوتا۔

میرے بھائیو! اس پرفتن زمانے میں ہمارے اعمال کچھ ایسے ہو چکے ہیں۔ کہ ان کی شامت سے آئے دن ہم پر اللہ کے عذاب پر عذاب آنے لگے ہیں۔ آپ اخبارات کا مطالعہ کیجئے۔ کہیں زلزلے آ رہے ہیں۔ کہیں پانی اپنی تیزی و افراط سے ہمیں برباد کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہی اعمال کی شامت ہے۔ ؎

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ مرا احوال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

دوستو! خدا کسی پر ظلم نہیں فرماتا۔ وہ عادل ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ ہمارے اپنے کئے کا پھل ہے۔ گذشتہ دنوں جو ہولناک سیلاب آیا ہے۔ سب یہ کہتے ہیں۔ کہ اس قسم کا سیلاب کبھی نہیں آیا تھا۔ مگر یہ بھی سوچا۔ کہ جو کچھ ہم اب کرنے لگے ہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ یہ دغا۔ مکر و فریب۔ جھوٹ۔ بلیک۔ رشوت۔ شراب اور زنا کس بات کو آج اختیار نہیں کر لیا گیا۔ ناچ گھر اور سینما تھیٹر آباد ہو رہے ہیں بے حیائی و بے دینی کو ایک مستقل مشغلہ بنا لیا گیا ہے۔ خدا سے منہ موڑ کر شیطان سے رشتہ جوڑ لیا گیا ہے۔ دین و مذہب سے بیزاری عام ہے۔ بے ایمانی و بے غیرتی سے ہی کام ہے۔ اپنے فلسفے اور اپنی عقل و سائنس پر اعتماد ہے۔ خدا پر نظر ہی نہیں۔ وہ جو پنجابی میں کہتے ہیں ناکہ "ربّ نیڑے ہے کہ گھسُنّ" یعنی رب نزدیک ہے یا گھونسا؟ تو روشِ حال کے مدنظر اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ گھونسا نزدیک ہے گویا موجودہ ملحدانہ زمانہ بس گھونسے ہی کو مانتا ہے۔ تو اس بات کے پیشِ نظر میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ بھی اب اپنے عذاب کے گھونسوں

سے ہمیں متنبہ فرمانے لگا ہے۔ اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ ایک سیلاب بھی ہے۔ سیلاب کیا ہے۔ پانی کی ایک زبردست رو ہے۔ جو ہمیں غرق کرنے کے لئے آئی ہے۔ (ور پانی کیا ہے؟ یہ ہمارا نوکر ہے۔ جو ہمارے ہاتھ پیروں کی میل دور کرتا ہے۔ ہمارے کپڑے دھوتا ہے۔ ہماری غلاظتوں کو دھوتا ہے۔ مگر جب کوئی لڑکا نالائق نکلے۔ تو بعض اوقات باپ اپنے نالائق بیٹے کو نوکروں سے پٹواتا ہے۔ میرے بھائیو! اللہ اب ہم نالائقوں کو ہمارے ہی نوکروں سے پٹوانے لگا ہے۔ یہ پانی گلاس میں آئے۔ تو ہم اسے پی لیں۔ مگر اب اللہ کا اسے یہ حکم ہے کہ اے پانی تو ان نالائقوں کو پی جا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔

اللہ کی فوج

آج اس مادی دور میں لوگوں کو اپنی دنیاوی طاقت و قوت پر بڑا ناز ہے۔ اور ہر حکومت اس بات پر فخر کرتی ہے۔ کہ میرے پاس اتنی فوج ہے۔ اتنے ٹینک ہیں۔ اتنے بم ہیں۔ مگر یاد رکھیئے۔ اس احکم الحاکمین کا اپنی فوج کے متعلق ارشاد ہے۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ یعنی اللہ کے لشکر کی تعداد اللہ ہی جانے۔ اسکا اتنا لشکر اور اتنی فوج ہے کہ انسانی شمار میں آ ہی نہیں سکتی۔

مچھر اور مکھیاں

آج کل نئی دنیا کو اس امر پر بڑا ناز ہے کہ ہم ہر ملک کی آبادی کو جانتے ہیں۔ کہ اس ملک میں آدمی کتنے ہیں۔ اور ان میں سے مرد کتنے اور عورتیں کتنی ہیں۔ پھر کس کس مذہب کے اور کس کس تعداد میں ہیں۔ حتیٰ کہ امریکہ کے بعض شہروں میں گھوڑوں اور کتوں کا شمار بھی ہوتا ہے۔ مگر میں یہ کہتا ہوں۔ اگر اتنا ہی اپنے اس کارنامے پر ناز ہے۔ تو اسی طرح کبھی کسی ایک ملک کی مکھیاں بھی گن کر دکھاؤ۔ مچھر بھی شمار کرکے بتاؤ۔ چلو سارے ملک کی نہ سہی کسی ایک شہر کی۔ شہر کی بھی نہ سہی صرف اپنے گھر ہی میں بتاؤ۔ کہ کتنی مکھیاں ہیں۔ اور کتنے مچھر ہیں؟ یہ جب ٹڈی دل آ جاتا ہے۔ اس وقت بھی گن کر بتایا ہوتا۔ تو یہ مکڑیاں کتنی تعداد میں آئی ہیں؟

مگر یہ کب ممکن ہے۔ یہ خدا کی فوج ہے۔ اسے اللہ ہی جانے کہ انکی تعداد کیا ہے۔ دیکھئے یہاں سارا علم رکھا رکھایا رہ گیا۔ سب فلسفے بیکار ہوگئے۔ اور اللہ کی کمزور مخلوق مکھی اور مچھر نے انسانوں کو شکست دے دی۔

عاجز انسان

میرے بزرگو! اللہ نے انسان کو اختیار بھی دیئے ہیں۔ مگر ان اختیارات کے ساتھ ساتھ اس کا کبر و غرور توڑنے کے لئے اسے اپنی کمزور ترین مخلوق کے سامنے عاجز بھی بنا دیا۔ دیکھئے ایک مغرور انسان مثلاً ایک پستول لئے ہوئے جا رہا ہے۔ اس کے دائیں بائیں اس کے محافظ کچھ لوگ بڑی بڑی لاٹھیاں بھی لئے ہوئے چل رہے ہیں۔ اب اس مغرور کے غرور کو اللہ نے خاک میں اس طرح ملایا۔ کہ اسکے ناک پر ایک مکھی آکر بیٹھتی ہے۔ وہ ہاتھ سے اسے اڑاتا ہے۔ وہ پھر آ بیٹھتی ہے یہ پھر اسے اڑاتا ہے۔ وہ پھر آ بیٹھتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مغرور انسان عاجز آ جاتا ہے۔ اور مکھی کو شکست نہیں دے سکتا اب اگر غصہ میں آکر وہ اپنے پستول سے ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی پر فائر کرتا ہے۔ تو مکھی تو اڑ جائے گی۔ مگر اس کی اپنی ہی ناک کی خیر نہیں اِدھر مکھی اڑی۔ اُدھر ناک اڑی۔ اس کے محافظ اگر اپنی لاٹھیوں سے مکھی پر دھاوا بول دیتے ہیں۔ تو مکھی کا تو کچھ نہ بگڑے گا۔ وہ آدمی ہی نہ بچے گا۔ گویا خدا نے اس قدر اختیار دیکر پھر اُسے یوں متنبہ فرمایا۔ کہ دیکھ! غرور میں نہ آجانا۔ باوجود اتنے اختیارات کے تو اس قدر عاجز ہے۔ کہ ایک مکھی کے سامنے بھی بے بس ہے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بھائیو! معلوم ہوا۔ کہ مکھی اس لئے بھی پیدا فرمائی گئی ہے۔ کہ یہ مغرور انسان کا غرور توڑے۔ اور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں چونکہ غرور نہ تھا اس لئے حضور کے جسم اطہر پر مکھی بیٹھتی ہی نہ تھی۔

ہاں تو میرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی فوج لاتعداد ہے۔ اسے اللہ ہی جانے تو میرے بھائیو! یہ پانی اس لاتعداد فوج میں سے صرف ایک سپاہی بھیجدیا۔

اللہ کا ایک سپاہی

خدا نے اپنی ساری فوج میں سے صرف ایک سپاہی بھیجدیا۔ اور بھیجا بھی اس طرح کہ نہ تو اسے کوئی بم دیا نہ کوئی تلوار۔ بس نہتے سپاہی کو بھیج دیا۔ اور یہ سپاہی اس طرح آیا۔ کہ ہند و پاکستان کی جملہ فوجیں حیران و پریشان رہ گئیں۔ یہ اللہ کا سپاہی جس طرف بھی گیا۔ فوجیں کی فوجیں بیکار ہوکر رہ گئیں۔ اور اس کا کچھ بگاڑ نہ سکیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَالَہٗ مِنْ دَافِعٍ۔ اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں روک سکتا۔"

ہندوستان کے سپاہی آ جائیں تو بفضل اللہ پاکستان کا مردِ مجاہد انکا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دشمن کا ہوائی جہاز آ جائے تو پاکستان کی طیارہ شکن توپ اُسے گرا سکتی ہے۔ دشمن کا ٹینک آ جائے تو برباد کیا جا سکتا ہے۔ مگر اللہ کا عذاب آ جائے تو پھر کچھ نہیں ہو سکتا۔ سب سپاہی، توپیں اور بم وغیرہ بیکار ہوکر رہ جاتے ہیں۔ فرمایئے۔ یہ پانی آیا ہے۔ تو اسکا ہم نے کیا بگاڑ لیا ہے۔ پانی کو لاٹھیاں مار کر دیکھیئے۔ اسکا کیا بگڑتا ہے۔ بم پھینکیئے، توپیں چلایئے۔ اپنا ہی نقصان ہے۔ اسکا کیا جاتا ہے؟ یہ صرف اللہ کا ایک سپاہی ہے۔ جسکا مقابلہ ناممکن ہے۔ اور انسان باوجود اس قدر صنعتی ترقی اور مادی عروج کے پانی کے سامنے بےبس ہے

دیوار اور کیل

پانی کے سامنے تو کیا۔ در اصل یہ اللہ کا عذاب ہے۔ اور اللہ سے مقابلہ ناممکن ہے۔ عربی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ دیوار نے کیل سے کہا۔ لِمَ تَشُقُّنِیْ؟ اے کیل! مجھے کیوں پھاڑتے ہو۔؟۔ تو کیل نے جواب دیا۔

سَلْ مَنْ یَدُقُّنِیْ — اس سے پوچھو جو میرے سر کو ہتھوڑے سے کوٹ رہا ہے۔ یعنی میرا کیا ہے۔ میں تو بے بس ہوں۔ اسی طرح اس پانی کا کیا ہے۔ یہ تو وہی ہے۔ جو ہمارا نوکر ہے۔ رجوع ہمیں اس ہستی کی طرف کرنا چاہیئے۔ جس کے قبضہ میں یہ پانی ہے۔ وہی ان دریاؤں کو

بصورت عذاب ہم پر مسلط کر رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ اسی لئے ہے۔ کہ ہم اس خالق و مالک کو فراموش کر چکے ہیں۔

غفلت

اب یہی دیکھیئے کہ اس قدر تباہی و بربادی کے بعد بھی ہم نہیں سنبھلے۔ وہی شرارتیں، وہی لہو و لعب، وہی حرکتیں اور وہی غفلتیں ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنی نافرمانیوں کو دیکھیں، کہہ یہ رہے ہیں کہ چونکہ جنگلوں کی کمی ہو گئی ہے۔ اور پانی کے جذب کرنے کو پتے باقی نہیں رہے۔ اس لئے سیلاب آنے لگے ہیں۔ لہذا ہماری حکومت کو جنگلوں کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔ اور اسی طرح ہمارے فیشن ایبل افراد آئندہ کیلئے سیلاب کو روکنے کے مادی منصوبے تیار کر رہے ہیں۔ مگر

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ — اللہ کے عذاب کو کوئی منصوبہ نہیں روک سکتا"

اِبنِ نوح علیہ السلام نے بھی سیلاب سے بچنے کا یہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ کہ سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَاءِ — یعنی میں پانی سے بچنے کے لئے جودی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا تھا۔ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ۔ یعنی اس دن اللہ کے عذاب سے کوئی منصوبہ نہ بچا سکے گا؛ ہاں جس پر اللہ رحم فرمائے۔ !

تو میرے بھائیو! یہ مادی منصوبے بھی تیار کرو۔ مگر اصلی منصوبہ یہ ہے۔ کہ اللہ کو راضی کیا جائے۔ اور اس کے آگے جھکا جائے۔ وہ اپنا رحم فرمائے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ آؤ ہم کوشش کریں کہ خدا کے قہر و غضب کی آگ کو بجھا دیں اور اسکے رحم و کرم کو جوش میں لائیں۔

ندامت کے آنسو

میرے بھائیو! خدا کے قہر و غضب کی آگ بڑی زبردست ہے۔ یہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔ اور جہنم کی آگ ہاویہ کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔ گویا خدا کے غضب کی آگ بڑی ہی زبردست آگ ہے۔ مگر آپ یہ سن کر حیران ہونگے۔ کہ جس قدر یہ زبردست ہے۔ اسی قدر اسکا بجھانا آسان بھی ہے۔ یہ

آگ سات سمندروں کے پانیوں سے نہیں بجھ سکتی۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ؎

اِنَّ دَمْعَۃَ الْعَاصِیْ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ ۔　　(نزہتہ المجالس)

گنہگار کے ندامت کے آنسو غضب الٰہی کی آگ کو بجھا دیتے ہیں"

تو اے میرے بھائیو! خدا کے عذابوں سے بچنے کے لئے اپنے گناہوں سے بصدقِ دل توبہ کرنی چاہیئے۔ اور اشکِ ندامت بہاکر اس کے غضب کی آگ کو بجھا کر اس کی رحمت کو جوش میں لانا چاہیئے۔ یہی وہ مفید کارگر منصوبہ ہے۔ جس پر عمل پیرا ہوکر ہم عذاب ہائے الٰہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

ایک نجومی کی حکایت

میرے بھائیو! یادِ حق سے غفلت اور اپنی بد اعمالیوں کے سبب آج اس پانی کے عذاب کے علاوہ اور دیگر قسم کے عذاب بھی ہم پر نازل ہو رہے ہیں۔ اور اسی صورتِ حالات سے فائدہ اٹھاکر آجکل کے نجومی اور پیشگوئیاں کرنے والے خبطی افراد آئندہ سے متعلق مختلف قسم کی بھیانک اور ڈراونی پیشگوئیاں شائع کر دیتے ہیں اور ضعیف الاعتقاد لوگ ان پر یقین کرکے پریشان ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی بیشتر پیشگوئیاں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ چنانچہ اسی باب کی ایک بہترین حکایت ہے۔ کہ ایک نجومی نے ایک بادشاہ کا ہاتھ دیکھکر اسے یہ کہہ کر ڈرایا۔ کہ آپ کی عمر صرف آٹھ دن باقی رہ گئی ہے۔ اور آپ آٹھ دن کے بعد مرجائیں گے۔ بادشاہ یہ پیشگوئی سنکر کانپ اٹھا۔ اور بے حد متأثر ہوا۔ حتیٰ کہ اسی وقت مرنے کے قریب ہوگیا۔ وزیر نے جو صورت دیکھی تو نجومی سے کہنے لگا۔ کہ تم ذرا اپنا ہاتھ تو دیکھو۔ اور اپنی عمر کا تو حساب لگاؤ۔ کہ تمہاری عمر کتنی باقی ہے؟ نجومی نے اپنا ہاتھ دیکھا اور بتایا۔ کہ میں ابھی چالیس سال اور زندہ رہونگا۔ وزیر نے یہ بات سن کر اسی وقت تلوار نکالی۔ اور وہیں اس کا سر قلم کر دیا۔ اور پھر بادشاہ سے کہا۔ دیکھا آپ نے اس کی پیشگوئی کا حشر؟ کہ چالیس سال زندہ رہنے والا ابھی ابھی آپ کے سامنے مرگیا۔ تو آپ کے متعلق بھی اسکی پیشگوئی

اسی قسم کی ہے۔ یعنی جس طرح اپنے متعلق اس کی پیشگوئی غلط نکلی ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق بھی اس کی پیشگوئی غلط ہی ہے۔ وزیر با تدبیر کی حکمت کارگر ہوگئی، اور بادشاہ کا خوف وہراس دور ہوگیا۔ اور اسکی حالت سنبھل گئی۔

میرے بزرگو! اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور اپنی غفلت اور بد اعمالیوں کی پاداش میں مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا ہے اور یہ نجومی اسی بات سے فائدہ اٹھاکر طرح طرح کی بیجا پیشگوئیاں شائع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور اگر ہمارا رنگِ کردار یہی رہا۔ تو آئندہ بھی ممکن ہے۔ کہ عذابِ الٰہی بدستور نازل ہوتے رہیں۔ مگر بجائے اسکے کہ ہم کسی عذاب کی پیشگوئی کریں۔ اخباروں والے اُسے چھاپ دیں۔ اور ہم اس کا چرچا کرتے پھریں۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم آئندہ کے لئے اپنی بداعمالیوں سے سچے دل سے توبہ کریں۔ اور شرم و ندامت کے آنسوؤں سے اللہ کے غضب کی آگ بجھائیں۔ بھائیو! اگر ہم اس طریقے کو اپنا لیں۔ اور اپنے یقین و ایمان کی صحت کے بعد اپنے عمل وکردار کی درستگی کا عزم کرلیں۔ تو پھر دیکھئے۔ کہ ان عذابوں سے نجات ملتی ہے یا نہیں۔ اور جو جو عذاب آنے والے ہیں۔ وہ بھی ٹلتے ہیں یا نہیں خوب یاد رکھیئے۔ یہ دنیا کی آگ ستر ہزار بار جہنم کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔ اور جہنم کی آگ ستر ہزار مرتبہ طبقہ ہاویہ کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔ الامان و الحفیظ! تو غور فرمایئے۔ کہ اللہ کے غضب کی آگ کس قدر تیز ہے مگر لاکھوں درود و سلام رحمتِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ جنہوں نے اتنی بڑی تیز آگ کو بجھانے کا ایک سہل نسخہ ارشاد فرما دیا۔

غضبِ الٰہی کی آگ بجھانے کا نسخہ

فرمایا — اِنَّ دَمْعَةَ الْعَاصِیْ تُطْفِیْ غَضَبَ الرَّبِّ۔ گنہگار کے ندامت کے آنسو غضبِ الٰہی کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔"

دیکھا آپ نے اتنی بڑی زبردست آگ جو سارے سمندروں کے پانیوں

سے بھی نہ بجھ سکے۔ گنہ گار کے آنسوؤں سے بجھ جاتی ہے۔ تو بھائیو! ان عذابوں سے بچنے کے لئے اللہ کی یاد اختیار کرو۔ اور غفلت و نافرمانی کو چھوڑ دو!

قوم یونس علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ مذکور ہے۔ کہ جب انکی بداعمالیوں کے سبب ان پر عذاب آنے لگا۔ اور انہوں نے دیکھا کہ آسمان پر سیاہ بادل اور ہیبتناک دھواں چھا گیا ہے۔ اور سارا شہر اس ہولناک دھوئیں میں گھر گیا ہے۔ تو وہ لوگ اپنی بیوی، بچوں اور جانوروں سمیت جنگل میں نکل گئے۔ اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں جھک گئے۔ اور شرم و ندامت کے آنسوؤں سے توبہ و سلام کا اظہار کیا تو خدا فرماتا ہے۔

لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۔ (پ ع ۱۵) جب ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی سے ہٹا دیا۔ اور ایک وقت تک انہیں برتنے دیا"

حضرات! اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا۔ کہ انسان جب اپنی غفلت کا اقرار کرکے سچے دل سے تائب ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر آنے والے عذاب کو ہٹا لیتا ہے۔ اور اُسے معاف فرما دیتا ہے۔ میرے بھائیو! اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ گنہگار سچے دل سے توبہ تو کرے۔ پھر دیکھیے۔ خدا تعالےٰ کی رحمت کس طرح اُسے اپنی آغوش میں لیتی ہے۔

پیر چنگی کی حکایت چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے ایک گویئے کی حکایت لکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ آپ کے زمانہ میں ایک گویا تھا۔ جو بڑی سریلی آواز رکھتا تھا۔ جب وہ چنگ و رباب بجاتا اور گاتا تھا۔ تو سننے والوں پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس گویے کا بڑا چرچا اور شہرہ تھا۔ ہر پیر و جوان اس کا شائق تھا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ جب یہ

گویا بوڑھا ہو گیا۔ تو اس کی آواز بھی باقی نہ رہی۔ اور وہ سریلا پن بھی جاتا رہا۔ جب وہ جوان رہا۔ اس کی آواز و سریلا پن بھی قائم رہا۔ مگر جب بڑھاپا آگیا۔ تو وہ بات نہ رہی۔ مولانا رومی کے فارسی اشعار کا اردو منظوم ترجمہ سنیئے! فرماتے ہیں۔

کہنہ سالی میں نوا سازی گئی
دانت ٹوٹے اور خوش آوازی گئی
ناز اس کے جو اٹھاتے تھے کبھی
اب نہ دیتے بھول کر اِک نان بھی

اس عالم میں جب وہ گویا بھوکا مرنے لگا۔ اور اس کا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ تو اس کا دھیان رب کی طرف گیا۔ اور سچے دل سے اپنے رازق حقیقی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور رو کر عرض کرنے لگا۔ ؎

رویا اور کہنے لگا یوں اے خدا
مدتوں تک تجھ سے میں بھاگا پھرا
سر کے بالوں میں سفیدی آگئی
چہرے پر میرے سیاہی چھا گئی
کھوئے عصیاں میں گئے ستر برس
اب نہیں باقی گناہوں کی ہوس
عیب میں کرتا رہا بے باک خوب
تو رہا ستار۔ ستّار العیوب
نفس نے ہر آن جرأت دی مجھے
اتنے دن تو نے بھی مہلت دی مجھے
لطف میں کوئی کمی تو نے نہ کی
رزق کی تکلیف اِک دن بھی نہ دی

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اس گویئے نے روتے ہوئے سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کر لیا۔ اور پھر دنیا سے کنارہ کش ہو کر جنت البقیع (مدینہ منورہ کا

قبرستان) کیطرف چل دیا۔ اور وہاں پہنچ کر بھی بہت رویا۔ اور روتے روتے پھر ایک قبر کے ساتھ تکیہ لگا کر سو گیا۔ اِدھر تو یہ سویا اور اُدھر سے

حضرتِ فاروق تھے مصروفِ کار
نیند آئی زور کر کے ایک بار
دل کو اپنے کام میں ڈالا بہت
ہر طرح سے نیند کو ٹالا بہت
ہو گئے مصروفِ کار آخر عمر!
کچھ نہ تن من کی رہی اُن کو خبر!
خواب میں اُن کو کسی نے یہ کہا
ہے بقیع پاک میں اِک "باخدا"
سات سو دینار جا کے اس کو دے
اس کی دل جوئی بھی کر ہر طور سے!

مسلمانو! دیکھو اللہ کی رحمت کا جوش۔ کہاں وہ ایک گنہگار گویا، اور کہاں اللہ کے برگزیدہ اور مقبول بندے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ اس گویے کے لیئے حضرت فاروق کا حکم ہو رہا ہے۔ کہ اٹھ اور اُسے سات سو دینار دے کر آ۔ اور پھر یہ کہ وہ گنہگار گویا اب وہ گنہگار نہیں رہا۔ بلکہ اُسے "باخدا" کا خطاب مل رہا ہے۔ سبحان اللہ! ایک ہی بار سچے دل سے توبہ کرنے سے رحمت حق نے اُسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھا۔ تو آپ اٹھے اور سے

وہ اسی دم لے کے ہمیانی گئے
اور قبرستان میں پھرتے رہے
پیر چنگی ایک تھا سویا ہوا
اور وہاں اس کے سوا کوئی نہ تھا
دل میں وہ شبیر خدا کہنے لگا

پیر چنگی اور پھر ہو با خدا؟

حضرت فاروق اعظم جنت بقیع میں اس گوئیے کے سوا کسی دوسرے کو نہ پاکر بڑے حیران ہوئے۔ اور دل میں سوچنے لگے۔ کہ گویا باخدا کیسے ہو سکتا ہے۔؟ پھر سوچا کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ اور خدا بڑا بے نیاز ہے۔ کیا عجب کہ اللہ نے اسے ہی اپنا مقبول بنا لیا ہو۔ یہ سوچ کر ؎

بیٹھے اس کے سامنے باصد ادب
اور تعظیماً نہ کھولے اپنے لب
ناگہاں اک چھینک اُن کو آ گئی
آنکھ جس سے پیر چنگی کی کھلی
دیکھ کر فاروق کو بیٹھا ہوا
خوف سے وہ پیر چنگی کانپ اٹھا

اس گوئیے نے جب اپنے سرہانے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بیٹھا ہوا پایا۔ تو خوف سے کانپ اٹھا۔ اور سوچنے لگا۔ کہ میرے گانے اور رباب و چنگ کے باعث، فاروق اعظم شاید مجھے سزا دینے آئے ہیں مسلمانو! ذرا اس نظارے کو دیکھنا۔ فاروق اعظم وہ فاروق اعظم جن کی ہیبت کے ڈنکے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں بج رہے ہیں۔ آج وہی فاروق اعظم بڑے ادب کے ساتھ ایک گوئیے کے حضور بیٹھے ہیں۔ گویا ڈر رہا ہے۔ کہ فاروق اعظم شاید مجھے سزا دینے آئے ہیں۔ مگر وہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم نے اس سے فرمایا بڑے میاں! مجھ سے ڈرو مت! ؎

مژدہ تیرے دوست کا لایا ہوں میں
صرف خدمت کے لئے آیا ہوں میں

اللہ اکبر! فاروق اعظم اور اس پیر چنگی کی خدمت! دیکھا آپ نے! رحمتِ حق نے کیا کرشمہ دکھایا۔ حضرت فاروق نے پھر کہا ؎

حق تعالیٰ تجھ کو کہتا ہے سلام
یہ صلہ بھیجا ہے تم کو اور پیام
لے جلد ہیں یہ رقم اور خرچ کر
ہو چکے گی جب تو دے گا پھر عمرؔا
کر توکل ہم پہ اور گا ذوق سے
ہم سنیں گے چنگ اے بندے مرے

سبحان اللہ! سبحان اللہ! خدا فرماتا ہے۔ اے گویئے تو ہم پر توکل رکھ۔ اور گا۔ تیرا گانا اور یہ چنگ و رباب ہم سنیں گے۔ دیکھا آپ نے خدا کی رحمت نے کس طرح اس کو ڈھانپ لیا۔ اور وہ کس طرح اس کی ڈھارس بندھا رہی ہے۔ اللہ کے اس رحمت بھرے پیام کا نتیجہ یہ نکلا سے

یہ بشارت پیر چنگی نے سُنی
گر کے سجدے میں خدا سے عرض کی
یا الٰہی! شکر تیرا زینہار
کر نہیں سکتا یہ عاصی شرمسار
شک نہیں بندہ نوازی میں تری
بندگی میں گو ہوئی مجھ سے کمی
عمر کھوئی چنگ بازی میں تمام
بھول کے گاہے لیا نہ تیرا نام
زندگی کی اب نہیں مجھ کو ہوس
آرزو ہے میرے دل کی اب یہ بس
قید دنیا سے مجھے آزاد کر!
روح کو رحمت سے اپنی شاد کر!
ہو گئی اس کی دعا تیر ہدف
گوہر جاں نے کیا خالی صدف

جان دی سجدہ میں حق کو یاد کر
خاتمہ اس کا ہوا ایمان پر

بھائیو! اس حکایت کو لکھ کر مولانا رومی نے جو نتیجہ بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے سہ

گر رہے گا روز و شب تو اشکبار
رحم فرمائے گا تجھ پر کردگار
کام واں آتی نہیں ہے کوئی شے
بجز زاری کی فقط واں پوچھ ہے

تو میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! توبہ کرو اور اللہ کی طرف سچے دل سے رجوع کرو۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی رحمت کا مینہ برساتا ہے۔ اور کس طرح فضل و کرم فرماتا ہے۔ میں آپ سے کہہ رہا تھا۔ کہ خدا کی عبادت اور اس کی یاد یہ بڑی اہم اور ضروری چیز ہے۔ اور آج جس قدر ہم پہ عذاب آ رہے ہیں۔ یہ سب اسی یادِ حق کو چھوڑ دینے کے نتائج ہیں۔ اللہ کی یاد سے بڑے بڑے عذاب ٹل جاتے ہیں۔ اور آدمی اللہ کی حفاظت و رحمت میں آ جاتا ہے۔ یہ جو ہر سال ہم پہ پانی کا سیلاب آ جاتا ہے۔ اور ہزاروں جانیں اور لاکھوں کا مال تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ ایسے دیکھو اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کا طوفانِ عظیم اور اس میں ایک خدا یاد بڑھیا کا قصہ سنو!

طوفانِ نوح اور ایک بڑھیا

حضرت نوح علیہ السلام کے وقت ایک خدا یاد بڑھیا تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب بحکم الٰہی کشتی بنانا شروع کی۔ تو اس بڑھیا نے حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ آپ یہ اتنی بڑی کشتی کیوں بنا رہے ہیں؟ فرمایا! کہ ایک بہت بڑا طوفان اور سیلاب آنے والا ہے۔ اس طوفان میں بجز ان مومنین کے جو میری اس کشتی پر سوار ہوں گے اور کوئی نہ بچ سکے گا بڑھیا نے عرض کی۔ حضور! جب طوفان آئے۔ تو مجھے بھی خبر کیجئے گا۔

اور اپنے ساتھ کشتی پر چڑھا لیجئے گا۔ فرمایا۔ اچھا! اس کے بعد جب سیلاب عظیم آیا۔ تو دنیا بھر میں پانی ہی پانی ہو گیا۔ بڑے بڑے پہاڑ پانی میں ڈوب گئے۔ اور سارے کافر اس طوفانِ عظیم میں غرق ہو گئے۔

اس طوفانِ عظیم میں حضرت نوح علیہ السلام کی ہی ایک کشتی تھی۔ جو محفوظ تھی۔ اور جو مومن اس پر سوار تھے۔ صرف وہی بچ سکے۔ اور کوئی نہ بچ سکا۔ یہ طوفان جب تھما۔ تو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام کو وہ بڑھیا یاد آئی۔ اور آپ نے بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا۔ کہ اس بڑھیا کو تو کشتی پر چڑھانا یاد ہی نہ رہا۔ پھر آپ اس سمت کو تشریف لے گئے۔ جس طرف اس بڑھیا کی جھونپڑی تھی۔ وہاں جا کر دیکھا۔ تو اس بڑھیا کی جھونپڑی ویسی کی ویسی بدستور کھڑی تھی۔ آپ بڑے حیران ہوئے۔ کہ اتنے بڑے تباہ کن طوفان میں اس جھونپڑی کو تو پانی نے چھوا تک نہیں ہے۔ اندر تشریف لے گئے۔ تو دیکھا۔ بڑھیا بیٹھی ہے۔ بڑھیا نے حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھا۔ تو بولی کیوں حضور! کیا طوفان آنے کا وقت آ گیا ہے؟ اور آپ مجھے کشتی پر سوار کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا! بڑی بی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ طوفان تو آ بھی چکا۔ اور دنیا بھر کو غرق کر کے چلا بھی گیا۔ بڑھیا حیران رہ گئی۔ اور بولی! اے اللہ کے پیغمبر! مجھے تو پتہ بھی نہیں کہ طوفان کب آیا۔ اور کب گیا حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ میں جان گیا۔ تو بغیر کشتی پر سوار ہونے کے بھی اللہ کی حفاظت میں رہی ہے۔ اور اللہ نے کشتی کے بغیر ہی تجھے بچا لیا ہے۔

(روح البیان ص۸۳ ج۳)

دیکھا میرے بھائیو! جو اللہ کو نہیں بھولتا۔ خدا بھی اُسے نہیں بھولتا اور خوب یاد رکھو۔ کہ ہم اگر خدا کو فراموش کر دیں گے۔ تو پھر اللہ بھی ہمیں ممکن ہے کہ نظرِ رحمت سے گرا دے۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے۔ کہ جو خدا کو بھول چکے ہیں۔ کل قیامت کے دن جب وہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوں گے اور داویلا

کریں گے۔ تو جواب یہ ملے گا کہ ــــ

اَلْیَوْمَ نَنْسَاکُمْ کَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ــــ آج ہم بھی تمہیں یاد نہیں فرمائینگے۔ جس طرح تم نے اس دن کے لئے ملنے کو بھلا دیا تھا۔

لہٰذا اے مسلمانو! اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے کبھی منہ نہ موڑو۔ اور ہر گھڑی اس کی یاد میں لگے رہو۔ شاعر لکھتا ہے ؎

خدا کی یاد سے ہرگز نہ رکھ دل کو کبھی خالی!
وہاں پر بوم رہتا ہے جہاں کوئی نہ بستا ہو!
تو آیا تھا تو روتا تھا تجھے سب دیکھکر ہنستے تھے!
اب ایسی کار کر بندے یہ روتے ہوں تو ہنستا ہو

یعنی جب تم پیدا ہوتے تھے تو سارے تیرے عزیز خوش تھے کہ ہمارے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ مگر اس وقت تم روتے ہوئے پیدا ہوتے تھے۔ تم رو رہے تھے۔ اور ارد گرد سب ہنس رہے تھے۔ اور اب اے بندے! ایسا کام کر! اور ایسے نیک اعمال اختیار کر کہ جب تو مرے تو یہ ہنسنے والے اردگرد سب روتے ہوں۔ اور تو ہنستا ہوا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ تو آیا بھی روتا ہوا تھا۔ اور جاتے بھی روتا ہوا۔

عبادت الٰہی کا ثمرہ حضرات! خدا کی بندگی اور اس کے احکام کی تعمیل سے اخروی فوائد کے علاوہ اس دنیا میں بھی بہت سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ جو خدا کا ہو جائے۔ خدائی اس کی ہو جاتی ہے۔ یہ جو آج کل ہمیں پانی سیلاب کی شکل میں تنگ کر رہا ہے۔ اور کبھی آگ ہمارے لئے عذاب بن کر ہمارے مکانوں، دکانوں اور سامانوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اور کبھی ہوا طوفان کی شکل میں آ کر ہمیں پریشان کر دیتی ہے۔ جب مسلمان اللہ کی عبادت میں منہمک رہتا تھا۔ اور اس کی یاد میں محو نظر آتا تھا۔ یہ پانی۔ آگ۔ اور باد و خاک سب اس کی تابع تھیں۔ اور اس کا حکم ان چیزوں پر چلتا تھا۔

ایک بت پرست بادشاہ اور ایک مسلمان عورت

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک بت پرست بادشاہ کی حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ایک بت پرست بادشاہ نے ایک بہت بڑی خندق کھدوائی۔ اور اس میں آگ جلائی اور خود معہ وزیروں کے خندق کے کنارے بیٹھ گیا۔ اور سامنے ایک بت رکھ دیا۔ اور شہر میں اعلان کر دیا۔ کہ سب حاضر ہو کر اس بت کو سجدہ کریں۔ جو سجدہ نہ کرے گا۔ اسے اس خندق کی آگ میں ڈال دیا جائیگا۔ چنانچہ اس مردود کے اس حکم سے کئی بزدل اس بت کو سجدہ کر گئے۔ لیکن ایک مسلمان عورت کو جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ بھی تھا۔ جب سامنے لایا گیا تو ؎

گفت اے زن پیش ایں بت سجدہ کن
ورنہ در آتش بسوزی بے سخن

بادشاہ نے کہا۔ اے عورت اس بت کو سجدہ کر۔ ورنہ آگ میں جلنا پڑے گا۔ ؎

بود آں زن پاک دین و مومنہ
سجدۂ آں بت نکرد آں موقنہ

وہ عورت مومن اور پاک دین تھی۔ اس نے اس بت کو سجدہ نہ کیا۔ ؎ طفل زو بستید در آتش فگند
زن بترسید و دل از ایماں بکند

کافروں نے اس سے اس کا بچہ چھین کر آگ میں پھینک دیا۔ عورت بچاری بچے کا یہ حشر دیکھ کر ڈر گئی۔ اور بت کو مجبوراً سجدہ کر دینے پر آمادہ ہو گئی۔ ؎

خواست تا او سجدہ آرد پیش بت!
بانگ زد آں طفل اِنِّی لَمْ اَمُتْ

وہ عورت سجدہ کرنے لگی ہی تھی۔ کہ خندق سے اس کے بچے کی

آواز آئی ”اے ماں! میں مرا نہیں ؎

اندر آ مادر کہ من اینجا خوشم ❊ گرچہ درصورت میانِ آتشم

اے ماں! تو بھی خندق میں آ! اور دیکھ میں یہاں کس قدر خوش ہوں اگرچہ بظاہر میں آگ میں ہوں ؎

قدرتِ آں سگ بدیدی اندر آ ❊ تا بہ بینی قدرتِ فضلِ خدا

ماں! اس بت پرست کافر کتے کی تو نے قدرت دیکھ لی۔ اب ذرا اس میں آکر فضلِ خدا کی قدرت دیکھ لے۔

اندر آ و دیگراں را ہم بخواں ❊ کاندر آتش شاہ بنہادست خواں

اے ماں تو بھی آ۔ اور دوسروں کو بھی یہاں آنے کی دعوت دے اور کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آگ میں سب کے لئے اپنی رحمت کا دسترخوان بچھا رکھا ہے۔

یہ سنتے ہی ماں نے خندق میں چھلانگ لگا دی۔ اور پھر وہ بھی بچے کی ہمزبان ہو کر کہنے لگی۔ لوگو! اندر آ جاؤ۔ اور بت کو ہرگز مت پوجو۔ یہ آواز سن کر سب لوگ خندق میں کود گئے۔ اور پھر ایک شعلہ اس خندق سے ایسا برآمد ہوا۔ جس سے وہ سب کافر جل گئے۔ اور مسلمان سب بچ گئے۔

دیکھا میرے بھائیو! یہ آگ بجائے جلانے کے مسلمانوں کے لئے باغ و بہار بن گئی۔ اسی طرح حضرت امیرالمؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی یہ واقعہ ہے۔ کہ آپ کے عہد میں

پانی پر حکومت

جب مصر فتح ہوا۔ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس کے گورنر مقرر ہوئے۔ تو ایک بار دریائے نیل خشک ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے لوگوں سے پوچھا۔ تو پتہ چلا۔ کہ یہ دریا ہر سال اسی طرح خشک ہو جاتا ہے۔ اور جب تک ایک کنواری خوبصورت لڑکی کو بھینٹ نہ چڑھایا جائے جاری نہیں ہوتا۔ حضرت عمرو بن العاص کو سال بسال ایک قتل ناحق کی جاہلانہ رسم بڑی معلوم ہوئی۔ اور فرمایا۔ صبر کرو۔ دیکھو خدا کو کیا منظور

ہے۔ آپ نے اسی وقت بارگاہِ خلافت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط لکھا۔ جس میں دریا خشک ہو جانے۔ اور ہر سال ایک کنواری لڑکی کے قتل ناحق کا مفصل واقعہ لکھ دیا۔ ان کا یہ خط جب فاروق اعظم کے پاس پہنچا۔ اور آپ نے کیفیت معلوم کی۔ تو اسی وقت ایک خط گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص کے نام، اور دوسرا دریائے نیل کے نام تحریر فرمایا۔ مسلمانو! سنا آپ نے کہ ایک خط تو گورنر کی طرف، اور ایک خط دریا کی طرف۔ کیوں صاحب کبھی ایسی حکومت بھی دیکھی سنی۔ کہ پانی کے نام احکام جاری کئے جا رہے ہیں۔ دیکھئے! جو خط آپ نے دریا کے نام لکھا۔ اس کا مضمون یہ ہے۔

مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ عُمَرَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلٰی نِیْلِ مِصْرَ۔ اَمَّا بَعْدُ اِنْ کُنْتَ تَجْرِیْ مِنْ قِبَلِکَ فَلَا تَجْرِ وَ اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُجْرِیْکَ فَاَسْاَلُ اللّٰہَ الْوَاحِدَ الْقَھَّارَ اَنْ یُّجْرِیَکَ۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۰) یہ خط اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین کی طرف سے دریائے نیل کے نام ہے۔ اے دریا! اگر تو خود مختار ہے۔ اپنی مرضی سے بہتا ہے۔ اور اپنی ہی مرضی سے رک جاتا ہے۔ تو ہمیں تیری کچھ پرواہ اور ضرورت نہیں ہے۔ تو مت جاری ہو۔ اور اگر تمہیں اللہ جاری کرتا ہے تو ہم اللہ ہی سے سوال کرتے ہیں۔ کہ وہ تمہیں جاری کر دے۔"

پھر حضرت فاروق اعظم نے گورنر مصر کے نام یہ حکم لکھا کہ بجائے عورت کی بھینٹ کے یہ میرا خط دریا کے اندر خشک ریت میں ڈال دینا۔ امیر المؤمنین کا یہ انوکھا ارشاد سن کر سارے مصر میں دھوم مچ گئی۔ لاکھوں آدمی یہ منظر دیکھنے کے لئے دریا پر جمع ہو گئے۔ مجمع کثیر کے ساتھ گورنر مصر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ خط لے کر دریا پر پہنچے۔ اور پھر دریا کے اندر جا کر فاروق اعظم کا حکمنامہ

دریا کو پہنچا کر وہاں سے باہر چلے آئے۔ چند لحظوں کے بعد دریائے نیل خود بخود اس زور سے جاری ہوا۔ کہ کبھی بھینٹ لے کر بھی ایسا جاری نہ ہوا تھا۔ اور ہر سال سے اس سال چھ گز پانی زیادہ اونچا آیا۔ پھر اس دن سے ایسا جاری ہوا۔ کہ آج تک بند ہونے کا نام نہ لیا۔

دیکھا آپ نے۔ کہ اللہ کے آگے جھک جانے والے فاروق کے حکم کے آگے پانی بھی جھک گیا۔ وہاں پانی آیا۔ تو ایک لڑکی کی جان بچانے کی خاطر، اور اب جو پانی آتا ہے۔ تو سینکڑوں جانیں لے جانے کی خاطر۔ آخر یہ اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟ اسی لئے! کہ وہ لوگ خدا کے تھے۔ اور ساری خدائی ان کی تھی۔ آج ہم خدا کے نہ رہے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ہمارا کوئی نہ رہا۔ اور ہم کہیں کے نہ رہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اور ایک شیر سوار

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ میں نے جنگل میں ایک آدمی کو دیکھا۔ جو شیر پر سوار تھا۔ میں حیران رہ گیا۔ کہ یہ شخص شیر پر کس طرح سوار ہوا۔ اور شیر اس کا مطیع و فرمانبردار کیسے ہو گیا؟ فرماتے ہیں اس آدمی نے میری طرف دیکھا۔ اور کہا ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ پیچد نہ گردن ز حکم تو ہیچ

یعنے اللہ کے حکم سے تو منہ نہ موڑ۔ تو تیرے حکم سے کوئی چیز بھی منہ نہ موڑے گی ــــ بھائیو! یہ ہے اللہ کے ہو جانے کی برکتیں۔ تم خدا کا کہا مانو۔ خدائی تمہارا کہا مانے گی۔ اور اگر تم نے خدا کا کہا نہ مانا۔ تو پھر اگر تمہاری بیوی تمہارا کہا نہ مانے۔ تمہاری اولاد تمہارا کہا نہ مانے۔ تو گھبراتے کیوں ہو۔ آخر تم بھی تو ہو۔ جو اپنے مالک کا کہا نہیں مانتے اگر تم نافرمان ہو کر رہنا چاہتے ہو۔ تو اپنی بیوی بچوں کو بھی نافرمان بن کر رہنے دو۔ اور اگر ان کی نافرمانی تمہیں بُری لگتی ہے تو تمہاری نافرمانی کیوں بُری نہ ہو گی۔ یہ جو آج کل اولاد کی نافرمانی عام ہے

چھوٹے اپنے بڑوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ بڑوں کے احکام کی چھوٹوں کی نظر میں وقعت نظر نہیں آتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ کہ آج کل اللہ کی نافرمانی عام ہے۔ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو وہ گھوڑا شوخی کرنے لگا۔ فرمانے لگے۔ ہم سے آج ضرور کوئی گناہ ہوا ہے۔ اسی وجہ سے یہ گھوڑا ہماری نافرمانی کرتا ہے۔ بھائیو! تم خدا کے ہو جاؤ۔ تو خدا ساری خلائق کے دلوں میں تمہارا رعب پیدا کر دے گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

ہر کہ ترسید از حق و تقوٰے گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

ازالۂ شبہ

میرے بزرگو! عبادتِ الٰہی کے ثمرات بے شمار ہیں۔ لیکن بظاہر اگر ہمیں کوئی ثمرہ نظر نہ بھی آئے۔ تو اس بات سے یہ وہم بھی نہ لانا چاہیئے۔ کہ عبادت کا کیا فائدہ؟ اس لئے کہ عبادت تو ہمیں محض اللہ کی خاطر کرنی ہے۔ نہ کہ دوسرے کسی ثمرہ کی لالچ سے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اللہ کی عبادت کرنا بجائے خود ایک بہت بڑا فائدہ ہے۔ عبادت کی توفیق مل جانا ہی ایک بہت بڑی نعمتِ الٰہی ہے۔ چنانچہ ایک نیک خاتون کا واقعہ مذکور ہے۔

ایک تہجد گزار بیوی اور اس کا شوہر

کہ وہ تہجد کے وقت نماز پڑھ کر حسب ذیل لفظوں میں دعا مانگ رہی تھی۔

"اے مولا! تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔ مجھ پر اپنی رحمتوں کا نزول فرما۔"

اس کا شوہر پاس ہی سو رہا تھا۔ اس نے یہ الفاظ سن کر کہا بڑا فخر ہے تجھے اپنے آپ پر۔ کہنا تو یوں چاہیئے۔ کہ تجھے اس محبت کا واسطہ جو مجھے تجھ سے ہے۔ مگر تو کہہ یوں رہی ہے۔ کہ تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے۔ بھلا تجھے یہ کیسے معلوم ہو گیا۔ کہ خدا کو تجھ سے محبت ہے؟

بیوی نے اپنے شوہر کی یہ بات سن کر اسے جواب یہ دیا۔ کہ اگر خدا کو مجھ سے محبت نہ ہوتی۔ تو وہ اس رحمت کے وقت مجھے جگا کر اپنی عبادت کے لئے کھڑا ہونے کی کبھی توفیق نہ دیتا۔ آپ کو جو اس نے سلائے رکھا۔ اور مجھے جگا کر اپنی عبادت کے لئے کھڑا کر دیا ہے۔ یہی دلیل ہے اس بات کی کہ اُسے مجھ سے محبت ہے۔ تو میرے بھائیو! خدا کی عبادت کی توفیق مل جانا یہ خود ہی ایک بہت بڑا انعام الٰہی ہے لہٰذا عبادتِ الٰہی میں خوب دل لگاؤ۔ اور شیطان کے مختلف وسوسوں کا شکار مت ہو۔ ہمارا کام اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ اور اس عبادت کو قبول فرما لینا اللہ کا فضل و کرم ہے۔ عبادت سے ثمرات کا قصد کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ پھر تو یہ ایک قسم کی مزدوری ہو گئی ہاں یہ بھی اللہ کا ایک فضل و کرم ہے۔ کہ اپنی عبادت قبول بھی فرمالے۔ اور اس کے دیگر ثمرات بھی عطا فرمائے۔ ہمارا کام تو محض اس کی رضا جوئی کے لئے اس کی عبادت کرنا ہے۔ اور خوب یاد رکھئے۔ بالفرض ہمیں پتہ بھی چل جائے۔ کہ ہماری عبادت قبول نہیں ہوتی۔ تو بھی ہمارا کام اس کی عبادت ہی کرنا ہے۔ اس لئے کہ اس کی عبادت کو چھوڑ کر پھر اور دروازہ ہی کونسا ہے۔ جس کے بھروسے پر ہم یوں کہہ سکیں۔ کہ چلو اگر اس دروازہ سے قبولیت نہیں ملی۔ تو دوسرے دروازہ پر سہی!

ایک عارف کی حکایت

چنانچہ ایک عارف کو غیب سے آواز آئی۔ کہ تمہاری عبادت قبول نہیں ہوئی۔ انہوں نے اس پر بھی عبادت کو نہ چھوڑا۔ بلکہ بدستور اسی طرح پر پھر بھی عبادت کرتے رہے۔ کسی نے ان سے کہا۔ کہ جب آپ کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ تو پھر اس کے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے کیا اچھا جواب دیا۔ بھائی اگر

کوئی اور دروازہ ہوتا۔ تو اس کو چھوڑ کر اس طرف چلے جاتے جب دوسرا دروازہ ہی نہیں۔ پھر اور کہاں جائیں۔ اور کیا چارہ کریں۔

توانی ازاں دل بپرداختن
کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

پس معًا غیب سے آواز آئی کہ جب ہمارے سوا تمہارا اور کوئی نہیں ہے۔ تو خیر جیسی کچھ ہے۔ ویسی قبول ہے

قبول است گرچہ ہنر نیستت
کہ جز ما پناہے دگر نیستت

لطیفہ نمبر۸

میرے بھائیو! آج وقت ہے۔ اللہ کی عبادت کرکے اپنی عاقبت سنوار لو۔ اور کل قیامت کے دن اگر اللہ کے ہولناک عذاب دیکھ کر پھر یہ درخواست کی۔ کہ الٰہی ہمیں پھر دنیا میں بھیج تاکہ ہم تیری عبادت کریں۔ تو پھر یہ درخواست منظور نہ ہوگی۔ اور یہ وقت ہاتھ نہ آئیگا وقت کی قدر کرو اور جو کرنا ہے آج کرلو۔ ورنہ کل قیامت کے دن پچھتانے سے کچھ نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک لطیفہ ہے کہ ایک آدمی گھوڑا خریدنے کے لئے منڈی گیا۔ راستے میں اُسے ایک دوست ملا۔ اور اس نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو۔ تو وہ بولا۔ منڈی جا رہا ہوں۔ گھوڑا خرید ونگا۔ دوست نے کہا۔ میاں جب کوئی کام کرنے کا ارادہ ہو۔ تو ساتھ انشاء اللہ ضرور کہنا چاہیئے۔ لہذا یوں کہو۔ کہ انشاء اللہ گھوڑا خریدوں گا۔ وہ بولا۔ واہ بھئی واہ! پرانے خیال کے آدمی نکلے۔ انشاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت۔ پیسے میرے پاس موجود ہیں۔ اور گھوڑا منڈی میں موجود ہے۔ منڈی پہنچنے کی دیر ہے۔ بس گھوڑا خریدا ہی سمجھو۔ اس کے دوست نے کہا۔ بھئی یہ تمہاری غلطی ہے۔ کچھ بھی ہو۔ انشاء اللہ ضرور کہنا چاہیئے۔ اس نے کہا۔ تم کچھ بھی کہو۔ میں تو انشاء اللہ نہ کہوں گا۔

چنانچہ وہ منڈی پہنچ گیا۔ اور گھوڑا خریدنے سے پہلے کھانا

کھانے کو ایک ہوٹل میں داخل ہوا۔ ہوٹل میں کسی گرہ کٹ نے اسکی جیب تراش لی۔ اور بٹوہ نکال لیا۔ اسے کچھ پتہ نہ چلا۔ حتےٰ کہ جب اس نے منڈی میں گھوڑے کا سودا کرکے جیب میں ڈالا — تو بٹوہ غائب پایا۔ اب اسے پتہ چلا کہ میں تو لٹ گیا۔ چنانچہ خالی ہاتھ واپس لوٹا —

— اتفاقاً راستے میں پھر وہی دوست ملا۔ اور اس نے پوچھا۔ کیوں دوست! گھوڑا نہیں لائے۔ تو وہ بولا۔ بھئی کیا بتاؤں؟ جب منڈی پہنچا۔ انشاء اللہ! تو بھوک لگ گئی انشاء اللہ! اور میں ہوٹل میں گیا انشاء اللہ! اور کھانا کھایا انشاء اللہ۔ تو اس عرصہ میں انشاء اللہ، کسی گرہ کٹ نے انشاء اللہ میری جیب کاٹ لی انشاء اللہ۔ گھوڑے کا سودا کیا انشاء اللہ۔ اور جیب میں ہاتھ ڈالا انشاء اللہ۔ تو جیب میں کچھ نہ تھا انشاء اللہ!

دوست نے کہا! میاں اب انشاء اللہ کہنے کا کیا فائدہ! اسی وقت جب میں نے کہا تھا۔ اگر ایک بار بھی انشاء اللہ کہہ دیتے۔ تو کام بن جاتا۔ اور اب چاہے ہزار مرتبہ کہو۔ بیکار ہے۔

تو اے میرے بھائیو! یہ وقت ہے اللہ کی عبادت اور اس کی یاد کا۔ اس وقت کی عبادت کام آئے گی۔ اور کل اگر ہزار بار بھی اس کی بندگی کا اعلان و اقرار کروگے۔ تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ لہٰذا

سے

آج لے اُن کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گیارہواں وعظ

دُنیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ (پ۲۱ ع ۳)

"اور یہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود۔ اور بیشک آخرت کا گھر ضرور ہی سچی زندگی ہے۔ کیا اچھا تھا اگر جانتے!"

حضرات! آج میں دنیا کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لئے میں نے قرآن پاک کی وہ آیت پڑھی ہے۔ جس میں اللہ تعالٰے نے اس دنیا ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ میرے بھائیو! دیکھو! خدا تعالٰے

نے اس دنیا کو کھیل کود فرمایا ہے۔ چونکہ کھیل اور تماشا وقتی طور پر خوش کن ہوتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے شیدائیوں کو خوش کر دیتا ہے۔ پھر خود بھی باقی نہیں رہتا۔ اور نہ وہ خوشی اور لذت باقی رہتی ہے۔ جو تھوڑی دیر کے لئے حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے اللہ نے اس دنیا کو بھی ایک کھیل اور تماشا بیان فرمایا ہے۔ جو تھوڑے عرصہ کے لئے قائم ہے۔ پھر یہ خود بھی فنا ہو جائے گی اور وہ عارضی خوشیاں جو اس کے شیدائیوں کو حاصل ہوئیں۔ وہ بھی فنا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد پھر طالبِ دنیا بجز اس کے کہ کفِ افسوس ملے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

میرے بزرگو! اس دنیا میں کئی قسم کے کھیل تماشے ہوتے ہیں۔ مثلاً ریچھ، بندر کا تماشا۔ ناٹک کا کھیل، سرکس کے کرتب وغیرہ۔ یہ تماشے گھنٹہ دو گھنٹہ بھر کے لئے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہاں نہ تماشا کرنے والے نظر آتے ہیں، اور نہ تماشا دیکھنے والے۔ اسی طرح یہ دنیا کا کھیل ہے۔ کہ ختم ہو جانے کے بعد نہ یہ کھیل رہے گا۔ اور نہ کھیل والے۔ اور یہ دنیا کا کھیل اگرچہ بظاہر سینکڑوں سال زندگی کا ہو۔ مگر مرنے کے بعد اور قیامت آ جانے پر یہ حقیقت کھلے گی۔ کہ یہ ہماری لمبی زندگی بھی در اصل کچھ نہ تھی۔ اصل زندگی تو یہ آخرت کی زندگی ہے۔ چنانچہ لمبی عمر پانے والے مجرمین کل قیامت کے دن یوں کہیں گے۔ اور قسم کھا کر کہیں گے۔ کہ

مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ (پ ۲۱ ع ۹) نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی۔

دیکھا آپ نے یہ اتنی طویل طویل عمریں کل یوں معلوم ہوں گی۔ جیسے ایک پل اور ایک گھڑی۔

میرے دوستو! دنیا ایک کھیل اور فانی چیز ہے۔ اس میں جو کچھ ہے۔ سب کچھ ایک دن فنا ہونے والا ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

آنچہ دیدی برقرار خود نہ ماند
آنچہ بینی ہم نماند برقرار

نادان عاشق

میرے بھائیو! قرآن مجید نے فرمایا ہے۔ کہ دنیا کی زندگی ایک کھیل اور تماشا ہے۔ اور دیکھ لیجئے۔ بعض کھیل اور تماشے ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ صرف ایک سایہ کی طرح کچھ آتی جاتی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے بائیسکوپ میں سوائے لیمپ کی روشنی اور کاغذی تصویروں کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مگر تماشائیوں کو یہ نظر آتا ہے۔ کہ بڑی جنگ ہو رہی ہے۔ ہزاروں کا خون ہو رہا ہے۔ کہیں شاہی دربار ہے۔ کہیں لاکھوں آدمیوں کا ہجوم ہے۔ کہیں غمی اور کہیں شادی ہے۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ روشنی گل کر دی جائے تو کچھ بھی نہ رہے۔ لیکن اسی غیر اصل اور محض عکس و سایہ ہی کے مناظر پر تماشائی عاشق ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے مناظر کی حقیقت ہے۔ اور یہی حال دنیا کے نادان عاشقوں کا ہے۔ اور اسی طرف مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اشارہ فرمایا ہے ؎

ہمچو آں ابلہ کہ تاب آفتاب
دید بر دیوار و حیران شد شتاب
عاشق دیوار شد کایں باضیا است
بیخبر کایں عکس خورشید سما است

فرماتے ہیں۔ جس طرح ایک بے وقوف نے کسی دیوار پر سورج کی روشنی یعنی دھوپ دیکھی۔ تو اس نے سمجھا کہ یہ دیوار ہی روشن ہے اور اس کو دل دے بیٹھا۔ نادان نے یہ نہ سمجھا۔ کہ دیوار ہرگز ایسی نہیں یہ تو سورج کا عکس ہے ؎

چوں باصل خویش پیوست آں ضیا
دید دیوار سیہ ماندہ بجا

پھر جب وہ روشنی اپنے اصل سورج سے مل گئی۔ یعنی دھوپ جاتی رہی۔ تو دیوار ویسی کی ویسی رہ گئی۔ مولانا رومی کا مقصد یہ ہے۔ کہ جس طرح دیوار پر روشنی دیکھ کر نادان یہ جانتے ہیں کہ دیوار ہی کچھ ہے۔ لیکن پھر تھوڑی دیر کے بعد دیوار کو بے نور اور سیاہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اسی طرح اہل دنیا، دنیا کو قیامت کے دن مثل سیاہ و بے نور دیوار کے دیکھ کر بڑے حیران ہوں گے، اور اپنی نادانی پر پچھتائیں گے۔

دنیا اچھی ہے

میرے بزرگو! یہ جو میں نے بیان کیا ہے۔ یہ تو ہے دنیا کی حقیقت۔ مگر یہ دنیا بیکار یا بذاتہٖ بُری نہیں ہے۔ یہ بُری اس وقت ہے۔ جب کہ انسان اپنے خالق کو بھول کر اسی میں محو ہو جائے۔ اور اس سے دل لگا بیٹھے۔ ایسے شخص کے لئے دنیا دنیا ہے۔ اور بُری دنیا ہے۔ اور جب کہ انسان اپنے خالق و مالک سے دل لگائے رہے۔ اور اس کی ایک دین وعطا سمجھ کر دنیا کو استعمال کرے۔ اور اپنے اللہ کی مرضی کے مطابق اس کو خرچ کرے۔ تو پھر یہ دنیا، دنیا نہیں رہتی۔ بلکہ یہ دنیا بھی دین ہے۔ اور بڑی اچھی دنیا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہو جانے کا نام دنیا ہے۔ جس قدر خدا سے غافل کر دینے کے سامان ہیں وہ سب دنیا ہیں۔ یہ چاندی و سونا، بیوی بچے، انکا نام دنیا نہیں ہے۔ ہاں اگر ان کی وجہ سے خدا کو بھلا دیا جائے۔ تو پھر یہ سب کچھ دنیا ہے اور اگر خدا کو نہ بھلایا جائے۔ تو پھر چاہے چاندی و سونے کے انبار لگے ہوں۔ وہ ہرگز دنیا نہیں ہے۔ چنانچہ بزرگانِ دین میں سے ایسے ایسے بھی گزرے ہیں۔ جو بڑے بڑے مالدار اور امیر تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو پیغمبر و نبی تھے۔

ایک عظیم الشان حکومت کے مالک تھے۔ اور اسقدر دنیوی مال و متاع رکھتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ تو اپنے لشکرِ عظیم کے لیئے ہر روز پانچہزار اونٹ، پانچہزار گائے، اور بیس ہزار بکریاں ذبح فرماتے تھے۔ (دیکھئے حیوٰۃ الحیوان صفحہ ۳۰۵ جلد ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی بڑے امیر تھے۔ اللہ نے آپ کو مال و اولاد سب کچھ عطا فرما رکھا تھا۔ مگر ان میں سے کوئی چیز یاد حق کی راہ میں حائل نہ تھی۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وقت آنے پر اپنا سب کچھ راہِ حق میں قربان فرما کر دکھا دیا۔ کہ دنیا ہوتے ہوئے بھی جو اللہ والے ہیں۔ اپنے خالق کو کبھی نہیں بھولتے۔ اور خالق و مالک کے ارشاد پر اور اس کی رضا کی خاطر دنیا کی ہر چیز قربان دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لقب "خلیل" کے متعلق علماء نے لکھا ہے۔ کہ آپ کا یہ لقب اللہ نے اسی لئے رکھا۔ کہ

لِاَنَّہٗ سَلَّمَ نَفْسَہٗ اِلَی النِّیْرَانِ وَمَالَہٗ اِلَی الضِّیْفَانِ وَوَلَدَہٗ اِلَی الْقُرْبَانِ وَقَلْبَہٗ اِلَی الرَّحْمٰنِ۔

اس لیئے کہ آپ نے اپنی جان کو، رضائے حق کی خاطر آگ میں ڈال دیا۔ اور مال کو راہِ خدا میں مہمانوں پر خرچ کر دیا۔ اور اپنے بیٹے کو خوشنودیٔ حق کے لیئے قربان کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اور اپنا دل اللہ کی سپرد کر دیا۔"

ایک مرتبہ چند فرشتے بشریت کے لباس میں سائل بن کر درِ اقدس پر حاضر ہوئے۔ اور سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ۔ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْعَظَمَۃِ وَالْھَیْبَۃِ وَالْقُدْرَۃِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ۔الخ پڑھ کر اللہ کی راہ میں کچھ مانگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوبِ حقیقی کا نام سن کر بے حد مسرور ہوئے۔ اور فرمایا۔ مجھے میرے محبوبِ حقیقی کا پیارا ذکر پھر سناؤ۔ فرشتوں نے (جو بشریت کے لباس میں حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی خلت کو دیکھنے آئے تھے۔) جواب دیا۔ اگر آپ ہمیں کچھ دیں۔ تو ہم پھر وہی پیارا نغمہ سنائیں گے۔ ورنہ نہیں۔ فرمایا میرا یہ بکریوں کا عظیم ریوڑ موجود ہے۔ آدھا ریوڑ لے لو۔ اور مجھے میرے محبوب حقیقی کا نام پھر سناؤ۔ چنانچہ فرشتوں نے پھر وہی نغمہ چھیڑا۔ آپ نے پھر فرمایا۔ ایک مرتبہ اور سناؤ۔ جواب ملا کہ باقی کا آدھا ریوڑ بھی دے دیجیئے۔ تو سنائیں گے۔ ورنہ نہیں۔ فرمایا۔ اچھا جاؤ سارا ہی ریوڑ تمہارا۔ تم میرے پیارے کا نام پھر لو۔ اور اسی نغمہ سے پھر مجھے مسرور کرو۔ چنانچہ فرشتوں نے پھر وہی نغمہ چھیڑا۔ اور حضرت خلیل کو مسرور کیا۔ حضرت نے پھر فرمایا۔ کہ ایک بار اور۔ جواب ملا کہ اب تو آپ کے پاس ریوڑ میں سے کچھ باقی نہیں رہا۔ اب آپ کیا دیں گے؟ فرمایا اس ریوڑ کی نگہبانی کے لئے مجھی کو ساتھ لے چلنا۔ مگر محبوب کا نام ضرور سناؤ۔ فرشتوں نے یہ ایثار دیکھا۔ تو جھٹ بول اٹھے۔ کہ حضور! مان لیا۔ واقعی آپ خلیل اللہ ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہم تو آپ کے ایثار کا جلوہ دیکھنے آئے تھے۔

بزرگو! دیکھا آپ نے۔ یہ دنیا ہے۔ مگر کیسی مبارک دنیا۔ جو اللہ کی راہ میں قربان ہو رہی ہے۔ تو ایسی دنیا برائے نام دنیا ہے۔ ایسی دنیا کو فنا بھی نہیں۔ یہ دنیا کل قیامت کو بھی کام آئے گی۔ یعنی جو کچھ یہاں اللہ کی راہ میں دے دیا۔ وہ اگرچہ بظاہر یہاں سے مٹ جائے گا۔ مگر وہ در اصل باقی رہے گا۔ اور کل دنیا مستقا میں کام آئے گا۔ اور ایک ہماری دنیا بھی ہے۔ جس پہ ایک لطیفہ یاد آیا۔

لطیفہ کہتے ہیں۔ کہ ایک آدمی نے ایک مولوی صاحب کے درس میں سنا کہ جو اللہ کی راہ میں ایک دیگا۔ دس پائیگا۔ اس شخص کی جیب میں ایک روپیہ تھا۔ اس نے باہر نکل کر وہ روپیہ کسی فقیر کو دے دیا۔ اور خود گھر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ کہ کوئی آئے۔ اور دس روپیے

دے جائے۔ اب اسی انتظار میں جب کوئی آتا ہوا نظر نہ آیا۔ تو لگا مولوی صاحب کو برا بھلا کہنے۔ کہ خواہ مخواہ میرا روپیہ نقصان کرایا۔ اسی غم میں اسے پیچش بھی لگ گئی۔ حاجت ہوئی تو باہر جنگل گیا۔ وہاں اتفاقاً کسی کا گرا ہوا بٹوا دیکھا۔ اسے اٹھایا اور کھول کر دیکھا۔ تو اس میں سے دس روپے نکلے۔ یہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور دوسرے دن مولوی صاحب کے درس میں جا کر کہنے لگا۔ مولوی صاحب مسئلہ پورا سنایا کرو۔ مولوی صاحب نے کہا۔ مگر میں نے آدھا مسئلہ کونسا سنایا ہے۔ وہ بولا۔ وہ کل سنایا تھا نا کہ جو اللہ کی راہ میں ایک دے گا۔ دس پائے گا۔ اس کا اگلا حصہ بھی سنایا ہوتا۔ مولوی صاحب نے کہا تو اگلا حصہ کیا ہے؟ تم ہی بتا دو۔ وہ بولا اگلا حصہ یہ ہے کہ "اسے پیچش بھی لگ جاتی ہے"!

دیکھا آپ نے! ایک دنیا یہ بھی ہے۔ جس میں ایسا دل محو ہے۔ کہ ایک روپیہ جانے سے بھی پیچش لگ جاتی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ دنیا ہو تو اس میں ایسا دل مشغول نہ ہو۔ کہ اللہ کے احکام پسِ پشت ڈال دیئے جائیں۔ اور اس کی مرضی کو فراموش کرکے دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جائے۔ اس قسم کی دنیا، دنیا ہے۔ اور بری دنیا اور ایسی دنیا ہی کو اللہ نے کھیل کود فرمایا ہے۔

مُردار دنیا اور ایسی ہی دنیا کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مردار اور اس کے طالب کو کتا فرمایا ہے۔ اور محدثین نے اس ارشاد نبوی کی بڑی حکیمانہ تفسیر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضور نے طالب دنیا کو کتا فرمایا ہے۔ حالانکہ مردار کو کوّا بھی کھاتا ہے۔ پھر حضور نے طالب دنیا کو کتا ہی کیوں فرمایا ہے؟ فرماتے ہیں کوّا مردار کا صرف گوشت ہی کھاتا ہے۔ اور ہڈیاں چھوڑ جاتا ہے۔ مگر کتا مردار کو ہڈیوں سمیت رگڑ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا عاشق بھی چونکہ دنیا کی ہڈی تک نہیں چھوڑتا۔ اس لئے طالب دنیا کو کتا فرمایا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ کوا

مردار پر دن کو جھپٹتا ہے۔ رات کو نہیں آتا۔ مگر کتا دن بھی اور رات بھی مردار کے پاس سے نہیں ہٹتا۔ اسی طرح دنیا دار بھی دن رات مردار دنیا کو اپنائے رکھتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے۔ کہ کوّا مردار دیکھ کر شور مچاتا ہے اور اپنے بھائیوں کو بھی بلا لیتا ہے۔ اور اس مردار کو سب ملکر کھاتے ہیں۔ مگر کتا جہاں پہنچا۔ دوسرے اپنے کسی بھائی کو بھی قریب نہیں آنے دیتا۔ اسی طرح دنیا دار بھی اکیلا ہی دنیا کا مالک بننا چاہتا ہے۔ کسی اپنے بھائی کو قریب نہیں پھٹکنے دیتا۔ چوتھی بات یہ ہے۔ کہ کوّا اپنے مردہ بھائی کوّے کا گوشت نہیں کھاتا۔ اور کتا اپنے بھائی کتے کی لاش کو بھی رگڑ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا دار بھی اپنے بھائی کا مال بھی کھا جانے میں دریغ نہیں کرتا۔ یہ وجہ ہے۔ جو حضور نے طالبِ دنیا کو کتا فرمایا ہے

میرے بھائیو! ایسی دنیا واقعی مردار ہے۔ اور قابلِ اجتناب ہے۔ آج جو غافل لوگ ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر حصول دنیا میں منہمک ہیں، وہ ہوش کریں۔ اور سوچیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ اور فانی ہے۔ اس کے لئے آج جو جو جتن کئے جاتے ہیں۔ ذرا غور تو کرو۔ کہ وہ کہاں تک جائز ہیں ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ دنیا کے ذرائع و اسباب کو چھوڑ دیا جائے۔ اور مال و دولت کو پاس نہ آنے دیا جائے۔

بھائیو! کہنا تو یہ ہے۔ کہ دائرہ شریعت میں رہ کر جس قدر بھی دنیوی سامان پا سکتے ہو پاؤ۔ جس قدر بھی امیر بن سکتے ہو بنو۔ سب کچھ حاصل کرو۔ مگر خبردار! شریعت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکلنے پائے۔ جہاں شریعت سے قدم ہٹا۔ یہ دنیا ملعون و مردار ہوتی۔ آج رونا ہی اس بات کا ہے کہ لوگ دنیا کے حصول کی خاطر شریعت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ یہ بلیک رشوت، سود، غبن، اور پگڑی وغیرہ سب مردار اور ملعون ہے۔ اور یاد رکھو۔ کہ آج جو جو بھی ایسی حرکتیں کی جاتی ہیں۔ کل ان سب کا حساب دینا پڑیگا۔ آج تم کہیں اندر چھپ کر کسی سے رشوت لے لو۔ لوگوں کی

نظروں میں دھول ڈال کر غبن کر لو۔ خیانت کر لو۔ مگر کل قیامت کے دن یہ سب خفیہ حرکتیں اور پوشیدہ خیانتیں سامنے آجائیں گی۔

نامۂ اعمال اور نامۂ اعمال تمہارے سامنے پیش کرایا جائے گا۔ جس میں ہر چھوٹی بڑی ظاہر و باطن اور عیاں و نہاں حرکت لکھی ہوگی۔ اور یہ نامہ اعمال پیش کر کے کہا جائے گا:۔

اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ (پ۱۵ ع ۲)

اپنا نامہ پڑھ۔ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے!

اور دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے:۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ (پ۱۵ ع ۱۸)

اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا۔ تو تم مجرموں کو دیکھ لو گے۔ کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے"

ڈرتے اس لئے ہوں گے۔ کہ اپنا سب کا سب کارنامہ اس اعمالنامہ میں درج ہوگا۔ حتیٰ کہ جو گناہ مخلوق سے چھپ چھپا کر کیا ہوگا۔ وہ بھی اس میں لکھا ہوگا۔ چنانچہ جب مجرم اپنے نامۂ اعمال کو دیکھے گا اور اس میں ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی پائے گا۔ تو کہے گا:۔

يَا وَيْلَتَنَا مَا لِهٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا — (پ۱۵ ع ۱۸)

ہائے خرابی ہماری اس نوشتہ کو کیا ہوا۔ نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا۔ جسے گھیر نہ لیا ہو۔ اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا "

نامۂ اعمال پیش کر کے خدا تعالیٰ پھر فرمائیگا۔ کیوں اے بندے! اس نامۂ اعمال میں جو جو کچھ لکھا ہوا ہے۔ کیا تم نے یہ حرکتیں نہیں کیں؟ مجرم عرض کرے گا۔ الٰہی! شاید میرا یہ نامۂ اعمال نہ ہو۔ خدا فرمائے گا۔ نہیں یہ بات نہیں۔ بلکہ یہ نامۂ اعمال تیرا ہی ہے۔ میرے فرشتے جو میں نے تیرے اعمال لکھنے کو تیرے ساتھ مقرر کئے تھے۔ وہ غلطی نہیں کرتے۔ یہ نامۂ اعمال

بالکل صحیح ہے۔ اور تیرا ہی ہے۔ مجرم عرض کرے گا۔ الہیٰ اس پر کوئی گواہ بھی ہونا چاہئے۔ خدا فرمائے گا۔ اچھا لو گواہ بھی پیش کر دیا جاتا ہے چنانچہ وہ حصہ زمین جس پر مجرم نے گناہ کیا ہوگا۔ اس سے کہا جائے گا۔ اے زمین تو شہادت دے۔ کیا اس نے تجھ پر یہ حرکتیں کیں یا نہیں؟ چنانچہ زمین کا وہ حصہ بولے گا۔ اور کہے گا۔ الہٰی! جو کچھ اس نامۂ اعمال میں لکھا ہے صحیح ہے۔ واقعی اس بندے نے مجھ پر یہ حرکتیں کی ہیں۔ زمین کی اس گواہی کا ذکر اس آیت میں ہے:۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا۔ (پ۳۰ ع ۲۲)

اس دن وہ (زمین) اپنی خبریں بتائے گی۔ اس لئے کہ تمہارے رب نے اُسے حکم بھیجا"

اور اسی طرح حدیث شریف میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ کہ:۔

مَا مِنْ يَوْمٍ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا إِلَّا يَقُولُ بِلِسَانِهٖ يَا ابْنَ آدَمَ أَنَا يَوْمٌ جَدِيدٌ وَأَنَا عَلٰى مَا تَعْمَلُ فِيَّ شَهِيدٌ ــ یعنی دنیا کے دنوں میں سے ہر ایک دن اپنی زبان میں یوں کہتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے میں ایک نیا دن ہوں۔ اور مجھ میں جو جو کام بھی تو کرے گا۔ میں اُن کا گواہ بن جاؤں گا"

اس کے بعد خدا تعالےٰ ارشاد فرمائے گا۔ اے بندے! اگر تو مزید گواہی چاہتا ہے۔ تو لے یہ تیرے اپنے اعضا ہی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو نے بے شک یہ حرکتیں کیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ مجرم کے منہ پر خاموشی کی مہر لگا کر اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کو حکم فرمائے گا۔ کہ تم بولو اور گواہی دو۔ کہ اس نے تمہارے ساتھ یہ یہ کام کئے یا نہیں؟ چنانچہ قرآن میں آتا ہے۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ (پ۲۳ ع ۳)

آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے۔ اور ان کے ہاتھ
ہم سے بات کریں گے۔ اور ان کے پاؤں ان کے کئے
کی گواہی دیں گے۔"

اس کے بعد مجرم حیران رہ جائے گا۔ اور جھنجلا کر اپنے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا۔ کہ میں تمہارے ہی بچاؤ کے لئے تو اتنے حیلے کر رہا تھا۔ مگر تم نے بھی میرے خلاف شہادت دے دی۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن پاک میں آتا ہے:۔

شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (پ ۲۴ ع ۱۷)۔

ان کے کان اُن کی آنکھیں اور ان کے چمڑے سب ان پر ان کے کئے کی گواہی دینگے۔ اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے۔ تم نے ہم پر کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گی۔ ہمیں اللہ نے بلوایا ہے۔ جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی ۔"

اس کے بعد خداوند کریم فرمائے گا۔ کیوں اے بندے! اب کیا خیال ہے۔ اور دیکھ ان گواہوں کے علاوہ تیری بد اعمالیوں پر میں خود بھی گواہ ہوں۔ بتلا اب تو کیا کہنا ہے؟ بھائیو! سوچ لو۔ کہ اس وقت پھر مجرم کا کیا حال ہوگا؟

مادہ پرستوں کو جواب

یہاں مادہ پرست یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ صاحب! ہاتھ پاؤں، اور چمڑے کا بولنا عقل میں نہیں آتا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ہاتھ پاؤں اور چمڑہ بول سکے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ تم ذرا اپنے گراموفون ریکارڈ ہی کو دیکھ لو۔ وہ ریکارڈ کیا ہے؟ ایک مٹی اور مصالحہ ہی تو ہے۔ مگر جب تمہاری سائنس کی سوئی اس پر لگتی ہے۔ تو وہ مٹی اور مصالحہ کا بے جان ٹکڑا بولنے لگتا ہے۔ گاتا

ہے. چلاتا ہے۔ اور طرح طرح کے شعر اور تقریریں سناتا ہے. تو بتاؤ۔ اس مٹی کے ٹکڑے میں یہ قوتِ گویائی کیسے پیدا ہو گئی؟ اگر تمہاری سائنس میں یہ طاقت ہے. کہ وہ ایک چھوٹی سی سوئی کے ذریعہ ایک مٹی کے بے جان ٹکڑے کو بلوا سکتی ہے۔ تو خداوند قادر و توانا میں کیا طاقت نہیں۔ کہ وہ اپنی قدرت کی سوئی سے ہاتھ پیر اور چمڑے کو بلوا سکے؟ ہے اور یقیناً ہے۔ مگر افسوس کہ ایسے لوگ شانِ ایزدی سے بے حد غافل ہیں۔

انگوٹھے کی مثال

میرے بزرگو! ایک مثال اور سنو! — یہ جو منی آرڈر فارموں پر بجائے دستخط کے انگوٹھے کا نشان لگایا جاتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ در اصل اس بات کی تصدیق کا نشان ہے. کہ منی آرڈر فارم پر درج شدہ رقم فلاں صاحب نے وصول کر لی۔ اب ذرا خیال فرمایئے. کہ ایک شخص نے رقم وصول کر لی۔ اور اپنا نشان انگوٹھا لگا دیا۔ مگر بعد میں وہ انکار کر گیا۔ کہ میں نے رقم نہیں لی۔ تو اب اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے گواہی کس سے لی جائے گی۔ سب جانتے ہیں۔ کہ گواہی اس انگوٹھے سے لی جائے گی۔ یعنی اس کے انگوٹھے کا نشان اس امر کی شہادت دے گا کہ اس نے رقم وصول کر لی ہے۔ یہ جو انکار کر رہا ہے غلط کہہ رہا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے رقم وصول کر لی ہے۔ گویا وہ انگوٹھا بولے گا۔ اور اس انکار کنندہ کو جھوٹا ثابت کر دے گا۔ اور فیصلہ بھی انگوٹھے کی گواہی پر ہی کیا جائے گا۔ تو بھائیو! آج اگر تمہارا انگوٹھا کسی تنازعہ میں گواہی دے سکتا ہے۔ تو کل اللہ کے حکم سے یہ گواہی کیسے نہ دے سکے گا؟

شاہدِ نبی

مسلمانو! سب سے بڑی بات یہ ہے. کہ ہماری سب حرکتیں ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ دیکھ لیجیے۔ خدا تعالیٰ نے حضور کو فرمایا ہے:-

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا ۔ (پ ۲۲ ع ۹) اے پیارے نبی! ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔"

اور شاہد کہتے ہیں حاضر کو۔ دیکھ لیجئے۔ نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا الخ ۔

یعنی اے اللہ بخش دے ہمارے زندہ اور مردہ کو۔ اور ہمارے حاضر اور غائب کو۔

اور شاہد دیکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ دیکھ لیجئے یوں کہا جاتا ہے میں نے فلاں چیز کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ یعنے دیکھ لیا ہے۔ تو گویا ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی۔ اور ہمارے اعمال و حرکات کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ ہم برے کاموں کا ارتکاب کریں۔ اور حضور سے مطلق نہ شرمائیں ؎

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے

شرم نبی، خوف خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ایک انگریز اور ایک بھکاری

مجھے یہاں دہلی کی جامع مسجد کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ یہ واقعہ میں نے ایک اردو رسالہ میں پڑھا تھا۔ آج سے تقریباً سو سال پہلے ایک انگریز دہلی کی جامع مسجد دیکھنے کے لئے آیا۔ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ایک بھکاری بیٹھا تھا۔ جس نے انگریز سے براہ خدا کچھ مانگا۔ انگریز نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور بٹوا نکالا۔ اور بٹوے میں سے ایک چونی نکال کر بھکاری کو دی۔ اور پھر جلدی سے مسجد کے اندر چلا گیا۔ بھکاری نے دیکھا۔ کہ انگریز نے جلدی میں بٹوا جو جیب میں ڈالا۔ تو وہ بٹوا بجائے جیب کے نیچے گر پڑا ہے۔ اور سیڑھیوں پر پڑا ہے۔ بھکاری اٹھا۔ اور بٹوا اٹھا کر انگریز کو دینے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا۔ مسجد کے اندر گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ انگریز مسجد کو دیکھ کر دوسرے دروازے سے نکل کر چلا گیا ہے بھکاری نے بہتیری تلاش کی۔ مگر وہ انگریز نہ مل سکا۔ چھ مہینے کے بعد

وہی بھکاری سیڑھیوں پر اپنی جگہ بیٹھا تھا۔ کہ وہی انگریز بازار میں جاتا ہوا اسے نظر آیا۔ بھکاری فوراً اٹھا۔ اور اس انگریز کے پاس پہنچ کر وہی بٹوا پیش کرتے ہوئے بولا۔ کہ صاحب! آج سے چھ ماہ قبل آپ جامع مسجد دیکھنے کو آئے تھے۔ اور مجھے بھیک دیتے ہوئے آپ نے یہ بٹوا نکالا تھا۔ اور پھر جلدی میں جو جیب میں ڈالا۔ تو یہ نیچے گر گیا تھا۔ میں نے آپ کی اسی دن بڑی تلاش کی تھی۔ مگر آپ نہ مل سکے تھے۔ آج اتفاقاً آپ نظر آ گئے۔ اور میں آپ کی امانت لے کر حاضر ہو گیا ہوں۔ انگریز حیران رہ گیا۔ اور بٹوہ جو کھول کر دیکھا تو ساری نقدی اس میں محفوظ تھی وہ اور بھی متعجب ہوا۔ اور پوچھا۔ تم چاہتے تو اسے رکھ بھی سکتے تھے مجھے تو علم ہی نہ تھا۔ کہ تم نے اسے اٹھایا ہے۔ پھر اس امانت و دیانت کی کیا وجہ ہے؟ بھکاری نے جواب دیا۔ بات یہ ہے صاحب! آپ عیسائی ہیں۔ اور میں مسلمان ہوں۔ آپ کے پیغمبر عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر اللہ کے پاس ہیں۔ اور میرے پیغمبر حضور علیہ السلام بھی اللہ کے پاس ہیں۔ مجھے بٹوہ اٹھاتے ہوئے اور کسی نے تو نہ دیکھا تھا۔ مگر اللہ نے ضرور دیکھا تھا۔ میں نے سوچا۔ کہ اگر میں نے یہ بٹوہ رکھ لیا۔ تو اللہ تعالےٰ میرے پیغمبر سے فرمائے گا۔ دیکھو اے محمد (صلے اللہ علیہ و سلم) تیرے امتی نے عیسےٰ (علیہ السلام) کے ایک امتی کا بٹوہ رکھ لیا ہے۔ تو میرے پیغمبر کو اس شکایت سے رنج و ملال ہو گا۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے سامنے انہیں ندامت ہو گی۔ بس اسی خیال سے میں یہ بٹوہ اسی روز سے سنبھالے ہوئے ہوں۔

دیکھئے حضرات! ایک زمانہ تو یہ تھا۔ کہ ہمارے بھکاری امانت دار تھے۔ اور آج وہ زمانہ ہے۔ کہ بڑے بڑے بھی خائن ہیں اگر آج کوئی ایسی چیز مل جائے۔ تو اسے مال غنیمت سمجھ کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ عربی زبان میں "بیت المال" کا معنی ہے۔ "مال کا گھر" مگر آج کل ہمارے "امینوں" نے اس کا معنی یہ کر دکھایا ہے۔ "گھر کا مال" چنانچہ

اسی چیز کو میں نے ایک رباعی میں لکھا ہے۔ کہ ؎

آپ کا افسوس کیا، اور شکایت کس لئے
اپنی اپنی ہے سمجھ اور اپنا اپنا ہے خیال
کیا ہوا گر مال بیت المال میں پہنچا نہیں
معنی "بیت المال" کا لیڈر نے سمجھا "گھر کا مال"

بہر حال بھائیو! اس دنیا میں منہمک ہو کر خلاف شرع حرکات کا ارتکاب کر کے اس بات سے مطمئن نہ ہو جاؤ۔ کہ تمہیں ان حرکات کا جواب نہ دینا پڑے گا۔ اور تمہاری ایسی حرکات پر اگر تمہاری چالاکیوں سے یہاں گرفت نہیں ہو سکی۔ تو کل بھی گرفت نہ ہوگی۔ یاد رکھو کل کا دن حساب کا دن ہے۔ جو کام یہاں کرو گے۔ اچھا یا برا۔ کل اس کا انجام ضرور دیکھو گے۔ یہ دنیا مثل ایک کھیتی کے سمجھو۔ آج اس میں جو بھی بوؤ گے۔ کل وہی کاٹو گے۔ چنانچہ ایک پنجابی شاعر لکھتا ہے ؎

دنیا کھیتی آخر سیتی، خود حضرت فرماوے
جیہا اس وچہ بیجے کوئی تیہا ہی پھل پاوے
جے توں اس وچہ محنت کر کے بیجیں اج دہاڑے
بھلکے تیرے تائیں ہوسن بوہل تے کھلواڑے
بیج صدق دا بہتا پائیں، چنگی کریں ہیائی
جو کجھ بیجیں چنگا بیجیں برا نہ بیجیں بھائی

دنیا میں دل نہ لگاؤ

حضرات! یہ دنیا جسے رب نے صرف کھیل کود بیان فرمایا ہے۔ اس میں اپنا دل نہ لگاؤ۔ اس میں اس طرح دل لگا لینا۔ کہ خدا یاد ہی نہ رہے۔ بہت برا ہے۔ اور اس کا نتیجہ بڑا ہی ہولناک ہے۔ دنیا کو حاصل کرو اور اسے استعمال کرو۔ مگر خدا کو کسی حال میں بھی نہ بھولو۔ دنیا بری نہیں ہے۔ اسے برا بنا لیا جاتا ہے۔ اگر شریعت کے مطابق اسے حاصل کیا جائے۔ اور خرچ کیا

جائے۔ تو دنیا اچھی دنیا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے۔ جیسے کشتی کے لئے پانی ضروری ہے۔ پانی نہ ہو تو کشتی کا تیرنا مشکل ہے۔ مگر یہ پانی کشتی سے باہر باہر رہے تو اسے تیرائیگا۔ اور اگر یہی پانی کشتی کے اندر آجائے۔ تو اسے لے ڈوبے گا۔ اسی طرح دنیا انسان کے لئے بھی درکار ہے۔ اگر روپیہ پیسہ نہ ہو۔ تو حج کیسے کیا جائے۔ زکوٰۃ کیسے دی جائے۔ غرباء و مساکین کی خدمت کیسے کی جائے۔ گویا یہ روپیہ پیسہ ان نیک کاموں کے پورا کرنیکا ایک ذریعہ ہے۔ مگر یہ روپیہ پیسہ اگر دل سے باہر باہر رہا تو انسان کو تیرا گیا۔ اور اگر مثل قارون کے اس کی محبت دل کے اندر سما گئی۔ تو سمجھو بیڑا غرق ہوا۔

عربی اشعار بھائیو! اس دنیائے فانی میں محو ہو کر عاقبت کو بھول جانا سب سے بڑی غفلت ہے۔ موت ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ مرنے کا خیال تک بھی باقی نہ رہا۔ اور اس دنیائے فانی کو ہی سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے۔ حضرت ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

یَا مَنْ بِدُنْیَاہُ اشْتَغَلْ	قَدْ غَرَّہٗ طُوْلُ الْاَمَلْ
اَوَلَمْ یَزَلْ فِیْ غَفْلَۃٍ	حَتّٰی دَنٰی مِنْہُ الْاَجَلْ
اَلْمَوْتُ یَاْتِیْ بَغْتَۃً	وَالْقَبْرُ صُنْدُوْقُ الْعَمَلْ

مطلب ان اشعار کا یہ ہے۔ کہ اے دنیا میں مشغول و منہمک ہو جانے والے اور حرص و آز کی قید میں مغرور و غافل ہو جانیوالے تیری غفلت کی بھی کوئی انتہا ہے۔ موت قریب ہے۔ اور تو غفلت میں پڑا ہے۔ یاد رکھ! موت اچانک آجانے والی ہے۔ اور قبر میں تجھے جانا پڑے گا۔ جس میں عمل ہی کام آئیں گے۔"

عبرتناک اشعار ایک شاعر کہتا ہے۔ کہ مجھے ایک بار میری خواہش و حرص نے یہ کہا۔ کہ تیرے پاس مال دنیا کثرت کے ساتھ ہے۔ اٹھ اور عیش و عشرت کی دنیا بسا۔ یہ عاقبت کا خیال اور انجام کی فکر چھوڑ اور خوب مزے اڑا۔ واعظوں کے پند و نصائح کو پس پشت ڈال۔ اور ہر

قسم کا فکر و غم دل سے نکال۔ جام مے کو ہاتھ میں لے اور سرور و کیف کی دنیا میں کھو جا۔ چنانچہ وہ شاعر لکھتا ہے ؎

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا زمینِ طوس اور کیا سرزمینِ روس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجے زندگی
اس طرف آواز طبل ادھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہو مئے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے

شاعر کہتا ہے۔ کہ میری حرص و ہوس نے جب مجھے عیش و عشرت اور ناعاقبت اندیشی و غفلت پر ابھارا۔ اور میں اس کیلئے تیار ہو گیا۔ تو ؎

ناگہاں عبرت پکاری اک تماشہ میں تجھے!
چل دکھاؤں تو جو تو قیدِ آز کا محبوس ہے

عبرت نے میرے کان پکڑ لئے اور مجھ سے کہا۔ کہ عیش و عشرت کی زندگی اختیار کرنے سے پہلے تو میرے ساتھ چل۔ میں تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں گی۔ وہ منظر و تماشہ دیکھ لینے کے بعد پھر تجھے اختیار ہے۔ جو چاہے کرنا۔ شاعر کہتا ہے۔ میں نے کہا اچھا چل لے چل ؎

لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف!
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے!
مرقدیں دو تین دکھلا کر مجھے کہنے لگی!
یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمتِ دنیا سے آج
کچھ بھی اُن کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

شاعر کہتا ہے۔ کہ میں نے یہ عبرت ناک نظارہ دیکھا اور بحد متاثر ہوا۔ اور اپنے عیش و عشرت اور غفلت کے ارادہ سے باز آگیا۔

مسلمانو! خوب یاد رکھو یہ دنیا فانی ہے اور ایک دن اسے چھوڑ

کر مرنا ہے۔ اپنی عاقبت کی فکر کرو۔ اور دنیا کے عیش و آرام میں پڑکر موت اور خدا کو مت بھولو۔ یہ غفلت بہت بری ہے۔ اور اس کا نتیجہ بڑا ہولناک ہے۔

مغربی قومیں

ممکن ہے۔ نئی تہذیب کے شیدائی اس موقعہ پر یہ کہنے لگیں۔ کہ یہ مولوی بھی عجیب خیال کے لوگ ہیں۔ مغربی قوموں کو دیکھو۔ کس طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور پھر ترقی و عروج بھی انہیں حاصل ہے۔ مگر یہ مولوی ہمیں اس دنیا کی عیش و عشرت سے روکتے ہیں۔ بھائیو! تمہیں عیش و آرام کی زندگی سے کون روکتا ہے۔ مولوی تو یہ کہتے ہیں۔ کہ شریعت کے دائرہ میں رہ کر جو جائز عیش ہے۔ وہ حاصل کرو۔ آرام کی زندگی بسر کرو۔ مگر دائرہ شریعت سے باہر مت نکلو۔ مولوی تمہیں شریعت کی پابندی کی تاکید کرتے ہیں۔ شریعت کا دامن چھوڑ کر جو بھی عیش و عشرت ہے وہ ناجائز ہے۔ اور موجب تباہی و بربادی ہے۔ یہ بلیک و رشوت، سود اور پگڑیاں، سب شریعت کے خلاف ہیں۔ ان چیزوں کو مغربی قومیں اگر اپناتی ہیں۔ تو اپنائیں۔ مگر جو مسلمان ہے۔ اسے ان چیزوں سے اجتناب کرنا ہی پڑیگا۔ اور پھر ایک اور بات بھی ہے۔ کہ جس طرح سب کی شکلیں الگ الگ، اور عادات و اطوار الگ الگ ہیں۔ اسی طرح مزاج بھی سب کے الگ الگ ہیں، کافر کا مزاج اور ہے اور مسلمان کا مزاج اور ہے۔ ترقی و عروج پانے کے لئے ہم کافروں ہی کی طرف کیوں دیکھیں۔ کہ ان لوگوں نے ترقی کیسے پائی۔ اپنے بزرگوں کی طرف کیوں نہ دیکھیں۔ جنہوں نے شریعت کے دائرہ میں رہ کر ترقیاں حاصل کیں۔ یہ بلیک۔ رشوت، اور سود وغیرہ حرام چیزیں کافر کے لئے موجب ترقی ہوں، تو ہوں۔ مگر مسلمان کے لئے یہ چیزیں ہرگز موجب ترقی نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ ایک لطیفہ سنیئے۔

لطیفہ

ایک حکیم جی کا کسی گاؤں میں گزر ہوا۔ تو دیکھا۔ ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ

کھائیں۔ اور ان پر ایک بہت بڑا لسّی کا بھرا ہُوا پیالہ غٹا غٹ پی لیا۔ حکیم صاحب نے کہا۔ اب تیری خیر نہیں لسّی کو درمیان میں پینا چاہیئے تھا۔ یہ سن کر گنوار نے روٹی لانے والے کو آواز دی۔ کہ ارے چار روٹ اور لے آ۔ حکیم یوں کہتا ہے۔ کہ لسّی کو بیچ میں کر لے۔ میں بیچ میں کر لوں۔ چنانچہ چار موٹی موٹی روٹیاں آگئیں۔ اور گنوار نے وہ بھی صاف کر دیں۔ اور حکیم صاحب سے کہا۔" بس اب تو لسّی بیچ میں ہو گئی"۔ حکیم جی یہ منظر دیکھ کر کہنے لگے۔ بھائی تو چاہے بیچ کر یا اوپر۔ حکمت کا قاعدہ تیرے لئے نہیں ہے۔ جس کا معدہ ہی اس قسم کا ہو۔ اس کے لیئے سب جائز ہے۔ مگر کوئی شہری ایسا نہیں کر سکتا ؛ بعینہٖ کافر کا مزاج ہی اس قسم کا ہوتا ہے۔ کہ بلیک، رشوت سود اور سور وغیرہ سب حرام چیزیں اسے راس آ جاتی ہیں۔ مگر مسلمان کا مزاج مزاجِ لطیف ہے۔ اس قسم کی حرام چیزیں اس کے لئے بجائے فائدے کے نقصان دہ ثابت ہوں گی۔ اور شریعت کے قاعدے کافر کے لیئے نہیں۔ مسلمان کے لئے ہیں۔ پھر جو لوگ ان حرام چیزوں کے استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ وہ سوچ لیں کہ وہ مزاج مسلمانوں کا رکھتے ہیں یا کافروں کا۔

ترقی کا ہیضہ

میرے بھائیو! مغربی قوموں نے جو برائے نام ترقی حاصل کی ہے۔ یہ ترقی کیا ہے۔ در اصل ترقی کا ہیضہ ہے۔ عورت کو اس طرح آزاد کر دینا کہ جس کے ساتھ چاہے چلی جائے۔ کلب میں رات بھر ناچتی رہے۔ خاوند کی پروا تک نہ کرے۔ کیا یہ ترقی ہے؟ نہیں۔ نہیں یہ تو انتہائی بے غیرتی ہے۔ یورپ کی اس قسم کی ترقی آج برائے نام مسلمان بھی حاصل کرنے چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ترقی تو ترقی کا ہیضہ ہے۔ مریض ہیضہ کی حرارت کم اور نبض سست پڑ جاتی ہے مریض ترقی کی بھی اسلامی حرارت کم اور دینی نبض سست پڑ جاتی ہے مریض ہیضہ کو اسہال لگ جاتے ہیں۔ اور قے آنے لگتی ہے۔ مریض

ترقی کو بھی الحاد کے اسہال لگ جاتے ہیں۔ اور ارتداد کی قے آنے لگتی ہے۔ مریضِ ہیضہ کی پیاس نہیں بجھتی۔ مریضِ ترقی کی بھی پیاس نہیں بجھتی۔ حتیٰ کہ رمضان شریف میں بھی پیتا ہے۔ اور غریبوں کا لہو بھی پیتا ہے۔ مریضِ ہیضہ پلنگ پر تڑپتا ہے۔ اور مریضِ ترقی کلب میں ناچتا ہے۔ مریضِ ہیضہ چیختا چلاتا ہے۔ مریضِ ترقی فلمی گانے گاتا ہے۔ مریضِ ہیضہ ایک متعدی قسم کا مرض ہے۔ مرضِ ترقی بھی ایک متعدی مرض ہے۔ چنانچہ میاں کو یہ مرض لگ جائے۔ تو بیوی بچے بھی اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ؎

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً اس ترقی کی وبا سے

بے وفا دنیا

بھائیو! یہ دنیا بڑی بے وفا ہے۔ چنانچہ ایک حکایت ہے کہ ایک بڑا امیر آدمی جو نشۂ دولت میں بڑا مغرور تھا۔ اور خدا کو بھولا ہوا تھا۔ عید کے روز اپنی بیگم صاحبہ کیساتھ کھانا کھانے بیٹھا۔ تو دروازے پر ایک سائل آگیا۔ جس نے بڑی عاجزی سے سوال کیا اور کہا۔ دو دن سے بھوکا ہوں۔ آج عید کا دن ہے۔ خدا را مجھے کھانا کھلاؤ۔ امیر آدمی اس سائل کی آواز سن کر بڑا غصے میں آگیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ سائل کمبخت عید کے دن بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ پھر نوکر کو بلایا۔ اور اس سے کہا۔ کہ اس فقیر کو دھکے دے کر دروازے سے نکال دو۔ چنانچہ نوکر نے ایسا ہی کیا۔ اور فقیر کو دھکے دے کر نکال دیا۔ اس امیر کی یہ مغرورانہ حرکت خدا کو پسند نہ آئی۔ اور خدا کی غیرت جوش میں آئی۔ کچھ دنوں بعد اس امیر آدمی کے کاروبار میں نقصان واقع ہونا شروع ہوا۔ اور اس کی تمام جائداد اسی خسارے کے کام آنے لگی۔ آج یہ دکان ہاتھ سے نکلی تو کل وہ دکان قبضہ سے گئی۔ حتیٰ کہ کچھ دنوں کے بعد اس شخص کی ساری جائیداد نیلام و قرق ہوگئی۔ اور وہ پائی پائی کا محتاج ہو گیا۔ خدا کی

شان، چند روز پہلے جو بڑا امیر آدمی تھا۔ وہ آج مفلس و قلاش ہوگیا۔ اور اسے فاقے پر فاقے آنے لگے۔ ایک دن اس کی بیوی نے کہا۔ کہ اب تو آپ اپنی روٹی بھی مہیا نہیں کر سکتے۔ پھر مجھے کیوں ساتھ ساتھ لٹکائے پھر رہے ہو۔ مجھے طلاق دے دیجئے۔ تاکہ میں کسی دوسرے سے نکاح کرکے اپنی زندگی تو آرام سے گزاروں۔ چنانچہ اس شخص نے اپنی بیوی کو بھی طلاق دے دی۔ اور وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ اس بیوی نے عدت گزار کر کسی دوسرے امیر آدمی سے نکاح کر لیا۔ ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ اور پھر عید کا دن آیا۔ اور یہ عورت اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھی۔ خدا کی شان یہی عورت پچھلے سال کی عید کے دن پہلے خاوند کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ اور آج اس عید کے دن دوسرے خاوند کے ساتھ بیٹھی کھانا کھاتی نظر آئی۔

(اتفاقاً) دیکھئے۔ کہ ان کے دروازے پر بھی ایک فقیر آگیا۔ اور اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔ کہ میں چار روز سے بھوکا ہوں۔ خدا را مجھے کھانا دیجئے۔ اس دوسرے شوہر نے اپنی بیوی سے کہا۔ کہ پہلے اس فقیر کو کھانا بھجواؤ۔ ہم پھر کھا لیں گے۔ چنانچہ بیوی اٹھی۔ اور اتفاقاً اسکی نظر دروازے پر کھڑے فقیر پر پڑ گئی۔ اور اسے دیکھتے ہی چیخ مار کر گر گئی۔ اور بیہوش ہو گئی۔ شوہر دوڑا اور منہ پر پانی کے چھینٹے دے کر اسے ہوش میں لایا۔ اور اس سے پوچھا۔ کہ تم بیہوش کیوں ہو گئی اور یہ کیا قصہ ہے؟ بیوی نے روتے ہوئے جواب دیا۔ یہ جو باہر فقیر کھڑا ہے۔ یہ پچھلے سال میرا شوہر تھا۔ اور میں اس کی بیوی۔ گذشتہ سال کی عید کے دن ہم دونوں کھانا کھا رہے تھے۔ کہ ہمارے دروازے پر ایک فقیر آگیا۔ اس نے نشۂ دولت میں آکر اسے دھکے دے کر نکلوا دیا۔ آج یہ اپنے اس غرور کی سزا بھگت رہا ہے۔ کہ خود در بدر کی بھیک مانگ رہا ہے۔ شوہر بولا ــــ اچھا یہ بات ہے۔ تو لو اللہ کی شانِ بے نیازی کا ایک اور بھی نظارہ کر لو۔ مجھے پہچانو۔ میں کون ہوں؟ دیکھو میں وہی فقیر ہوں۔ جسے تمہارے

خاوند نے دھکے دے کر نکلوا دیا تھا۔ خدا نے تمہارے خاوند کی جگہ مجھے بٹھا دیا۔ اور میری جگہ تمہارے اس پہلے خاوند کو بٹھا دیا ہے۔

دوستو! دیکھا آپ نے اس دنیا کی ناپائیداری اور بے وفائی کو۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

شہد دکھلائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کُش
کس مردار پہ تو للچایا، دنیا دیکھی بھالی ہے

سلطان ابراہیم ابن ادہم کی حکایت

حضرات! دنیا میں انہماک اور مال و دولت میں محویت سے خدا کا پانا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں سلطان ابراہیم ابن ادہم کی حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بر سرِ تختے شنید آں نیک نام
طقطقے و ہائے ہوئے شب ز بام

یعنی تخت پر لیٹے ہوئے سلطان ابراہیم نے کوٹھے پر رات کے وقت کھٹ پٹ اور شور و غل سنا ؎

گامہائے تند بر بامِ سرا!
گفت با خود ایں چنیں زہرہ کرا

گھر کے کوٹھے پر بہت زور سے قدم سنے تو اپنے دل سے کہنے لگے کہ اتنی مجال کس کی ہے۔ مطلب یہ کہ ایک مرتبہ رات کو حضرت ابراہیم ابن ادہم شاہی مسند پر سو رہے تھے تو انہوں نے چھت پر کسی کے پاؤں کی آواز سنی۔ کہ خوب زور سے کھٹ پٹ کرتا چھت پر پھر رہا ہے۔ تو انہوں نے اپنے دل میں کہا۔ کہ ارے یہ کون ہے؟ اور کس کی ہمت ہے کہ میں بادشاہِ وقت ہوں۔ اور پھر یہ رات کو اسطرح چھت پر بے دھڑک پھر رہا ہے۔ ؎

بانگ زد بر روزنِ قصر او کہ کیست
ویں نباشد آدمی مانا پریست

انہوں نے محل کی کھڑکی میں سے آواز دی کہ کون ہے، یہ آدمی تو ہے نہیں۔ شاید جن ہے۔ سہ

سر فرو کردند قومے بوالعجب
ماہمی گردیم شب بہرِ طلب

ایک عجیب قوم یعنی فرشتوں نے سر لٹکایا۔ اور کہا کہ ہم رات کو تلاش میں پھر رہے ہیں۔ حضرت سلطان ابراہیم نے دریافت کیا۔ سہ

ہیں چہ مے جوئید گفتند اشتراں!
گفت اشتر بام بر کہ جست ہاں

کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ تو وہ بولے کہ اونٹ ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ارے اونٹ کو کوٹھے پر کس نے ڈھونڈا ہے۔ مطلب یہ کہ اونٹ کو کوئی کوٹھے پر بھی ڈھونڈتا ہے۔ وہ یہاں کیسے مل سکتا ہے۔ بالکل بے جوڑ سی بات ہے۔ سہ

پس بگفتندش کہ تو بر تخت وجاہ
چو ہمی جوئی ملاقات الٰہ!

انہوں نے جواب دیا کہ تم جاہ و دنیا کے تخت پر خدا کی ملاقات کی کس طرح تلاش کرتے ہو؟ مطلب یہ کہ اگر ہمارا اس جگہ اونٹ تلاش کرنا بے جوڑ ہے۔ تو اسی طرح تمہارا تخت و تاج اور مال و دولت میں رہ کر خدا کی تلاش کرنا بھی ایسا ہی بے جوڑ ہے۔ یہاں کوئی صاحب یہ شبہ نہ کریں۔ کہ خدا کو پانے کے لئے تخت و تاج اور امارت و دولت کا نہ ہونا ضروری ہے۔ نہیں یہ بات نہیں۔ میں کہہ چکا۔ کہ دنیا وہ بری ہے۔ جس میں محو ہو کر خدا کو بھلا دیا جائے۔ اور اگر دنیا میں رہ کر خدا کی یاد بھی بدستور قائم رہے۔ تو وہ دنیا بری نہیں۔ حضرت سلطان ابراہیم کے واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ تخت و تاج میں انہماک اور مال و دولت میں محویت یہ وصال حق میں مخل ہے چنانچہ اس کے بعد حضرت سلطان ابراہیم ادھم علیہ الرحمۃ کے دل پر کچھ ایسا

اثر ہوا۔ کہ آپ نے تخت و تاج کو چھوڑ کر یکسوئی کے ساتھ طلبِ حق شروع کر دی۔ اور پھر آپ اپنے مقصد میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ایک خدائی پر آپ کی روحانی حکومت قائم ہو گئی۔ اور بحر و بر میں آپکا روحانی سکہ چلنے لگا۔ چنانچہ آپ ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اپنی پرانی گدڑی درست کر رہے تھے۔ اتفاقاً اس طرف سے آپ کا جو کبھی وزیر رہ چکا تھا۔ آ نکلا۔ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور عرض کیا ؎

ترک کردہ ملک ہفت اقلیم را
میزند بر دلق سوزن چوں گدا

آپ ہفت اقلیم کی سلطنت کو ترک کر کے اب گدڑی کو فقیروں کی طرح سی رہے ہیں ؎

شیخ سوزن زود در دریا فگند
خواست سوزن را بآواز بلند

حضرت ابراہیم ابن ادہم نے یہ بات سن کر اپنی سوئی دریا میں پھینک دی۔ اور پھر آواز دی۔ میری سوئی لاؤ۔"

وہ وزیر یہ بات دیکھ کر دل میں کہنے لگا۔ کہ لو یہ نئی بات اور سنو! بھلا سوئی دریا میں گری ہوئی کبھی واپس بھی ملی ہے؟ لیکن اس نے دیکھا کیا؟ مولانا فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں ماہیِ اللّٰہیے
سوزنِ زر برلبِ ہر ماہیے
سر برآوردند از دریائے حق
کہ بگیر اے شیخ سوزنہائے حق

ہزاروں مچھلیاں آپ کی آواز سنتے ہی اپنے مونہوں میں سونے کی سوئیاں لے کر آئیں۔ اور باہر گردن نکال کر کہا۔ حضرت سوئی لیجئے!!

وہ وزیر یہ عجیب نظارہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پھر حضرت ابراہیم

نے اس وزیر کو دیکھا اور کہا ؎

رو بدو کرد و بگفتمش اے وزیرا!
ملک حق بہ یا چنیں ملک حقیر!

آپ نے اس وزیر کو دیکھ کر فرمایا۔ اب بتاؤ کہ یہ روحانی و حقانی بادشاہت اچھی ہے یا وہ فانی بادشاہت ؟

دیکھا آپ نے ؟ حضرت ابراہیم ابن ادہم نے خدا کی طلب میں اس دنیوی حکومت کو ترک فرمایا۔ تو خدا نے ان پر کس قدر انعام فرمایا۔ کہ اب دریا کی مچھلیوں پر بھی حکم چلنے لگا۔

الغرض

میرے بھائیو! دنیا میں انہماک اور ناعاقبت اندیشی کو ترک کرو اور اللہ کی یاد میں اپنے دن رات گزارو۔ اس دنیا میں رہو۔ لیکن اپنے خالق کو نہ بھولو۔ یہ دنیا فانی ہے۔ فانی چیز سے دل لگایا۔ تو نہ یہ چیز رہے گی۔ نہ تم رہو گے۔ رب باقی سے دل لگایا۔ تو اس کی یاد کے صدقہ میں تم بھی حیات ابدی حاصل کر لو گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اور مجھے بھی اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس دنیا کی ایسی محبت سے جس سے خدا فراموشی پیدا ہو، بچائے۔

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بارہواں وعظ

تکمیلِ اسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (پ ۴ ع ۲)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور ہرگز نہ مرنا۔ مگر مسلمان"

حضرات! اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب فرما کر، دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ایک تو اس بات کا کہ خدا کا خوف اور ڈر پیدا کیا جائے۔ دوسرے اس بات کا کہ مسلمان زندہ رہے تو مسلمان بن کر اور مرے بھی تو مسلمان ہی رہ کر۔ گویا آیت مذکورہ میں، تقوے اور اسلام ان دو چیزوں کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

بھائیو! مسلمان کا ایمان ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق و مالک موجود ہے۔ جس نے سارے عالم کو پیدا فرمایا ہے۔ وہ بڑی طاقت کا مالک ہے۔ انسان کو اس نے چند روزہ عمر عطا فرما کر اس دنیا میں بھیجا ہے اور اسکی ہدایت کے لئے اپنے آخری رسول حضور سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ جو خدا کی آخری کتاب قرآنِ پاک ساتھ لاتے ہیں۔ اللہ نے اس آخری رسول و آخری کتاب کے ذریعہ انسان کو ہدایت فرمائی ہے۔ کہ وہ خدا کی مرضی کے مطابق اپنی چند روزہ زندگی گزار دے۔ تاکہ خدا اس پر راضی ہو۔ اور اس کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھائے تاکہ وہ ناراض نہ ہو۔ اور اس حقیقت کا اعلان فرما دیا ہے۔ کہ اس چند روزہ عمر کے بعد موت آنے والی ہے۔ اور مرنے کے بعد اپنے خالق کے حضور پیش ہو کر اپنی عمر کے ایک ایک دن کا حساب دینا پڑے گا

بھائیو! جب یہ حقیقت ہے اور مسلمان کا اس حقیقت پر ایمان ہے تو اس پر لازم ہے۔ کہ وہ اپنی اس مختصر سی عمر میں کوئی ایسا کام نہ کرے۔ جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ اور کل قیامت کے دن جسکی وجہ سے ندامت اٹھانی پڑے۔ اور سزا بھگتنی پڑے۔ اللہ کے حضور پیش ہونے کے خیال سے ہر وقت اللہ سے ڈرتا رہے۔ اور کوئی لمحہ ایسا نہ گزارے۔ جس میں خدا کا خوف شامل حال نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں پہلے اسی بات کا ارشاد فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ جیسا ڈرنے کا حق ہے۔

کمالِ تقویٰ

"جیسا ڈرنے کا حق ہے" اس جملہ سے کمالِ تقویٰ کا درس دیا ہے یعنی برائے نام ڈرنا نہ ہو۔ بلکہ پورا پورا اور کامل طور پر ڈرنا پایا جائے۔ جیسے کسی کمرہ صاف کرنے والے سے کہا جاتے۔ دیکھو میاں! کمرہ ایسا صاف کرنا جیسا صاف کرنے کا حق ہے۔ یعنی کمرہ میں کوئی تنکا تک باقی نہ رہ جائے۔ یا جیسے کوئی جنٹلمین نائی سے یوں کہے۔ دیکھو میاں داڑھی یوں مونڈنا جیسے داڑھی مونڈنے کا حق ہے۔ یعنی چہرے پر ایک

بال بھی نظر نہ آئے۔ چنانچہ داڑھی منڈانے والے جنٹلمینوں کے رخ دیکھ لیجئے کیا کوئی ایک بال بھی نظر آتا ہے؟ داڑھی کا یا مونچھ کا؟ بالکل نہیں۔ بالکل صاف اور فارغ البال ۔ سے

الٰہی نیچریت ہے کہ کوئی بالخورہ ہے !!
سرِمو بھی نہ رکھا جس نے داڑھی کا پتہ باقی!
مریدوں پر جو پھیرا دستِ شفقت پیر نیچر نے
نہ رکھا دونوں گالوں پر پتا بھی بال کا باقی

پھر لطف یہ کہ منہ پر "اک بال" بھی نہیں اور مانگتے اقبال ہیں۔ میں نے ایک رباعی میں لکھا ہے ۔ سے

اقبال نہیں ملتا جو تجھے کچھ ضد نہیں تجھ سے قدرت کو
اقبال کے قابل ہی لیکن اب تیرے رہے اعمال نہیں
ہر بال سے ہو اسلام عیاں پھر کیوں نہ ملے اقبال تجھے
اقبال کی رٹ ہے منہ سے بہت چہرے پہ مگر اک بال نہیں

الغرض کسی بات کو کما حقہٗ کرنے کا یہ معنٰے ہے۔ کہ اسے کامل طور پر کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے۔ کہ ڈرو اللہ سے جیسا ڈرنے کا حق ہے۔ یعنی کامل طور پر ڈرو۔

علماء کرام

میرے بزرگو! خدائے برتر و توانا سے خوف و خشیت ایک بہت بڑی اہم چیز ہے۔ اور یہ چیز علم والوں میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ خدا خود ارشاد فرماتا ہے کہ :-

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ ـــ (پ ۲۲ ع ۱۶)

اللہ سے اسکے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

دیکھ لیجئے۔ خدا خود اس بات کا اعلان فرما رہا ہے۔ کہ علماء کرام خدا سے ڈرنے والے ہیں۔ مگر افسوس کہ آج طبقہ جہلا علماء کرام پر پھبتیاں کستا ہے اور علماء کرام کو برا بھلا کہتا ہے۔ حالانکہ خدا سے ڈرنے والے یہی لوگ ہیں۔ اور خشیت الٰہی انہی کا حصہ ہے اور یہی لوگ ہیں۔ جو دوسروں کو

اللہ سے ڈرنے کا درس دیتے ہیں۔ مگر ظالم اور بے خوف لوگ جب اللہ ہی سے نہیں ڈرتے پھر کیوں نہ علمار کرام کو برا بھلا کہیں۔

میرے بزرگو! یہ جو آجکل بلیک۔ رشوت۔ سود۔ غبن۔ بدمعاشی۔ عیاشی بداخلاقی و فحاشی اور عریانی عام ہے۔ یہ سب خدا سے نہ ڈرنے کے نتائج بد ہیں۔ اور آپ تجربہ کر لیجئے۔ کہ ان سب امور کا ارتکاب وہی کرتے ہیں۔ جو عالم نہیں ہیں۔ "مولوی" خدا کے فضل سے کبھی فحاشی و عیاشی میں نہ پڑا ہے نہ پڑے گا۔ کیا کبھی آپ نے کسی مولوی کو بھی اپنی بیوی کو ننگے منہ پھراتے، اپنے دوستوں سے ملاقات کراتے، اور کلب میں نچاتے دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو شایانِ شان مسٹر ہی ہے۔ جس کے متعلق میں نے ایک نظم میں لکھا ہے۔ ؎

اُدھر وائف رہی شب بھر کلب میں ٭ اِدھر صاحب رہے گھر میں اکیلے

وہی لڑکی مہذب آج کل ہے ٭ جو دیکھے کھیل اور پولو بھی کھیلے

لطیفہ میں جس زمانہ میں راولپنڈی آرسنل میں خطیب تھا۔ ایک شب مری روڈ پر تقریر کر رہا تھا۔ کہ ایک رقعہ ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ اس محلہ میں ایک نوجوان کنواری لڑکی ہے۔ جو آرسنل میں ملازم ہے اور ہر روز بن ٹھن کر بے حجاب آرسنل میں جاتی ہے۔ اس کے متعلق بھی کچھ کہیں۔ میں نے یہ رقعہ پڑھ کر کہا۔ کہ اس کا بہترین علاج یہ ہے۔ کہ اس لڑکی کا نکاح کر دیا جائے۔ مگر کسی مولوی کے ساتھ کیا جائے۔ کسی آزاد خیال مسٹر سے نہیں۔ اس لئے کہ مولوی تو اس کا کفیل بن کر اسے ملازمت سے ہٹا لے گا۔ اور اسے بے حجاب نکلنے نہ دیگا۔ اور اگر کسی مسٹر سے کیا۔ تو بات ویسی کی ویسی ہی رہے گی۔ اس لئے کہ مسٹر اپنی آزاد خیال اور بے حجاب وائف پر فخر ہی کرے گا۔ اور اسے بے حجاب نکلتے اور تنخواہ لاتے دیکھ کر خوش ہی ہوگا۔ تو اس کا واحد علاج یہی ہے۔ کہ اسے کسی مولوی کی بیوی بنا دیا جائے

میرے دوستو! علمار کرام کا دل میں وقار پیدا کرو۔ اور اس مادر پدر

آزادی سے بچو۔ اور خوب یاد رکھو۔ کہ علماء کرام کے دشمن اپنی عریانی و فحاشی کی راہ میں "مولوی" کو ایک روڑا سمجھتے ہوئے اسے مٹا دینے کے درپے ہیں۔ مگر انشاء اللہ یہ لوگ اس ناپاک مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ علماء کرام کے دلوں میں خدا کا خوف ہے۔ اور خدا کی رحمت ان کے شامل حال ہے۔ اہل حق کو مٹانے والے خود ہی مٹ جائیں گے ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

اسلاف کا خوف

حضرات! اپنے بزرگوں کو دیکھئے۔ ان کے دلوں میں کس قدر خوفِ خدا تھا۔ اور وہ کس طرح ہر وقت اپنے اللہ سے ڈرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ؎

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّ جَحِیْمًا ۙ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا

"ہمارے پاس بیڑیاں ہیں۔ اور آگ ہے اور کھانا ہے گلے میں اٹکنے والا۔ اور عذاب ہے دکھ دینے والا"

حضرت عمران رضی اللہ عنہ یہ آیت سن رہے تھے۔ خدا کا خوف طاری ہوا اور غش کھا کر گر گئے۔ اور انتقال فرما گئے۔ (اخلاق الصالحین)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سورۂ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ کو پڑھنا شروع کیا جب وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ پر پہنچے۔ تو غش کھا کر گر پڑے۔ اور بہت دیر تک زمین پر لیٹتے رہے۔ (اخلاق الصالحین)

زرارہ بن اوفیٰ نے فجر کی نماز پڑھی اور فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ۔ پڑھتے ہوئے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اور وصال پا گئے۔ بعض سلف جب آگ دیکھتے یا چراغ جلاتے تو جہنم کو یاد کر کے صبح تک روتے رہتے۔ (اخلاق الصالحین)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو ہنستے ہوئے دیکھا۔ تو اس سے پوچھا کہ اے جوان! کیا تو پل صراط سے گزر چکا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا۔ کیا تجھے علم ہے کہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے یا جنت؟ اس

نے کہا نہیں۔ فرمایا۔ پھر یہ ہنسنا کیسا، اس کے بعد پھر وہ شخص کبھی نہ ہنسا۔

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں اپنی ناک ہر روز کئی مرتبہ اس خوف سے دیکھتا ہوں۔ کہ میرا منہ سیاہ نہ ہو گیا ہو۔

حضرت یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ تو حضرت عمرو بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ فرمایا۔ اے امیرالمومنین! تو وہ پہلا خلیفہ نہیں ہے۔ جو مرے گا۔ یعنی تجھ سے پہلے بھی کئی خلفاء انتقال کر گئے۔ اور تو بھی انتقال کر جائے گا۔ حضرت عمرو بن العزیز نے رونا شروع کر دیا۔ اور کہا۔ کچھ اور فرمایئے فرمایا کہ تیرے اور آدم علیہ السلام کے درمیان تیرے آباء میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہا۔ عمرو بن عبدالعزیز اور بھی زیادہ روئے۔ اور کہا۔ کچھ اور بھی فرمایئے۔ فرمایا جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی اور مقام نہیں۔ یعنی یا جنت یا دوزخ۔ اس پر حضرت عمرو بن عبدالعزیز اس قدر روئے کہ غش کھا کر گر پڑے۔ (اخلاق الصالحین)

اَللّٰہُ اَکْبَرُ! یہ تھے ہمارے اسلاف عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین — بھائیو! ان پاک لوگوں کے خوف و خشیت کو دیکھو۔ اور پھر سوچو کہ کیا تمہیں بھی کبھی آیات عذاب سن کر رونا آیا ہے۔ کبھی خوف خدا سے غش آیا ہے۔ کبھی کلام سنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوئے دیکھے۔ اگر نہیں۔ تو بھائیو! اپنی قساوت قلبی کا علاج کرو۔ اور اللہ کے کسی مقبول بندے کی غلامی اختیار کرو۔

سلطان الاعضاء دل

میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو! آج ہر طرف خدا کی نافرمانی عام ہے۔ اور ہر شخص ترقی اسلام ... ہاتھ پاؤں آنکھوں اور کانوں سے خدا کی نافرمانی کر رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے۔ کہ دل میں خدا کا خوف نہیں۔ یہ دل تمام اعضاء کا بادشاہ ہے۔ اور ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ سب اعضاء اس کے گویا لشکری اور سپاہی ہیں۔ سب اعضاء اس کی مرضی دیکھ کر اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔

اور اسی کی مرغوب چیز کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ مثلاً شاہ دل اگر سیب کھانا چاہے۔ تو فوراً سب کے سب لشکری اپنے بادشاہ کی خواہش کی تکمیل کے لئے آمادۂ کار ہو جاتے ہیں۔ پاؤں بازار کو دوڑتے ہیں۔ آنکھ سیب کو دیکھتی ہے۔ زبان اس کا سودا کرتی ہے۔ ہاتھ اس کو پکڑ کر منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ دانت اسے چبا کر سپرد حلق کر دیتے ہیں۔ اور حلق اسے نگل کر اپنے بادشاہ کی مرضی پوری کر دیتا ہے۔ اور اگر ایسی چیز جو چاہے لذیذ بھی ہو۔ دل پسند نہ کرے۔ اور کھانا نہ چاہے۔ تو آنکھ اسے دیکھتی بھی نہیں۔ ہاتھ اس کی طرف بڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ منہ بند ہو جاتا ہے۔ گویا سب لشکری اس سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ سلطان دل اگر کسی شے سے ڈرنے لگے تو اس کے سب لشکری بھی اس شے سے ڈرنے لگتے ہیں۔ اور اگر یہ جرأت سے کام لے تو ساری فوج بھی دلیر ہو جاتی ہے۔ مثلاً دل اگر سانپ کو دیکھ کر ڈرنے لگے۔ تو پاؤں سانپ کی طرف اٹھنے سے انکار کر دیں گے۔ آنکھیں اسے دیکھنے سے بیزار ہو جائیں گی۔ ہاتھ میں ہمت نہ رہے گی کہ کوئی پتھر اسے دے مارے۔ اور اگر دل بے خوف ہو تو پھر دیکھئے۔ آنکھ سانپ کو دیکھتی رہے گی۔ پاؤں فوراً اس کی طرف دوڑیں گے۔ اور ہاتھ کسی پتھر سے اس کا سر کچل دیں گے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کا اظہار اس ارشاد میں فرمایا ہے۔ کہ آدمی کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ایسا ہے۔ کہ اگر وہ سنور جائے تو سارا بدن سنور جاتا ہے۔ اور اگر وہ بگڑ جائے۔ تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ اور وہ دل ہے۔

ارشادِ رومی اور مولانا رومی نے اس حقیقت کا اظہار ان شعروں میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

شہ چوں حوضے واں حشم چوں لولہا
آب از لولہ رود در کولہا!

یعنی یہ شاہِ دل ایک حوض ہے۔ اور اس کا لشکر اعضاء اسکی ٹونٹیاں ہیں۔ اور حوض کا پانی انہیں ٹونٹیوں سے گڑھوں میں گرتا ہے ؎

چونکہ آبِ جملہ از حوضے است پاک
ہریکے آبے دہد خوشش ذوقناک

حوض کا پانی اگر صاف و پاک ہے۔ تو ہر ٹونٹی سے بھی پانی صاف اور پاک ہی بہے گا ؎

ور در آں حوض آبِ شور است و پلید
ہر یکے لولہ ہماں آرد پلشید!

اور اگر حوض کا ناپاک پانی ہے۔ تو ہر ٹونٹی ناپاک پانی ہی دیگی۔

حاکم ملک اور اسکے کارندے

مولانا کے ان اشعار کی یہ تشریح بھی ہوسکتی ہے۔ کہ ملک کا حاکم ایک حوض ہے۔ اور اس کے ارکان دولت ٹونٹیوں کی مانند ہیں۔ اس حوض یعنی حاکم ملک کے اخلاق کا پانی پہلے ان ٹونٹیوں یعنی ارکان دولت کو پھر ان ٹونٹیوں سے رعایا کو ملتا ہے۔ لہذا حاکم اگر حسن اخلاق کا مالک، شرع مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کا پابند اور اسلام کا گرویدہ و غلام ہے۔ تو لاریب اس کے ارکان سے بھی رعایا اسی حسنِ اخلاق اور اسلامی سیرت و کردار ہی کی صاف و شفاف دھاریں بہتی پائے گی۔ اور اگر اسکا حوض وہی یورپیا کے گندے پانی کے نل سے بھرا ہوا ہوگا۔ تو یقیناً تمام مملکت کی ہر ٹونٹی سے بھی وہی ناپاک قطرے بہیں گے۔ یہی باعث ہے۔ کہ عہد اسلامی کے زریں دور کے خلفائے عظام کی مقدس سوانح حیات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ ان اللہ والوں کے دورِ حکومت میں ملک کا ہر کارندہ خدا ترس اور رعایا پرور تھا۔ وہ لوگ کسی قسم کے جور و ستم جبر و ظلم سے واقف تک نہ تھے۔ اسلامی کردار و گفتار کے حامل، اور اسلام پر پورے پورے عامل تھے۔ اور یہی حال رعایا کا بھی تھا۔ وہ دین و دنیا میں خوشحال اور دینی ۔ دنیوی دولت سے مالامال تھے

یہ کیوں ؟ صرف اس لئے کہ خود ان کا امیر ایمان و اسلام کا علمبردار ہوتا تھا۔ مگر اس پُرفتن دور میں " وزیرے چنیں شہر یارے چناں " کے مصداق اوپر سے نیچے ۔ اور نیچے سے اوپر تک معاملہ ہی برعکس ہے۔ موجودہ یورپین تہذیب نے دنیا کے حوضہائے حکومت کچھ ایسے گندے اور ناپاک پانی سے بھر دیئے ہیں۔ کہ ہر چھوٹی بڑی ٹونٹی سے گندے اور ناپاک پانی ہی بہتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ الّا ما شاء اللہ !

دِل میں خدا کا خوف

حضرات ! میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ دل تمام اعضاء کا بادشاہ ہے۔ اور اعضاء سب اس کے لشکری ہیں اور بادشاہ جس چیز سے ڈرے ، لشکری بھی اس سے ڈرتے ہیں۔ لہٰذا دل میں اگر خدا کا خوف پیدا ہو جائے۔ تو سارے اعضاء بھی اللہ سے ڈرنے لگیں گے۔ اور یہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کبھی کوئی خلاف شرع حرکت کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ اور اگر دل خدا کے خوف سے خالی ہوگا۔ تو سارے اعضاء بھی خلافِ شرع حرکت کرنے سے نہیں ڈرینگے ۔ اور پھر یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا۔ خدا تعالیٰ ساری خدائی کے دل میں اسکا خوف پیدا فرما دے گا۔ یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ ساری خدائی اس سے ڈرتی ہے۔ چنانچہ حیوٰۃ الحیوان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے۔ کہ آپ شہر میں سے گزر رہے تھے۔ تو آپ نے بازار میں ایک ہجوم دیکھا۔ وجہ دریافت فرمائی تو پتہ چلا کہ ایک شیر جنگل سے آکر راستے میں بیٹھ گیا ہے۔ اٹھتا نہیں ہے اور لوگ ڈر کے مارے آگے نہیں جاتے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر آگے بڑھے۔ اور شیر کے پاس پہنچ کر اس کے کان پکڑ لئے۔ اور فرمایا۔" اٹھ اور جنگل میں چلا جا۔ تجھ سے وہ ڈرے جو خدا سے نہ ڈرے۔ بس اتنا کہنا تھا۔ کہ شیر اٹھا۔ اور واپس جنگل میں چلا گیا۔ بزرگو ! ایک تو وہ مسلمان تھے۔ اور ایک ہم بھی ہیں۔ جو چوہے سے بھی ڈر جاتے ہیں۔ کیوں ؟ اس لئے کہ دل میں خدا کا خوف نہیں ہے۔ اس کا خوف نکلا تو ہزاروں خوف سما گئے ۔

ڈرنا ہے تو اک اللہ سے ڈر　　مرنا ہے تو اس کی راہ میں مر
رکھ اس کی رضا پر اپنی نظر　　پھر ساری یہ دنیا تیری ہے

آزادی

افسوس آج اللہ سے بے خوفی کا نام لوگوں نے آزادی رکھ لیا ہے۔ یعنی خدا کے احکام سے بے خوف ہو کر جو جی میں آئے۔ آزادی سے کرو۔ یہ آزادی ہے۔ حالانکہ یہ آزادی سرتاپا بربادی ہے۔ آزاد وہ لوگ تھے۔ جو گرفتارِ خوفِ حق اور اسیرِ غمِ آخرت تھے۔ ان پاک لوگوں کے قلوب میں صرف اللہ کا خوف تھا۔ اور دنیا اور اس کے ماحول سے وہ یکسر بے نیاز تھے۔ انہیں لوگوں کے لیے اللہ نے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ فرمایا ہے۔ آج ذرا غور تو فرمایئے۔ کونسا دل ہے جو مطمئن ہے۔ ہر دل میں خوف ہے کہ خدا جانے کل کیا ہوگا؟ جنگ کا خوف، قحط کا خوف۔ سیلاب کا خوف۔ بیماریوں کا خوف۔ نقصان و اتلاف۔ جان کا خوف۔ مگر جو اللہ والے ہیں۔ جن کے دل میں خدا کا خوف ہے۔ وہ ہر حال میں مطمئن ہیں۔ ؎

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آئینہ چینی

دیکھئے آج ہمیں مالِ دنیا حاصل نہ ہو۔ تو غم، اور اگر مل جائے تو اس کے چھن جانے کا خوف، کسی پہلو اطمینان نہیں۔ مگر اللہ والوں کا یہ عالم ہے۔ کہ دنیا نہ آئے تو غم نہیں۔ اور آکر چلی جائے۔ تو کوئی فکر نہیں۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک مرید نے ہزاروں روپے کی قیمت کا ایک چینی آئینہ بھیجا۔ حضرت نے اسے قبول فرما کر ایک خادم سے فرمایا۔ اسے رکھ دو۔ خادم کے ہاتھ سے اتفاقاً وہ آئینہ چھوٹ گیا۔ اور ٹوٹ گیا۔ اور وہ ڈرتے ڈرتے، حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ ؎

از قضا آئینۂ چینی شکست!

یعنی حضور وہ چینی آئینہ تقدیراً میرے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ

گیا ہے۔ حضرت غوث اعظم نے جواب دیا ہے

خوب شد اسباب خود بینی شکست!

یعنی بہت اچھا ہوا۔ خود بینی کا ذریعہ ٹوٹ گیا۔ یعنی میں خدا بین ہوں۔ اور یہ آئینہ انسان کو اپنا آپ دکھاتا ہے۔ بڑا اچھا ہوا کہ اپنے آپ کو دیکھنے کا ایک سبب جاتا رہا۔ دیکھا آپ نے؟ اتنے بڑے قیمتی آئینے کے نہ آنے کی خوشی اور نہ جانے کا غم۔ ہم چونکہ ایک روپیہ بھی آجائے تو خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر وہ گم ہو جائے۔ تو خوشی کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے۔ کہ ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ تو میرے دوستو! آزادی کے حامل تو وہ لوگ تھے۔ یہ ہماری آزادی ایک برائے نام آزادی ہے۔ ورنہ ہزاروں مصائب و آلام کے ہم اسیر ہیں۔ اور یہ مصائب و آلام ہمارے اعمالِ بد کا نتیجہ ہیں۔ اور اعمالِ بد خدا کا خوف نہ ہونے کے باعث ہیں۔

مولوی آزادی کے مخالف نہیں

حضرات! علماء کرام آزادی کے مخالف نہیں ہیں۔ مگر ایسی آزادی کو جس میں اللہ و رسول کے احکام سے آزادی مل جائے۔ یقیناً وہ بُرا سمجھتے ہیں۔ آزادی یا ترقی پانے کے لئے مسلمان کے لئے بہر حال سب سے پہلے اسیر شرع ہونا ضروری ہے۔ اور اگر دین و مذہب ہی نہ رہا۔ تو پھر کفار کی برائے نام آزادی و ترقی اور مسلمان کی آزادی و ترقی میں فرق کیا رہا۔

یہ دنیاوی عہدے کس کام کے۔ جبکہ دینی کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
پھر اسکی کیا خوشی کوئی ڈپٹی ہے کوئی جج ہے

عاقبت کا خوف

مسلمانو! اس دورِ آزادی میں لوگ عاقبت کے خوف سے بھی آزاد ہو چکے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا۔ کہ ہمارے اسلاف دل میں عاقبت کا خوف رکھتے تھے۔

سلیمان علیہ السلام اور ھُدھُد

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہُدہُد

کا قصہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ کہ جب ایک مرتبہ اپنی بھری کچہری میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو غیر حاضر پایا تو بڑے جلال میں آکر آپ نے فرمایا۔

مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ۔ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ ٥ (پ ۱۹ ع ۱۷)

کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا۔ یا واقعی وہ حاضر نہیں۔ ضرور میں اسے سخت عذاب کروں گا۔ یا ذبح کر دونگا۔ یا کوئی روشن سند میرے پاس لائے۔"

یہ فرماکر پھر عقاب کو حکم دیا۔ کہ وہ اڑ کر دیکھے کہ ہدہد کہاں ہے۔ چنانچہ عقاب اڑا۔ اور بہت اوپر پہنچکر ساری دنیا کو اس طرح دیکھنے لگا۔ جس طرح آدمی اپنے ہاتھ کے پیالے کو دیکھتا ہے۔ حضرات! یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ بلکہ کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ دمیری علیہ الرحمتہ نے اپنی کتاب حیواۃ الحیوان کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۰۵ پر صاف یوں لکھا ہے کہ:۔

فَارْتَفَعَ فِی الْهَوَاءِ فَنَظَرَ اِلَی الدُّنْيَا كَالْقَصْعَةِ فِیْ يَدِ الرَّجُلِ۔

یعنی عقاب ہوا میں اتنا بلند ہوا۔ کہ ساری دنیا کو اس طرح دیکھنے لگا۔ جس طرح آدمی اپنے ہاتھ کے پیالے کو دیکھتا ہے۔"

میرے بھائیو! یہ ایک جانور کی نظر ہے۔ پھر جو شخص انبیاء و اولیاء کرام کی وسعتِ نظر کا انکار کرے۔ اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھے۔ کہ حضور کو (معاذ اللہ) دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہ ہوتی تھی۔ تو ایسے گمراہ کی گمراہی اور کم نظری کا آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے۔ ہمارا تو ایمان ہے۔ کہ یہ دنیا ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے۔ اور آپ ساری دنیا کو یوں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے اپنے کف دست کو۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر

خود فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میرے لئے اٹھائی اور میرے سامنے کر دی۔

فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَ اِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ۔ (مواہب لدنیہ) پس میں ساری دنیا کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے۔ ان سب امور کو اس طرح دیکھ رہا ہوں۔ جس طرح اپنی اس ہتھیلی کو"

علامہ زرقانی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

اِنَّہٗ نَظَرٌ حَقِیْقِیَّۃٌ دَفَعَ بِہٖ اِحْتِمَالُ اِنَّہٗ اُرِیْدَ بِالنَّظْرِ الْعِلْمِ (شرح المواہب ص۲۰۴ ج۷) یعنی حضور نے واقعی، اور حقیقی طور پر ساری دنیا کو دیکھا اور یہ خیال و احتمال کہ دیکھنے سے مراد صرف علم ہے۔ مدفوع و مردود ہے۔"

اس حدیث سے صاف صاف یہ بات ثابت ہوگئی۔ کہ ساری دنیا اور اس میں جو کچھ ہونے والا ہے۔ ہمارے حضور کے سامنے ہے۔ اور حضور واقعی اور حقیقی طور پر سب دنیا و مافیہا کو دیکھ رہے ہیں۔

اولیاء کی نظر

میرے بھائیو! یہ تو حضور کی بات ہے۔ حضور کے صدقہ میں اولیاء کرام کی نظریں اتنی وسعت ہے۔ کہ یہ ساری دنیا ان کے سامنے مثل اس دستر خوان کے ہے۔ جو سامنے بچھا ہوا ہے۔ اور جس کی ہر شے نظروں کے سامنے ہو۔ چنانچہ حضرت جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

"حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ می فرمود کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ و الرضوان می گفتہ اند کہ زمین در نظر ایں طائفہ چوں سفرہ ایست و ما می گوئیم چوں روئے ناخن است ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست" (نفحات الانس ص۲۷۹)

یعنی حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ یہ زمین اولیاء کرام کی نظریں مثل دسترخوان

کی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ مثل ناخن کی ہے۔ کہ کوئی چیز بھی ان کی نظر سے غائب نہیں۔"

بایزید علیہ الرحمۃ کی نظر

میرے بزرگو! یہ زمانہ جو برائے نام روشنی کا زمانہ ہے۔ در اصل تاریکی و ظلمت کا زمانہ ہے۔ انبیاء و اولیاء کرام کی وسعتِ نظر ایک مسلّم حقیقت ہے۔ مگر افسوس کہ اس نئی روشنی کے دور میں اس مسلّم حقیقت کا انکار کیا جا رہا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اولیاء کرام کی وسعتِ نظر کا یہ عالم ہے کہ ساری دنیا انکے سامنے ہے۔ اور نہ صرف یہی دنیا بلکہ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

لوحِ محفوظ است پیشِ اولیاء ❊ ازچہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی لوح محفوظ جس میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے۔ ان اولیاء کرام کے ہر وقت سامنے رہتی ہے۔ تو فرمایئے۔ جن کی نظروں کے سامنے لوح محفوظ رہے، ان سے کیا چیز غائب رہ سکتی ہے۔ ان اولیاء کرام کی شان اور ان کی وسعتِ نظر دیکھنے کے لئے حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کا قصہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ یہ واقعہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت بایزید علیہ الرحمۃ نے اپنے مریدوں میں حضرت ابوالحسن خرقانی کی ولادت سے پہلے ہی کئی سال ان کی ولادت کی خبر دے دی تھی۔ اور فرمایا تھا۔ کہ مجھے سرزمین خاقان سے ابوالحسن کی خوشبو آ رہی ہے۔ اور پھر نہ صرف یہ کہ حضرت ابوالحسن خرقانی کی پیدائش ہی کی قبل از وقت خبر دے دی۔ بلکہ ان کی شکل و صورت اور رنگ اور نام کی بھی اطلاع دے دی۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گفت زیں سو بوئے یارے می رسد
کاندریں دہ شہریارے مے رسد

یعنی بایزید نے فرمایا۔ کہ مجھے اس (خرقان کی) طرف سے یار کی خوشبو آ رہی ہے۔ اس قصبہ سے ایک شہریار پیدا ہونے والا ہے ؎

بعد چندیں سال مے زائد شہے ❊ مے زند بر آسمان با خرگہے

اور اتنے سالوں کے بعد وہ پیدا ہوگا۔ گویا میعاد بتا کر سنہ ولادت کی بھی خبر دے دی۔ ؎

چیست نامش گفت نامش بوالحسن ٭ حلیہ اش واگفت زا برو تا ذقن

نام پوچھا گیا۔ تو فرمایا۔ اس کا نام ابوالحسن ہوگا۔ اور پھر ان کا سارا حلیہ بھی مکمل طور پر بیان فرما دیا ؎

قدِ اُو و رنگِ اُو و شکلِ اُو ٭ یک بیک واگفت از گیسوئے او

ان کا قد، ان کا رنگ اور شکل اور گیسو ایک ایک بات صاف صاف بیان فرما دی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ مریدوں نے حضرت بایزید کی یہ باتیں لکھ لیں۔ اور وہ سنہ اور تاریخ بھی لکھ لی۔ چنانچہ فرمایا ؎

برنوشتند آں زماں تاریخ را ٭ از کباب آراستند آں سیخ را

یعنی مریدوں نے سنہ اور تاریخ سب کچھ لکھ لیا ؎

چوں رسید آں وقت و آں تاریخ راست
زاں زمین آں شاہ پیدا گشت و خاست

جب وہ زمانہ اور تاریخ آئی تو بالکل اسی خبر کے مطابق اس سرزمین سے ابوالحسن پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے نقل کرنے کے بعد مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

لوحِ محفوظ است پیشِ اولیاء
از چہ محفوظ است محفوظ از خطاء

یعنی وہ لوحِ محفوظ جو ہر خطا سے محفوظ ہے۔ اور جس میں ساری آئندہ کی اور غیب کی باتیں لکھی ہیں۔ وہ ہر وقت ان اولیاء کرام کے سامنے رہتی ہے۔ پھر ان سے کوئی چیز چھپی کیسے رہے؟

حضرات! پوچھو ان شرک و بدعت کے تقسیم کرنے والوں سے کہ اب کیا کہتے ہو۔ مولانا رومی کے حق ہیں؟ جنہوں نے یہ غیب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے لئے بھی ثابت فرما دیا۔ اور حضرت بایزید کا واقعہ لکھ کر یہ ظاہر کر دیا۔ کہ حضور تو حضور ہیں۔ آپ کے صدقہ میں آپکے غلاموں کی یہ شان ہے۔ کہ آنے والی باتوں کو وہ حرف بحرف اور مو بمو جانتے ہیں۔

ذرا غور تو فرمائیے۔ کہ حضرت ابوالحسن ابھی شکمِ مادر میں بھی نہیں آئے۔ اور حضرت بایزید ان کی پیدائش کی خبر دے رہے ہیں۔ اور نہ صرف ان کی پیدائش کی خبر بلکہ ان کے شہر کی ان کے حلیہ و نام کی بھی خبر دے رہے ہیں۔ بھائیو! جس ذاتِ بابرکات کے غلاموں کا یہ علم ہے۔ اس ذاتِ بابرکات علیہ افضل التحیات کے اپنے علم کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ جس کے غلاموں کے سامنے لوحِ محفوظ رہتی ہو۔ اس کی اپنی نظر سے کوئی چیز غائب کیسے رہ سکتی ہے؟ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔ ؎

دل فرش پر ہے تری نظر، سرِ عرش پر ہے تری گزر!
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

بھائیو! یہ اولیاء کرام کے جملہ علوم حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے علم پاک کی شاخیں ہیں۔ اور بقول شاعر "اسی دریا سے یہ نہریں ہوئیں جاری ساری"۔ یہ سب علوم اسی دریائے علم کی نہریں ہیں۔ پھر آپ خود ہی فیصلہ کرلیں۔ کہ جو گستاخ حضور ہی کے علم پاک کے منکر ہیں۔ اور علمِ غیبِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلیم نہیں کرتے۔ کس قدر جاہل اور دشمنانِ حق ہیں اور حقیقت سے بے خبر ہیں۔

محمدؐ آدمی کے دل کی باتیں جان جاتے ہیں

ایک روایت یاد آئی۔ جو خصائص کبریٰ کے ص۲۰۱ جلد ۱ پر اور دلائل الخیرات کے ص۱۸ جلد ۲ پر موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں سے تاوان طلب فرمایا۔ تو ان قیدیوں میں حضور علیہ السلام کے چچا حضرت عباس بھی تھے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے چچا سے بھی تاوان طلب کیا۔ تو چچا نے جواب دیا۔ لَقَدْ تَرَکْتَنِیْ یَتَکَفَّفُ قَوْمِیْ یعنی آپ نے مجھے کہ میں اس حال میں چھوڑا تھا۔ کہ میں ساری قوم سے غریب تھا" حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ چچا! اور وہ جو تم اپنی بیوی ام فضل کو علیحدگی میں سونے کی ڈلیاں دے کر آئے ہو۔ ؎

وہ سب دولت ہے ام فضل کی تحویل میں اب تک

یہ جرمانہ ادا کر دو ، چھپاؤ گے بھلا کب تک
جنابِ حضرتِ عباس پر رعشہ ہُوا طاری
کہ پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبر داری
خیال آیا مسلمان نیک و بد پہچان جاتے ہیں
محمدؐ آدمی کے دل کی باتیں جان جاتے ہیں
پکار اٹھا بحالِ وجد میں ایمان لے آیا
بجا ہے ، راست ہے جو کچھ رسول اللہ نے فرمایا

یہ دیکھئے ! حضرت عباس نے آتے وقت علیحدگی اور پوشیدگی میں جو سونے کی ڈلیاں اپنی بیوی کو دیں۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاں ہو گئیں ۔ تو فرمائیے ! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کی چیز سے بے خبر بتانے والے کس قدر خود ہی بے خبر ، اور گمراہ ہیں ۔ ؎

یارسول اللہ

تو وانائے ماکان اور مایکون ہے ٭ مگر بے خبر ، بے خبر دیکھتے ہیں

ہُدہُد کا قصہ

ہاں میں کہہ یہ رہا تھا۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو غائب پاکر جب عقاب کو پتہ لانے کے لئے بھیجا ۔ اور عقاب اوپر اڑا۔ تو اس نے ہدہد کو یمن کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ عقاب فوراً اس کے پاس پہنچا۔ اور کہا تیری ماں تجھے روئے۔ اپنی فکر کر لو۔ اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام نے تمہارے لئے قسم کھائی ہے کہ میں ہدہد کو سخت سزا دونگا۔ ہدہد نے ڈرتے ہوئے کہا۔ اور اللہ کے نبی نے اس قسم میں کسی بات کا استثنار بھی فرمایا ہے۔ یا نہیں ؟ عقاب نے کہا۔ ہاں فرمایا ہے کہ یا کوئی روشن سند میرے پاس لائے ۔" ہدہد نے کہا تو پھر میں نجات پاگیا ۔ میں ان کے لئے ایک بہت بڑی خبر لایا ہوں۔ پھر عقاب اور ہدہد دونوں بارگاہ سلیمانی میں حاضر ہوئے حضرت سلیمان نے جلال میں آکر فرمایا ۔ ہدہد کو حاضر کرو ۔

ہدہد بچارہ اپنی دم نیچے کئے ہوئے زمین پر ملتا ہُوا اور کانپتا ہُوا حضرت کے قریب آیا۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا

اس وقت ہدہد نے کہا :۔

اُذْکُرْ وَقُوْفَكَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ ـــ حضور! اللہ کے سامنے اپنی حاضری کو بھی یاد کر لیجئے ـــ"

ہدہد کا اتنا کہنا تھا۔ کہ اللہ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ بات سن کر ایک دم ہدہد کو چھوڑ دیا۔ اور رونے لگے۔ اور پھر فرمایا۔ اے ہدہد! جا میں نے تجھے معاف کر دیا۔ اس کے بعد پھر اس سے غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ اور ہدہد نے ملکہ بلقیس کا سارا قصہ بیان کیا۔

میرے بھائیو! اس قصہ سے مجھے بتانا یہ ہے۔ کہ دیکھئے ایک پیغمبر کا دل اللہ کے خوف سے کس قدر معمور ہے۔ باوجود معصوم ہونے کے وہ خدا کا خوف رکھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہم سراپا گنہگار ہونے کے باوجود اللہ کے خوف سے عاری ہیں۔ میرے بھائیو! اللہ سے ڈرو اور اس طرح ڈرو۔ جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ آیت مذکورہ میں اللہ نے یہی درس دیا ہے۔ اور پھر اس کے بعد فرمایا ہے کہ :۔

تکمیلِ اسلام

تم مرو تو مسلمان ہی رہ کر مرو۔ یعنی زندہ رہو تو مسلمان بن کر، اور مرو بھی تو مسلمان ہی رہ کر مرو۔ میرے بزرگو! ہمارا اسلام اس قسم کا نہ ہونا چاہیئے۔ کہ سٹیج پر آئیں تو خادم اسلام اور کوٹھیوں میں جائیں تو الحاد و زندقہ کی مکمل تصویر بن جائیں جیسے کہ آجکل کے " جنٹلمینوں" کا اسلام ہے۔ نام کے مسلم اور کام کے غیر مسلم۔ یاد رکھو۔ کامل مسلمان وہ ہے۔ جس کی ہر ہر ادا اسلام میں رنگی ہوئی ہو۔ جس کی چال ڈھال، اور سیرت و صورت، مکمل مسلمانوں کی سی ہو۔ نہ ایسی کہ جسے دیکھ کر بقول اقبال یہودی بھی شرما جائیں۔ وہ کہتا ہے نا!

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

دوستو! یہ شعر کسی مولوی کا نہیں۔ بلکہ یہ اقبال کا شعر ہے۔ اور وہ آجکل کی مسلمانی کا رونا رو رہا ہے۔ اور بتا رہا ہے۔ کہ آج کل کی مسلمانی کیا ہے۔

صورت میں عیسائی اور سیرت میں ہندو ـــ

ہر چہ خواہی پوش

بھائیو! یہاں جنٹلمینوں نے ایک مصرع یاد کر رکھا ہے، وہ کہتے ہیں۔ ع " درعمل کوش ہر چہ خواہی پوش"

یعنی لباس کا کیا ہے۔ کسی طرح کا بھی پہن لو۔ کوئی بھی وضع ہو۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر" ہر چہ خواہی پوش" ایسا عام ہے۔ تو ذرا مہربانی کر کے زنانے کپڑے بھی پہن کر دکھلائیے۔ اور بیگم صاحبہ کو اپنے مردانے کپڑے بھی پہنا دیجئے۔ اور کبھی زنانہ وضع اختیار کر کے خود کانٹے بھی پہن کر نکلئے اور بیوی صاحبہ کو پگڑی مندھا کر دکھائیے۔ اگر آپ ایسا کریں تو ہم بھی وضع کی نسبت فتویٰ دینا چھوڑ دینگے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسلام کو کچھ ایسا ماڈرن قسم کا اسلام بنا لیا ہے۔ کہ عیسائیت اور اس میں کچھ فرق ہی باقی نہیں رہ گیا۔

برقِ کلیسا

چنانچہ اس باب میں اکبر الہ آبادی نے ایک مزیدار نظم برق کلیسا کے نام سے لکھی ہے، وہ لکھتا ہے۔

ے
رات اس مِس سے کلیسا میں ہوا میں جو دو چار
ہائے وہ حُسن و شوخی وہ نزاکت وہ ابھار

یعنے رات کو گرجا میں محبوبہ سے جو سامنا ہو گیا۔ تو اس کے حسن و شوخی کا عالم میرے لئے وجہ اضطراب بن گیا۔ اکبر نے اس پہلے شعر ہی میں آج کل کے " ماڈرن مسلمانوں" پر چوٹ کی ہے۔ گویا یہ ماڈرن مسلمان مسجدوں میں تو نہیں آتے اور گرجے میں جاتے ہیں۔

اکبر پھر اس شوخ مِس کے ناز و انداز کا نقشہ کھینچتا ہے۔ ے

دلکشی ناز میں ایسی کہ ستارے رُک جائیں!
سرکشی چال میں ایسی کہ گورنر جُھک جائیں

اس قدر ناز و انداز کے پرکالے کو دیکھ کر اکبر کا کیا حال ہوا؟ سنیئے ے

پِس گیا لوٹ گیا دل میں سکت ہی نہ رہی
سُر تھے تمکین کے جتنے گت ہیں وہ گت ہی نہ رہی

اکبر کہتا ہے۔ کہ اس عالم میں میں نے دل کو بہت سنبھالا۔ مگر ؎

ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا

اس کے بعد اکبر صاحب کہتے ہیں۔ کہ دل سے مجبور ہو کر میں نے اس مس سے کہہ ہی دیا کہ ؎

تو اگر عہد وفا باندھ لے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

اسکے جواب میں اس مس نے جواب جو دیا وہ بھی سنیئے۔ وہ بولی ؎

غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے انسانوں سے

یعنی اے اکبر! تو مسلمان ہے۔ اور یہ قوم تو بڑی مجاہد اور دین کی خاطر خون بہا دینے والی قوم ہے۔ میں ایسی قوم کے کسی فرد سے انس رکھوں؟ یہ ممکن نہیں۔ پھر کہتی ہے۔ ؎

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر

یعنی یہ مسلمان تو نمازی بھی ہیں اور غازی بھی۔ لہٰذا میں تم سے انس پیدا نہیں کر سکتی۔ اکبر نے اس مس کی زبان سے مسلمانوں کے اوصاف گنوا کر پھر عجیب رنگ میں آج کل کی ماڈرن مسلمانی کا تذکرہ کیا ہے، اور اس مس کو جواب دیا۔ کہ ؎

مجھ سے کچھ وجہ شکایت تمہیں اے جان نہیں
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں

یعنی اے مس! کیوں گھبراتی ہے۔ وہ مسلمان اگلے زمانے والے اب کہاں؟ یہ جو اوصاف تو نے بیان کئے ہیں۔ یہ تو پہلے مسلمانوں کے تھے اور اب جو ہم لوگ ہیں۔ یہ تو محض نام ہی کے مسلمان ہیں۔ لہٰذا ؎

مرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو

ہنس کے بولی وہ کہ پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

یعنی جب اکبر نے کہا کہ میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو۔ تو مس نے جواب دیا۔ کہ اگر یہ بات ہے تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو۔

دوستو! کچھ سمجھے آپ؟ اکبر نے عجیب رنگ میں آجکل کے ماڈرن اسلام کا پول کھولا ہے۔ منشا اس کی یہ ہے کہ یہ "جنٹلمین اسلام" عیسائیت سے ملتا جلتا ہے۔ اور آجکل کے برائے نام مسلمان" وہ اسلام" جیسی کتابیں لکھ پڑھ کر اصلی اسلام سے دور رہ کر کسی دوسرے ہی اسلام کے دلدادہ ہیں یاد رکھو۔ اس قسم کا برائے نام اسلام اسلام نہیں۔ اسلام وہی ایک پرانا اسلام ہے۔ جسے صحابہ و تابعین اور بڑے بڑے اولیاء اور جمہور نے اپنایا۔ یہ وہ اسلام والا نیا اسلام اس نئی روشنی کا ایک کرشمہ ہے جو مسلمانوں کو اسلام سے دور کر رہا ہے۔ میرے بھائیو! خدا کا ارشاد ہے کہ تم مسلمان ہو۔ مسلمان ہی جیو۔ اور مرو بھی تو مسلمان ہی مرو ــــ چونکہ اس دور میں بڑے بڑے فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ اور یہ دین و مذہب کے لئے بڑا ہی خطرناک دور ہے۔ ذرا سی لغزش سے آدمی گمراہ ہوسکتا ہے۔ اور مرتے دم ایمان سے خالی جا سکتا ہے۔ اس لئے لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ــــ خدا کے ارشاد کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور اسی فکر میں رہنا چاہیئے۔ کہ مرتے ہوئے ہم ایمان لے کر مریں۔

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا قطعۂ عید

میرے بھائیو! انجام کی بہتری ہی میں سب بھلائی مضمر ہے۔ اگر مرتے دم ایمان لے کر مرے تو سمجھئے بیڑا پار ہے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ عمر بھر کی پونجی ضائع ہو گئی۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس محلہ کے چند بچے حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ حضور کل عید ہے۔ ہمیں کوئی عید کا قطعہ لکھ دیجئے۔ آپ نے حسب ذیل رباعی لکھ کر دے دی ــ

خلق گوید کہ فردا روزِ عید است ⁂ خوشی در روح ہر مومن پدید است

دراں روزے کہ با ایماں بمیرم ⁂ مرا در ملکِ خود آں روزِ عید است

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کل عید ہے۔ اور ہر مسلمان خوش ہے۔ مگر جس دن میں ایمان کے ساتھ مروں گا۔ میرے لئے تو وہ دن عید کا ہوگا۔"
سبحان اللہ! اتنے بڑے غوث اور مقبول حق۔ مگر ہمیں اپنے انجام کی فکر کرنے کے لئے کس عجیب پیرائے میں درس دے گئے۔ گویا ہمیں سبق دے گئے۔ کہ مسلمانو! مرو تو مومن و مسلمان ہی رہ کر مرو۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہی ہے۔ کہ ایمان سلامت رہے۔ دوستو! اسی واسطے آدمی جب نزع کے عالم میں ہو تو حکم یہ ہے۔ کہ اس کے پاس بیٹھ کر کلمہ شریف پڑھو۔ مگر اسے یوں نہ کہو۔ کہ کلمہ پڑھ۔ اس لئے کہ وہ نزع کے عالم میں ہے۔ اور تکلیف میں ہے۔ اگر اسے کہا گیا کہ کلمہ پڑھ تو ممکن ہے۔ کہ وہ کہدے۔ کہ نہیں پڑھتا۔ تو اس طرح وہ بے ایمان ہو جائے گا۔ ہاں اس کے پاس بیٹھ کر کلمہ پڑھتے رہو۔ تاکہ وہ بھی سن کر پڑھنے لگے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اگر جیو تو مسلمان ہی رہو۔ اور مرتے دم تک مسلمان رہو۔ اور مرو بھی تو مسلمان ہی رہ کر۔ اسلام کو ادھورا نہ چھوڑ دینا۔ بلکہ تکمیل اسلام یہ ہے کہ اسلام ہی پر خاتمہ ہو۔ آج کل لوگوں میں لہو ولعب کا بڑا شوق ہے۔

لہو ولعب

سینما و تھیٹر کا شوق۔ جوئے و سٹے کا شوق۔ گھوڑ دوڑ و بٹیر بازی کا شوق۔ میخواری و عیاری کا شوق۔ کیا کیا عیاشیاں اور ناعاقبت اندیشیاں نہیں ہیں؟ بھائیو! ایسا نہ ہو کہ کھیل دیکھتے ہوئے دم نکل جائے۔ جوا و سٹہ کی بازی لگاتے ہوئے ہاٹ فیل ہو جائے۔ شراب پیتے ہوئے موت آجائے۔ توبہ کرو۔ اور ایسی زندگی اختیار کرو کہ اللہ اللہ کرتے ہوئے موت آئے۔ درود شریف پڑھتے ہوئے دم نکلے۔ ذکرِ حق کرتے ہوئے جان نکلے۔ ایسی موت آئے۔ تو خدا بھی خوش، اور خدائی بھی آفرین و تحسین کے پھول برسائے گی۔ دیکھ لو۔ جن اللہ والوں کی خدا کی یاد میں عمر تمام ہوتی ہو۔ آج تک کس طرح ان کے مزار بھی مرجع خلائق ہیں۔ مگر جو بدمعاشی اور عیاشی میں مرتے ہیں۔ خدا بھی ناخوش، اور خدائی بھی انہیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتی۔

موت کو یاد رکھو

میرے بھائیو! مرنا تو سب نے ہے ہی۔ موت سے کس کو مفر ہے۔ اسی واسطے موت کو ہر وقت یاد رکھنے کا حکم ہے۔ دیکھئے قرآن پاک میں ہے کہ جب تم گھوڑے یا کسی دوسری سواری پر سوار ہونے لگو۔ تو یہ آیت پڑھو:-

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (پ۲۵ع۷) پاکی ہے اُسے جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں کر دیا۔ اور یہ ہمارے ہونے کی نہ تھی۔ اور بیشک ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے"

اس آیۃ کریمہ کا پہلا حصہ تو سواری کے مناسب نظر آ رہا ہے۔ مگر آگے جو فرمایا گیا ہے۔ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ اور بیشک ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے" اس کو بظاہر پہلے مضمون سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر بزرگانِ دین نے اس کو سمجھا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ خدا کے بندو! اس جانور پر سوار ہونے سے دوسری سواری کو بھی یاد رکھو اور سمجھ لو کہ تم کو کسی تختہ یا چارپائی پر بھی سوار ہونا ہے۔ جس میں تم کو رکھ کر چار آدمی لے جائینگے۔ اصل سواری وہی ہے۔ کہ جس پر سوار کر کے تم کو خدا کے ہاں پہنچا دیں گے۔ تو اسے بھائیو! جب جانور پر سواری کرتے وقت بھی موت کو یاد کرنے کا حکم ہے۔ تو کسی میت کو دیکھ کر یا قبرستان میں پہنچکر موت کو یاد کرنے کا حکم کیوں نہ ہوگا۔ مگر افسوس! آج ہم پر اس قدر غفلت طاری ہے کہ قبرستان میں بیٹھے ہیں۔ اور مقدمے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم موت سے ڈرتے بھی بہت ہیں۔ چونکہ اسی دنیا کو ہم نے اپنا گھر سمجھ رکھا ہے۔ اس لئے یہاں سے جدا ہونے کا رنج و غم ہوتا ہے ورنہ جب آدمی سفر میں ہوتا ہے۔ تو جتنا گھر سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ خوشی بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہاں یہ حالت ہے کہ جوں جوں مرنے کے دن قریب آتے ہیں۔ روح فنا ہوتی ہے۔ اور یہ حالت دنیا داروں ہی کی ہے کیونکہ وہ دنیا ہی کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ بخلاف اللہ والوں کے کہ انہیں نہ اپنے

مرنے کی پرواہ، نہ اولاد کے مرنے کی پرواہ ہوتی ہے۔ وہ موت کو بمصداق اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ" ایک ایسا پل سمجھتے ہیں جو اس کنارے سے اس کنارے پر لے جاکر دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت خلیل علیہ السلام اور ملک الموت

چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کے پاس جب ملک الموت حاضر ہوا۔ تو حضرت خلیل نے اسے فرمایا۔ جان قبض کرنے سے پہلے میری طرف سے خدا کو جاکر کہو کہ دوست کیا اپنے دوست کی جان بھی لیتا ہے؟ ملک الموت نے خدا کے حضور یہ پیغام خلیل عرض کیا۔ تو خدا نے فرمایا۔ تم جاکر میری طرف سے یہ جواب دو کہ دوست، دوست کو بلائے تو کیا دوست آنے سے انکار بھی کرتا ہے؟ ملک الموت نے یہ بات حضرت خلیل سے کہی۔ تو آپ کو بڑا لطف حاصل ہوا۔ اور خوشی سے فرمایا کہ چلو پھر چلتے ہیں۔ اور جان قبض کرنے کی اجازت دے دی۔

دیکھا آپ نے! یہ اللہ والے موت کو ایک ذریعہ وصال سمجھتے ہیں۔

شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ جب میں اپنے استادِ حدیث، شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب الوری قدس سرہٗ سے دورۂ حدیث پڑھ رہا تھا۔ اور بخاری شریف میں جب یہ حدیث آئی کہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ "ان کے متعلق کیا کہتے ہو" اس موقعہ پر پہنچے۔ تو شیخ المحدثین حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمایا کہ یہ حدیث پڑھتا ہوں۔ تو ابھی مرجانے پر دل چاہتا ہے۔ تاکہ حضور کا دیدار ہو۔ اسی باب میں اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بھی ہے ؂

جان تو جاتے ہی جائے گی، قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

حضرت مولانا آسی علیہ الرحمۃ کا بھی ایک شعر سن لیجیے۔ وہ فرماتے ہیں ؂

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی!
جس کے جویاں تھے ہے اس گُل کی ملاقات کی رات

اور میرے بھی اشعار سن لیجئے :۔

وہ تنہائی، تاریکی، تنگی لحد کی! یہ سنکر میرے دل کی حالت بُری تھی
مگر اس خبر نے مجھے دی تسلّی! کہ واں مصطفٰے کا بھی دیدار ہوگا

اَلدُّنیا سِجنُ المُؤمن یہ جو حدیث میں آتا ہے۔ اَلدُّنیا سِجنُ المُؤمِن۔ دنیا مومن کے لئے جیلخانہ ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ جیلخانہ میں اگرچہ کیسا ہی عیش ہو۔ اور سب سامانِ راحت موجود ہوں۔ مگر وہاں جی نہیں لگتا۔ تو مسلمان کی شان یہ ہے کہ دنیا میں اس کا جی نہ لگے۔ اگرچہ بظاہر اس میں کیسا ہی عیش و آرام ہو۔ کیونکہ جی لگنے کی جگہ گھر ہے۔ اور وہ گھر نہیں ہے۔ پھر جب جی نہ لگے گا۔ تو کیوں سوچے گا۔ کہ یوں ہو۔ اور یوں نہ ہو۔ یہ ہو اور وہ نہ ہو۔ بلکہ اب سوچے گا۔ کہ دنیا تو پردیس ہے۔ یہاں جس طرح سے بھی دن گزر جائیں۔ اور دنیا کی فکر کی بجائے اب یہ ہوگا۔ کہ انجام اچھا ہو۔ اور آخرت بن جائے۔ اور آخرت بننے کے لئے یہی نسخہ ہے۔ کہ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْن ۔ یعنی مرو تو مسلمان رہ کر مرو۔ میں یہی کہہ رہا تھا۔ کہ مرنا تو سب ہی نے ہے تو بھائیو پھر کیوں نہ ہم ایسی موت مریں۔ جو خدا کے حکم کے مطابق ہو۔ یعنی مسلمانی کی موت۔ بھائیو! ہم میں جو جو غیر اسلامی حرکتیں ہیں۔ ان کو ترک کردو۔ اور آج سے کامل مسلمان بن کر جینے اور مسلمان ہی رہ کر مرنے کا عہد کر لو۔ خوب یاد رکھو کہ مرنا ضرور ہے۔ اور اگر غیر اسلامی موت واقع ہو گئی۔ تو عاقبت برباد ہو گئی۔ آج وقت ہے کہ ہم موت سے پہلے پہلے کامل مسلمان بن جائیں۔ اور اسلام پر ہی مرنے کا عہد کر لیں۔ ورنہ پھر وقت ہاتھ نہ آئیگا

لطیفہ کہتے ہیں ایک شخص سو رہا تھا۔ اور سوتے میں اس نے خواب دیکھا کہ اسے ایک بھینس مل گئی ہے۔ وہ بھینس کو لے کر خوشی خوشی گھر آ رہا تھا۔ کہ راستے میں بھینس کا ایک خریدار بھی مل گیا۔ خریدار نے

پوچھا۔ کیوں بھئی! اس بھینس کا کیا لوگے؟ وہ شخص بولا۔ پانچسو روپے خریدار نے کہا۔ نہیں صاحب دو سو لے لو۔ اس نے کہا۔ نہیں صاحب۔ پانچسو سے ایک پیسہ بھی کم نہیں۔ خریدار نے پھر کہا۔ دو سو بہت ہیں۔ دو سو لے لو۔ اب اس شخص نے زور سے کہا۔ نہیں پانچ سو ہی لوں گا۔ زور سے جو "نہیں" کہا تو آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ نہ بھینس ہے نہ پانچسو۔ اور نہ دو سو۔ بڑا پچھتایا اور پھر آنکھیں بند کر کے بولا۔ اچھا لا دو سو ہی دے جا ۔ مگر اب دو سو بھی کہاں۔ اس وقت سودا کر لیتا۔ تو تھوڑے وقت کے لیے کچھ تو مل جاتا۔ میرے بھائیو! مطلب میرا یہ ہے۔ یہ وقت ہے کچھ کر لو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ اب مولانا رومی کی بیان کردہ ایک حکایت بھی سن لیجئے۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت

وہ فرماتے ہیں۔ ایک دریا کے قریب ہی تھوڑے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گڑھا تھا۔ جس میں تین مچھلیاں رہتی تھیں۔ اتفاقاً وہاں ایک ماہی گیر آیا اور اس نے جب اس گڑھے میں تین مچھلیاں دیکھیں تو کہنے لگا۔ کل جال لاؤں گا اور تینوں مچھلیوں کو پکڑ لوں گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ ان تینوں مچھلیوں میں ایک تو بڑی دانا تھی۔ اور دوسری نیم عاقل تھی۔ اور تیسری بڑی احمق تھی۔ مگر اپنے آپ کو دانا سمجھتی تھی۔ مولانا رومی کے اشعار کا اردو منظوم ترجمہ سنیئے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

مشورہ دونوں سے عاقل نے کیا | تم نے ماہی گیر کا کہنا سنا!
ہے مری رائے کہ ہم سب رات بھر | کر کے محنت گرتے پڑتے جلد تر
یاں سے دریا کی طرف جائیں نکل | ورنہ یہ جانو کہ بس آئی اجل
نیم عاقل نے کہا سب کچھ سنا | وہ جو ماہی گیر اور تو نے کہا
پر مرے پیارے نبی کا ہے سخن | جزو ہے ایمان کا حب الوطن
میں نہ جاؤں گی وطن کو چھوڑ کر | جان کو بھی ہو اگر میرے خطر
یہ کہا عاقل نے اور سن کر ہنسی | تجھ کو بھی معلوم ہے قولِ نبی!

ہے غلط فہمی یہ تیری اے بہن ‫ ‫ عارضی پانی کو تو سمجھی وطن

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اس کے بعد وہ احمق مچھلی بولی اور کہا۔ ؎

یہ کہا احمق سلنے ہیں ایسی نہیں ‫ ‫ لے پکڑ صیاد جو مجھ کو کہیں
اتنے پانی ہیں نہ میں آؤں گی ہاتھ ‫ ‫ جانتی ہوں خوب صیادوں کی گھات

عاقل مچھلی نے جب ان دونوں مچھلیوں کا جواب سنا تو ؎

چل پڑی دریا کی جانب یہ کہا ‫ ‫ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
جو کوئی کرتا ہے خود اپنی مدد ‫ ‫ اس کی کرتا ہے خدا خود بھی مدد

اس کے بعد دوسرے دن ماہی گیر آیا۔ تو ؎

نیم عاقل نے بھی یہ تدبیر کی ‫ ‫ دم لیا گھونٹ اور مردہ بن گئی
جان کر صیاد نے اس کو موا ‫ ‫ پھینکا دریا کی طرف واں سے اٹھا
اس جگہ سے جست کر کے ایک بار ‫ ‫ پہنچی دریا میں ہنسی بے اختیار

اور جو احمق مچھلی تھی اس کا کیا حشر ہوا ؎

تیسری احمق پھنسی جب جال میں ‫ ‫ خوب روئی یاد کر کے پھر انہیں
اپنی خود رائی پہ پچھتائی بہت ‫ ‫ اپنی نادانی سے شرمائی بہت

نتیجہ

مولانا رومی اس حکایت کو لکھ کر نتیجہ یہ بیان فرماتے ہیں ؎

ہے مراد عاقل سے یاں وہ متقی ‫ ‫ جو جیا بے عیب ساری زندگی
نیم عاقل سے غرض ہے وہ جوان ‫ ‫ عمر اول جس نے کھوئی رائیگاں
ہوش میں وہ آگیا پر وقت پر ‫ ‫ عاقبت کو کچھ نہ پہنچایا ضرر!!

ہے مراد احمق سے یاں وہ بےحیا
غرق عصیاں جو بڑھاپے تک رہا

میرے دوستو! اس حکایت سے سبق حاصل کرو۔ اول تو اس دانا مچھلی کی طرح عاقبت کی فکر کرو۔ موت کا شکاری آنے والا ہے اپنی زندگی اسلامی سانچے میں ڈھال لو۔ اور اگر آج تک، غفلت طاری رہی ہے۔ تو دوسری مچھلی ہی کی طرح آخری حصہ عمر کا درست کر لو۔ تاکہ انجام بخیر ہو۔

ورنہ یاد رکھو۔ تیسری احمق مچھلی کا سا حشر ناگزیر ہے اور عذاب کے فرشتے پکڑ کرلے جائیں گے۔ پھر اس احمق مچھلی کی طرح پچھتانا اور شرمانا پڑے گا۔ اب آخر میں یہ دعا ہے کہ ؎

یا خدا جسم میں جب تک کہ مری جان رہے
تجھ پہ صدقے ترے محبوب کے قربان رہے
کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعا ہے کہ امیرؔ
نزع کے وقت سلامت مرا ایمان رہے

اٰمین یارب العلمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلطان الواعظین جناب مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب مدیر "ماہ طیبہ" کوٹلی لوہاراں

کے

بارہ ۱۲ وعظوں کا بے نظیر مجموعہ

مواعظ

کتب خانہ "ماہ طیبہ" کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ